دل دیا درد لیا

فہمی فردوس احمد

دِل دیا درد لیا

فہمی فردوس احمد

"اے رب! میرے علم میں اضافہ فرما"
ہماری کتابیں، معیاری کتابیں، پیاری کتابیں

DUA PUBLICATIONS

ناشر: زاہد شیخ

انتباہ
تمام پبلشرز/دکاندار حضرات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ کتاب ہذا کی جعلی کاپی فروخت کرنے والے کے خلاف سخت سے سخت قانونی کاروائی کی جائے گی۔

حقوقِ اشاعت محفوظ 2015ء

ناول — دِل دیا درد لیا
مصنف — فہمی فردوس احمد
ڈیزائن — ایمان گرافکس
مطبع — اشتیاق مشتاق پرنٹرز لاہور
قیمت — -/400روپے

دُعا پبلی کیشنز
الحمد مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ فون: 042-7233585

خوبصورت اور معیاری کتب چھپوانے کیلئے رابطہ کریں — زاہد شیخ : 0300-9476417

انتساب

اپنے اس جذبے کے نام جس نے مجھے لکھنے پر اکسایا اس ہستی کے نام جس نے مجھے محبت کرنا سکھایا۔ اس آگہی کے نام جس نے مجھے سوچنے سمجھنے کا شعور دیا۔ اس بے قراری کے نام جس نے میرے اندر لکھنے کی تحریک پیدا کی۔ اس اضطراب کے نام جو ہمیشہ مجھے کچھ کر گزرنے پر آمادہ رکھتا ہے۔

پہلا حصہ

آج رزاقی ہاؤس میں اتنی صبح صبح ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ پورے گھر کی صفائی ستھرائی تو ایک دن پہلے ہی کر لی گئی تھی۔ ہر چیز کو خوب رگڑا اور چمکایا گیا تھا۔ چار کینال پر پھیلا ہوا رزاقی ہاؤس اپنی پوری آن، بان، شان کے ساتھ کروفر سے کھڑا جگمگا رہا تھا۔ اس کی ہر چیز امپورٹڈ اور بیش قیمت ہے۔ یہاں تک کہ وسیع و عریض لان کی مخملی گھاس کو بھی مشین کے ساتھ کاٹ کر اس کی سطح بالکل ہموار کر دی گئی تھی۔ دیکھ کر لگتا جیسے سبز کلر کا دبیز قالین دُور تک بچھا ہو۔ کیاریوں میں لگے پودوں کی کانٹ چھانٹ کر کے ان کی خوبصورتی میں بھی اضافہ کیا گیا تھا۔ سوئمنگ پول کی نیلی ٹائلیں سرف سے دھو کر اس میں بالکل تازہ صاف پانی بھر دیا گیا تھا۔ جو ٹائلوں کی وجہ سے نیلگوں دکھائی دیتا اور نظروں کو انتہائی دیدہ زیب دِکھتا۔ مسز رزاقی جن کی صبح ہرگز دس بجے سے پہلے نہیں ہوتی تھی آج صبح 6 بجے سے جاگی ہوئی ہیں۔

بے چینی سے پورچ میں ٹہل رہی ہیں۔ ان کی بے تاب نظریں بار بار مین گیٹ کی طرف اُٹھ رہی ہیں پھر انہوں نے اپنی خوبصورت نازک کلائی میں بندھی قیمتی گھڑی میں ٹائم دیکھا تو ابرو چڑھائیں اوہو سات بج رہے ہیں پانچ بجے کی فلائٹ تھی۔ ابھی تک کیوں نہیں پہنچے۔

اری بہو کیوں ہلکان ہو رہی ہو۔ آنے میں وقت تو لگتا ہے۔ ایئرپورٹ پر سو طرح کے چونچلے کرتے ہیں پھر کہیں جا کر مسافر کی جان چھوٹتی ہے۔ وہ بے چارہ باہر نکل کر آزادی کی سانس لیتا ہے اور عزیزوں سے مل پاتا ہے۔ بی جان مسکراتے ہوئے بولیں۔ وہ آرام سے سرسبز گھاس پر ننگے پاؤں رکھے کرسی پر بیٹھی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں لٹکی تسبیح مسلسل گردش میں تھی۔ وہ بولیں یا چُپ رہیں۔ تسبیح کی رفتار میں کوئی کمی نہ آتی تھی۔ پاس کھڑی ہانیہ جو کافی دیر سے ماں کی نقل و حرکت کو دیکھ رہی تھی۔ آگے بڑھی۔ ماں کا ہاتھ پکڑا اور بولی۔

ماما پلیز: اب بیٹھ جائیں، تھک جائیں گی، مانا کہ بھائی دو سال بعد آ رہا ہے۔ ہم سب اسے ملنے کے لئے بے چین ہیں۔ پلیز آئیں۔ اِدھر بیٹھیں۔ وہ ماں کو ساتھ لئے لان میں رکھی کرسیوں پر آ بیٹھیں۔

یہ سارا اہتمام، بے چینی، اضطراب، ولولہ اور جوش ڈھیر ساری محبت یہ سب کچھ فائق احمد رزاقی کے لئے تھا۔ جو اس گھر کا اکلوتا چشم و چراغ اور اربوں کی جائیداد کا وارث ہے۔ فائق شروع سے شرارتی اور

لاابالی طبیعت کا مالک ہے۔ کسی بات کو سیریس لینا اس کے بس کی بات نہیں۔ بات بے بات بلند آواز میں قہقہے لگانا، ہر کسی سے گھل مل جانا اس کی عادت میں شامل ہے۔ باپ کے دل کا سکون، ماں کی آنکھ کا تارا اور دادی کا راج دلارا ہے۔ بہن بھی جان چھڑکتی ہے بھائی پر۔ دونوں بہن بھائیوں میں اتنی دوستی ہے کہ جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ دونوں کی عمروں میں صرف سوا سال کا فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپس میں انتہائی فرینک ہیں بڑے بھائی کا ادب، لحاظ کیسے کرتے ہیں۔ ہانیہ بالکل نہیں جانتی تھی۔

جب دونوں چھوٹے تھے تو دونوں میں خوب لڑائی جھگڑا ہوتا تھا۔ بلکہ کبھی کبھار نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی تھی۔ مگر جوں جوں بڑے ہوتے گئے۔ لڑائی دوستی میں بدلتی گئی۔ جوان ہوتے ہوتے اس دوستی کی جڑیں بھی گہری ہوتی چلی گئیں۔

تینوں خواتین بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر چونک پڑیں۔

جب تک گاڑی پورچ میں آ کر رکی۔ تینوں خواتین گاڑی کے قریب پہنچ چکی تھیں۔ خوبرو اور دراز قد فائق گاڑی سے نکلا تو سب سے پہلے ماں کے گلے لگ گیا۔

اوہ میریس ویٹ ماما۔ آئی لو یو۔ اس نے ماں کا ماتھا چُوما اس کے بعد دادی سے ملا اور ڈھیروں دُعائیں لیں۔

بھائی میں بھی یہیں ہوں۔ ہانیہ چلائی۔ تو فائق اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اوہ مائی سویٹ سسٹر۔ کیسی ہو۔

شکر ہے تمہیں نظر تو آئی میں تو سمجھی تھی ماما اور دادو ہی سب کچھ ہیں۔ میں تو جیسے کسی کھاتے میں ہی نہیں۔

ہانیہ آتے ہی بھائی سے جھگڑا شروع کر دیا۔ تھکا وہا آیا ہے اسے آرام کی ضرورت ہے۔ ماما نے ہانیہ کو ڈانٹ پلائی۔

مسٹر رزاقی جو دُور کھڑے مُسکرا رہے تھے۔ بولے: آرام تو بعد میں کریں گے پہلے ناشتہ لگوا دیں بڑی زور کی بھوک لگی ہے۔

''ہاں ماما بھوک تو مجھے بھی بہت لگ رہی ہے ناشتے میں کیا بنوایا ہے۔''

''ہر وہ چیز جو میرے بیٹے کو پسند ہے۔'' ماما نے بڑے پیار سے جواب دیا۔ مثلاً فائق نے پوچھا۔

مثلاً آلو کے پراٹھے، پائے، حلوہ وغیرہ۔

اچھا ویری گڈ، یہ وغیرہ کونسی ڈش ہے۔ پہلی دفعہ سن رہا ہوں، کھانے میں کیسی ہے۔ وہ شرارت سے

بولا تو سب ہنس پڑے۔

نانی بوائے، ماما نے پیار سے گال پر چپت لگائی۔

باتیں کرتے کرتے سب اندر خوبصورت ٹی وی لاؤنج میں پہنچ گئے جہاں کنگ سائز ایل۔سی ڈی پر کوئی پروگرام چل رہا تھا۔ایک کونے میں شیشے کا مچھلی گھر رکھا تھا۔جس کے اندر خوشنما چھوٹی چھوٹی مچھلیاں اٹھکھیلیاں کرتی اِدھر اُدھر تیر رہیں تھیں۔

''جی دادو۔'' فائق نے سعادت مندی سے جواب دیا اور اپنے کمرے میں جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔جو اوپری منزل پر بنا ہوا تھا۔

کمرے میں داخل ہوا تو وہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔پورے کمرے کے فرنیچر سے لے کر قالین تک، پردوں سے لے کر فانوس تک ہر چیز بدلی ہوئی تھی۔وہ مسکرایا۔میری پیاری ماں۔

وہ اپنے وسیع و عریض باتھ روم میں آیا۔وہاں بھی ہر چیز چمک رہی تھی۔واش بیسن، باتھ ٹب اور دیگر چیزیں آئینے کی طرح چمک رہی تھیں۔اس کی ماما جانتی تھی کہ اسے گندگی سے کتنی نفرت ہے۔بے ترتیبی اور ڈسٹ وغیرہ اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔اس نے آئینے میں خود کو دیکھا۔سرخ و سفید چہرے پر کسلمندی سی طاری تھی، منہ دھونے کے لئے بیسن کا نل کھولا۔پھر کچھ سوچ کر کپڑے اتارنے لگا۔پھر جب شاور سے نیم گرم پانی کی پھواریں اس کے وجود پر پڑیں تو جیسے ساری تھکاوٹ اُترتی چلی گئی۔

☆☆☆

وہ نہا دھو کر سرخ ٹی شرٹ اور کالا ٹراؤزر پہنے کھانے والی ٹیبل پر پہنچا تو سب نے آنکھوں ہی آنکھیں میں بلائیں لے ڈالیں۔

''بھائی تم بہت ہینڈسم اور اٹریکٹو ہو گئے ہو۔'' ہانیہ چہکی۔

''لگتا ہے لندن کی آب و ہوا نے تم پر بڑا خوشگوار اثر ڈالا ہے۔''

''ہائے بس بھی کرو لڑکی۔کیا نظر لگاؤ گی۔'' دادی نے ہانیہ کو گھر کا۔تو وہ چپ چاپ پراٹھا کھانے لگی۔

''کیسے ہیں چھوٹے صاحب۔'' ساجدہ نے گرما گرم پراٹھا فائق کی پلیٹ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل ٹھیک ٹھاک ساجدہ تم سناؤ۔تمہارے بچے کیسے ہیں۔''

''ٹھیک ہیں صاحب۔بس چھوٹے کو کل سے بخار ہے۔لگتا ہے کسی کی نظر لگ گئی۔''

اس بات کا سننا تھا کہ ہانیہ کے منہ سے بے اختیار قہقہہ اُبلنے لگا۔

ماما نے گھورا تو اس نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر ہنسی روکنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔فائق بھی

زبردستی ہنسی روکے ہوئے تھا۔

''ساجدہ تم جاؤ اور مزید پراٹھے بنا لاؤ۔''

اچھا بیگم صاحبہ۔ساجدہ بے چاری ہونق بنی کھڑی تھی جلدی سے چلی گئی۔اس کے جانے کے بعد فائق بھی کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

یہ کیا بدتمیزی ہے۔ہانیہ

اور تم فائق۔پورے بائیس سال کے ہو گئے ہو۔ایم بی اے کر کے لوٹے ہو۔اب تو سمجھداری کی باتیں کیا کرو۔

سوری ماما۔بس ایک دفعہ پتہ چل جائے نا کہ ساجدہ کے بچوں کو نظر لگاتا کون ہے تو پھر اس کی خیر نہیں۔اس کو چھوڑوں گا نہیں یہ بات سن کر سبھی کی ہنسی چھوٹ گئی۔ماما بھی مسکرا پڑیں۔

☆☆☆

ناشتے کے بعد سبھی اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لئے چلے گئے۔

ساری رات کے جاگے ہوئے تھے ہر کوئی ستانا چاہتا تھا۔مسٹر رزاقی نے بھی آج آفس نہ جانے کا فیصلہ کیا۔وہ آج سارا وقت بیٹے کے ساتھ گزارنا چاہتے تھے۔

☆☆☆

مسٹر رزاقی کا پورا نام محمد احمد رزاقی تھا۔وہ لاہور کا بلکہ پاکستان کا ایک بڑا بزنس مین تھا۔ان کی ٹاول بنانے کی بارہ فیکٹریاں تھیں۔جہاں جدید مشینری پر اعلیٰ کوالٹی کا ٹاول تیار کیا جاتا تھا۔ان کا مال دنیا کے ہر بڑے ملک میں ایکسپورٹ کیا جاتا تھا۔وہ پاکستان کے بڑے ایکسپورٹر تھے۔ان کا ایک نام اور ساکھ تھی۔وہ بیگم اور بچوں کے ساتھ دنیا بھر میں گھوم چکے تھے۔دنیا کی ہر آسائش آج ان کے قدموں تلے تھی۔ان کے بچوں کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوئے تھے۔مسٹر رزاقی شروع سے اتنے دولت مند نہ تھے۔انہوں نے جو کچھ حاصل کیا تھا۔یا جس مقام پر آج کھڑے تھے۔اس کے پیچھے صرف ان کی ذاتی محنت اور لگن تھی۔آج سے پینتیس سال پہلے جب انہوں نے لاہور میں قدم رکھا تو وہ بیس سال کے گھبرو نوجوان تھے۔دیکھنے سے ہی پتہ چل جاتا کہ خالص پینڈو ہیں۔تیل سے چُپڑے بال، آنکھوں میں سرمہ بات کرتے ہوئے جھجکنا۔میٹرک اپنے گاؤں سے کر کے آئے تھے۔ان کا گاؤں لاہور کے مضافات میں ایک ڈیڑھ گھنٹے کی دوری پر تھا۔ان کے والد اپنے گاؤں کے چھوٹے زمیندار تھے۔شادی کے بعد دس سال ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی تو دونوں میاں بیوی نے منتیں مانیں کئی مزاروں پر چڑھاوے چڑھائے تب

کہیں جا کر محمد احمد پیدا ہوئے۔ ماں نے لاڈ پیار میں تعلیم کی طرف توجہ نہ دی جب آٹھ دس سال کے ہوئے تو ان کے والد نے انہیں زبردستی سکول میں داخل کروایا۔ یہی وجہ تھی کہ میٹرک کرتے کرتے ان کی عمر بیس سال ہوگئی۔ پھر ان کے والد نے مزید پڑھائی کے لئے لاہور شہر کا انتخاب کیا۔ جس پر بی جان نے واویلا مچا دیا کہ وہ بیٹے کے بغیر بالکل بھی نہیں رہ سکتی۔ انہوں نے مزید پڑھائی کے خلاف بڑی مزاحمت کی مگر شوہر کے سامنے ایک نہ چلی۔ انہوں نے اپنے ایک دوست کے توسط سے محمد احمد کو ہاسٹل میں داخل کرا دیا۔ ان کی تعلیم پھر سے مدارج طے کرنے لگی۔ شروع شروع میں لڑکے ان کے حلیے اور شرمیلے انداز کو دیکھ کر آوازیں کستے مذاق کا نشانہ بناتے۔ مگر انہوں نے کسی بات پر دھیان دیئے بغیر دلجمعی سے پڑھائی کی طرف توجہ دی۔ ہاں جب کبھی کبھار ان کے والد چودھری حشمت ان سے ملنے ہاسٹل آتے تو ان کی پگڑی کا اونچا شملہ دیکھ کر تو وہ فخر سے سینہ پھلا لیتے۔ لیکن جب چودھری صاحب اپنے ساتھ لائی گاؤں کی سوغاتیں اس کے سامنے پرنسپل کے آفس میں ڈھیر کر دیتے تو پھر وہ ضرور سبکی محسوس کرتے۔ ان سوغاتوں میں گڑ کا حلوہ، بھنے چاولوں کا مُرونڈا یا پھر سردیوں میں گڑ کی پنیاں اور دیسی گھی میں پسی ہوئی دال بھون کر اس میں ڈھیر سارے بادام پستے ڈال کر ایک سویٹ ڈش ہوتی۔ پرنسپل صاحب کے سامنے تو وہ یہ چیزیں لیتے ہوئے خفت محسوس کرتے۔ مگر جب وہ اپنے کمرے میں ان چیزوں سے لطف اندوز ہوتے تو بی جان کی محبت کی خوشبو ہر چیز سے پھوٹتی اور ان کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔

ایک ماہ بعد انہیں دو دن کی چھٹی ملتی تو وہ بی جان کو ملنے گاؤں جاتے۔ جہاں بے جی ان کا والہانہ استقبال کرتیں۔ بات بے بات واری صدقے جاتیں۔ پورے مہینے کی سنبھال کر رکھی ہوئی محبت ان پر نچھاور کرتیں۔ ان کے من پسند کھانے تیار کرتیں اور اپنے ہاتھ سے انہیں کھلاتیں اور جب وہ جانے کے لئے رخت سفر باندھتے تو بی جان رو رو کر ان کو الوداع کہتیں۔ ان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر ماتھا چومتیں۔ ان کا بس نہ چلتا کہ محمد احمد کو کہیں چودھری حشمت کی نظروں سے چھپا لیں۔ ماں کی بیٹے کے لئے یہ دیوانگی دیکھ کر کبھی تو چودھری صاحب قہقہہ لگا کر ہنس پڑتے اور کبھی جھنجھلا اُٹھتے۔

اوئے چھڈ دی دے اسے۔ کیوں رو رو کر اس کا دل خراب کرتی ہے۔ لاہور ہی جا رہا ہے۔ ولایت تھوڑا ہی جا رہا ہے۔

چودھری صاحب کی گرج سن کر بی جان آہستگی سے اسے چھوڑ دیتیں اس کے جانے کے بعد دو دن تک بی جان منہ پھلائے پھرتیں۔ گھر ان کو کاٹنے کو دوڑتا۔ چودھری صاحب سے بھی سیدھے منہ بات نہ کرتیں۔ تیسرے دن سے سب کچھ ٹھیک ہو جاتا۔ بی جان کا موڈ بحال ہو جاتا وہ پھر سے محمد احمد کے انتظار

میں دن گننے لگتیں۔ کئی دفعہ چودھری صاحب پیار سے سمجھاتے۔

جھلیئے خود کو کنٹرول کرنا سیکھ حد سے زیادہ محبت بندے کو اندھا کر دیتی ہے۔ چاہے وہ محبت اولاد سے ہی کیوں نہ ہو۔

آپ کیا جانیں ماں کے جذبات۔ پورے دس سال بعد اللہ نے اولاد جیسی نعمت سے نوازا۔ آپ نے اسے بھی مجھ سے دور کر دیا۔ تو کیا سمجھتی ہے مجھے اس سے محبت نہیں ہے وہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ مگر اس کے بہتر مستقبل کے لئے دل پر پتھر رکھنا پڑتا ہے۔ آپ رکھ سکتے ہیں دل پر پتھر مجھ سے نہیں رکھا جاتا۔ وہ منہ بسورتیں۔ چودھری صاحب مسکرا کر کہتے دیکھنا ایک دن ہمارا بیٹا بہت بڑا آدمی بنے گا۔ دنیا اسے سلام کرے گی۔ تب میں پوچھوں گا تم سے سناؤ تم صحیح تھیں کہ میں۔

کیسا بڑا آدمی کل کو اپنی زمین ہی سنبھالنی ہے تو پھر اتنا پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ بی جان تکرار کئے جاتیں۔

تو کبھی نہیں سمجھے گی۔ تیری موٹی عقل میں کوئی بات گھسے گی بھی نہیں چل جا میرے لئے حُقّہ گرم کر کے لے آ۔ چودھری صاحب سیخ پا ہو کر حکم دیتے اور بی جان بڑبڑاتی ہوئی اُٹھ جاتیں۔

تھیں تو بی جان بھی خاصی دبنگ قسم کی عورت تھیں۔ مگر چودھری صاحب کے سامنے ان کی ایک نہ چلتی تھی۔

محمد احمد نے ایف اے ایک نجی کالج سے پاس کیا تو ان پر چڑھا دیہاتی رنگ اُتر چکا تھا۔ پھر انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کیا تو وہ مکمل طور پر لاہوریئے بن چکے تھے۔ انہیں دیکھ کر شائبہ تک نہ ہوتا تھا کہ یہ وجیہہ و شکیل نوجوان کسی گاؤں سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کا رہن سہن، بول چال اور لباس ہر چیز بدل چکی تھی۔ اب وہ چوبیس سال کے بھرپور جوان تھے۔

بی جان چاہتی تھیں کہ وہ اب شادی کریں اور زمینداری سنبھالیں۔ مگر انہوں نے سختی سے انکار کر دیا کہ ابھی شادی کے چکروں میں نہیں پڑنا چاہتے۔ وہ بزنس کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں زمینوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہوں نے واضح کر دیا کہ وہ کامیاب بزنس مین بن کر ہی شادی کریں گے۔ چاہے جتنا بھی وقت لگ جائے بی جان کے ارمانوں پر جیسے اوس پڑ گئی۔

وہ کب سے بھانجی کو اکلوتے بیٹے کی دلہن بنانے کے خواب سجائے بیٹھی تھیں۔ بیٹے کے صاف انکار کرنے پر بھانجی کا رشتہ تو ہاتھ سے گیا۔ بہن نے نامعلوم مدت تک بیٹی کو کنوارا بٹھانے سے انکار کر دیا۔

محمد احمد نے جب والد سے کاروبار کرنے کے لئے رقم مانگی تو چودھری صاحب نے مونچھوں کو تاؤ

دیتے ہوئے پوچھا کتنے پیسے چاہئیں پُتر۔

"پانچ لاکھ" محمد احمد نے جواب دیا۔

پانچ لاکھ سن کر چودھری صاحب اُچھل پڑے اس زمانے میں پانچ لاکھ کی اچھی خاصی ویلیو تھی۔

پانچ لاکھ چودھری صاحب حیرت سے بولے۔کون سا کام کرنا چاہتا ہے تو۔

میں پاورلومز لگانا چاہتا ہوں۔

پاورلومز لگا کر کیا کرے گا۔چودھری صاحب کی حیرت ہنوز برقرار تھی۔پاورلومز پر کپڑا بُنا جاتا ہے۔

کیا کہا کپڑا بُنے گا۔چودھری حشمت کا بیٹا جولاہے کا کام کرے گا۔

چودھری کا پارہ چڑھائی کی طرف جانا شروع ہو گیا۔

ابا جی زمانہ بدل گیا ہے۔اب وہ دور نہیں رہا جب جولاہے کا بیٹا جولاہا اور موچی کا بیٹا موچی ہوتا تھا۔اب کوئی پیشہ کسی ایک قوم کے لئے مخصوص نہیں رہا۔اور نہ ہی کسی کے کاروبار سے اس کی شناخت ہو سکتی ہے۔محمد احمد کے زوردار دلائل کے سامنے چودھری صاحب زیادہ دیر تک ٹک نہ سکے۔حامی بھر کر پھر بولے۔

یار لوگ کیا کہیں گے۔چودھریوں نے کھڈیاں لگا کر کپڑا بُننا شروع کر دیا ہے۔

اوہو! ابا جی لوگوں کی زیادہ پروا مت کیا کریں۔دیکھنا جب کام چل جائے گا تو خود بخود سب کے منہ بند ہو جائیں گے۔

بیٹے کو خوش دیکھ کر چودھری صاحب بھی مطمئن ہو گئے۔

☆☆☆

فائق اور ہانیہ سرسبز لان میں بیٹھے ڈرائی فروٹ سے لطف اندوز ہو رہے تھے ساتھ ساتھ خوش گپیاں بھی جاری تھیں۔ہانیہ فائق کو وہ تمام واقعات وحادثات تفصیلاً بتا رہی تھی۔جو اس کی غیر موجودگی میں وقوع پذیر ہو چکے تھے۔مثلاً کس کی شادی ہوئی اور کس کس کی منگنی عقیقے اور سالگرہ وغیرہ اس کے علاوہ تھیں۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ اچانک فائق نے ایک دلچسپ منظر دیکھا۔

اے ہنی ادھر دیکھو۔ہانیہ نے فائق کی نگاہوں کے تعاقب میں نظریں دوڑائیں تو وہ بھی بے اختیار ہنسنے لگی۔

سامنے کوٹھی کی بیک سائیڈ نظر آ رہی تھی جہاں اوپر منزل پر سرونٹ کوارٹر تھے۔اوپر کوارٹروں میں جانے کے لئے لوہے کی مضبوط اور بھاری بھرکم سیڑھی لگائی گئی تھی۔

دلچسپ منظر یہ تھا کہ اس سیڑھی پر ساجدہ کے تینوں بیٹے اوپر تلے قطار میں بیٹھے ان کو دیکھ رہے

تھے۔تینوں کا رنگ ایک جیسا تھا بالکل اپنے باپ جیسا کالا سیاہ۔ساجدہ بھی سانولی سلونی تھی۔مگر پرکشش دکھائی دیتی تھی۔وہ دبلی پتلی اور تیکھے نقوش کی مالک تھی۔جبکہ اس کا شوہر عنایت تو ایسا تھا کہ اندھیرے میں کھڑا نظر نہ آئے۔اس کو دیکھ کر توے کی رنگت شرماتی تھی۔

تینوں بچے ہو بہو باپ کی کاربن کاپی تھے۔

ایسا لگتا ہے جیسے افریقن بندر قطار میں بیٹھے ہوں۔فائق نے جملہ اچھالا کم بختوں کو پھر بھی نظر لگ جاتی ہے۔دونوں بے تحاشا ہنسنے لگے۔تو بچے بے چارے ہونق نظروں سے اُن کو گھورتے رہے اس بات سے بے خبر کہ وہ ان کی کیا گت بنا رہے ہیں۔

اے ہنی چپ کرو۔بی جان آ رہی ہیں۔فائق نے اشارہ کیا۔

بی جان قریب آ کر کرسی پر بیٹھ گئیں۔

کس بات پر اتنی ہنسی آ رہی تھی۔ذرا میں بھی تو دیکھوں۔

بی جان ایک بات بتائیں۔

پوچھو۔

ان تینوں کو غور سے دیکھ کر بتائیں کہ ان میں سے کسی کو نظر لگ سکتی ہے۔مجھے تو لگتا ہے ساجدہ کی اپنی نظر کمزور ہے جو اسے اپنے بچے ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتے۔فائق نے بات مکمل کی تو دونوں پھر سے ہنسنے لگے۔

بی جان انہیں ہنستا دیکھ کر مسکرانے لگیں۔ارے بے وقوفو کمہارن ہمیشہ اپنے برتن کو ہی سراہتی ہے۔چاہے بھدا ہی کیوں نہ ہو۔

تم نے وہ ماچھن والی مثال تو سنی ہو گی۔

بی جان۔ہمیں آپ کے علاوہ اتنی پرانی اور مزے دار مثالیں اور کون سنا سکتا ہے بھلا۔

سنائیے نا۔وہ سننے کے لئے متجسس ہو گئے۔

بات یہ ہے کہ ایک بادشاہ اور وزیر میں بحث چھڑ گئی۔پرانے وقتوں کی سنی سنائی بات ہے اب اس میں کتنی حقیقت ہے۔یہ میں نہیں جانتی۔

سنائیے نا: بی جان۔پلیز اتنی تمہید نہ باندھا کیجیے۔

اچھا تو سنو: بادشاہ کہتا تھا کہ میرا بیٹا زیادہ خوبصورت ہے۔وزیر کہتا تھا کہ میرا بیٹا زیادہ خوبصورت ہے۔ان دونوں کے بیٹے پاس ہی شاہی باغ میں کھیل رہے تھے۔دونوں دُور بیٹھے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے

جب دونوں میں بحث چھڑ گئی جب بحث نے زیادہ طول پکڑا تو دونوں نے فیصلہ کیا کہ کسی تیسرے سے پوچھتے ہیں کہ کس کا بیٹا زیادہ خوبصورت ہے۔ انہوں نے منصف کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تو باغ کے ایک کونے میں ایک تنور لگا ہوا تھا۔ جس پر ایک عورت بیٹھی روٹیاں لگا رہی تھی۔ وہ محل کی ملازمہ تھی۔ روٹیاں لگانا اس کی ذمہ داری تھی۔ کہنے لگے چلو چل کر اس عورت سے فیصلہ کرواتے ہیں کہ زیادہ خوبصورت کس کا بچہ ہے۔ بادشاہ اور وزیر دونوں اس عورت کے پاس پہنچے۔ اپنے بچے بھی انہوں نے ساتھ لے لئے۔

اے عورت جلدی سے بتاؤ کس کا بیٹا زیادہ خوبصورت ہے میرا یا وزیر کا۔ بادشاہ نے بارعب آواز میں پوچھا۔

عورت نے دونوں بچوں کو بغور دیکھا اور پھر پاس بیٹھے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا جو کالا سیاہ اور ننگ دھڑنگ بیٹھا انگوٹھا چوس رہا تھا اُس کی ناک بہہ رہی تھی۔

عورت نے جلدی سے اپنے بچے کو اُٹھایا۔ اس کی ناک صاف کی اور بولی حضور اگر آپ میرے دل سے پوچھیں تو مجھے تو یہ بچہ زیادہ خوبصورت لگتا ہے۔

بادشاہ اور وزیر عورت کی بات سن کر لاجواب ہو گئے۔ بے جی کی کہانی سن کر فائق اور ہانیہ ہنس ہنس کر بے حال ہو گئے۔ اس کہانی کا مطلب یہ ہے کہ ہر ماں کو اپنا بچہ دنیا کا خوبصورت ترین بچہ نظر آتا ہے۔ بچے کو نظر بھی زیادہ تر اس کے والدین ہی کی لگتی ہے۔ جب ماں باپ کا دل بچے کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے تو نظر لگ جاتی ہے۔

پھر تو پاپا کو آپ ہر روز نظر لگاتی ہوں گی ہانیہ نے کہا تو بی جان مسکرانے لگیں۔ ہاں میرا محمد احمد تو واقعی لاکھوں میں ایک تھا۔ میں نے تو باقاعدہ نظر بد سے بچنے کے لئے اس کے گلے میں تعویذ ڈال رکھا تھا۔

پاپا ہیں بھی تو اتنے خوبصورت۔ آج بھی ان کی پرسنیلٹی اتنی زبردست ہے کہ نوجوان ان کے سامنے ایک دم پھیکے پڑ جائیں۔ ہانیہ نے باپ کی شان میں قصیدہ پڑھ ڈالا۔

☆☆☆

آج رات کے کھانے پر خصوصی اہتمام کیا گیا تھا کیونکہ آج فریحہ بیگم نے اپنی بڑی بہن اور اس کی فیملی کو کھانے پر انوائٹ کیا تھا۔ فریحہ کی بہن شگفتہ ناز ایک کالج میں لیکچرار تھیں۔ وہ فریحہ کی طرح اتنی خوش قسمت نہ تھیں کہ ارب پتی شوہر کی بیوی بنتیں۔ ان کے شوہر نامدار بھی کالج میں نفسیات کے پروفیسر تھے۔ ان کے دو بچے تھے۔ ایک بیٹا فرحان جو اس وقت انجینئرنگ کے فائنل ایئر میں تھا۔ دوسری بیٹی تھی۔ رمشا جو بی کام کر رہی تھی۔ بچوں کی آپس میں خوب بنتی تھی۔ جب کبھی شگفتہ بچوں سمیت رہنے کے لئے چند دن آتیں تو

فائق اور ہانیہ کے لئے وہ دن بڑے خوشگوار ہو جاتے خوب ہلا گلا ہوتا۔ لاہور کے تمام قابل دید مقامات کی سیر کی جاتی۔ ہر مشہور ہوٹل میں کھانا کھایا جاتا اور ہر خوبصورت تفریحی پارک کی سیر کی جاتی۔ بچے تو بچے بڑوں کی بھی خوب محفلیں جمتیں۔ مسٹر رزاقی کے شروع سے اپنے ہم زلف کے ساتھ تعلقات خوشگوار رہے۔ دونوں ہم مزاج اور زندہ دل تھے۔ بہنوں میں کبھی کبھار تو تو میں میں ہو جاتی مگر مجال ہے کبھی دونوں کے شوہروں کے درمیان ان بن ہوئی ہو۔ آتے تو سال میں ایک دو دفعہ تھے۔ فیصل آباد لاہور سے خاصے فاصلے پر واقع ہے۔ دوسرے دونوں میاں بیوی سرکاری ملازم تھے۔ کبھی دونوں کو اکٹھی تین چار چھٹیاں مل جاتیں تو رہنے کے لئے آ جاتے۔ اس دفعہ بھی ان کا ارادہ چار پانچ روز رہ کر جانے کا تھا۔ فائق پورے دو سال بعد آیا تھا۔ اس کے ساتھ جی بھر کر وقت گزارنا بھی مقصود تھا۔ ویسے بھی دونوں بہنیں ایک دوسرے کے بچوں کے ساتھ خوب پیار کرتی تھیں آج بھی کھانے کی میز پر ایک دوسرے کے ساتھ خوب چہلیں ہو رہی تھیں۔ لاہور شہر کے مشہور کھابے میز کی رونق بنے ہوئے تھے۔ محمد احمد ایک ایک ڈش پکڑ کر اپنے ہم زلف شاہد صاحب کو پیش کر رہے تھے۔ اور ساتھ ساتھ اس ڈش کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ باجی آپ بھی لیں نا۔ یہ لاہور کی بڑی مشہور نہاری ہے۔ بیگم فریحہ نے بہن کی طرف نہاری والا ڈونگا بڑھایا۔

اوہو! بھئی کتنا کھلاؤ گے۔ ایک وقت کا کھانا کھا کر ہم نہیں جانے والے۔ ابھی کچھ دن یہیں ہیں۔ شگفتہ ناز کی اس بات پر ایک قہقہہ اُمنڈ پڑا۔

ارے باجی آپ کا ہمارے یہاں رہنا تو ہمارے لئے بہت خوش آئند ہے۔ کیونکہ آپ کی وجہ سے ہماری بیگم صاحبہ بھی زیادہ وقت گھر پر گزارتی ہیں۔ اور ہم ان کے قرب سے زیادہ مستفید ہو پاتے ہیں۔ اس بات پر پھر سب کھلکھلا پڑے۔

ہنستے ہنستے محمد احمد کا دھیان بی جان کی طرف گیا۔ جو بے دلی سے پلیٹ میں چمچ چلا رہی تھیں۔ ان کے ہونٹوں پر پھیکی سی طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

بی جان آپ کھانا کیوں نہیں کھا رہیں۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ محمد احمد فکرمندی سے پوچھنے لگے۔

تھکاوٹ سی محسوس ہو رہی ہے۔ آرام کروں گی تو صبح تک بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

محمد احمد انہیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے اور سوچتے رہے۔ بی جان نے آج اتنا وقت گزر جانے کے باوجود بھی فریحہ اور اس کی فیملی کو دل سے قبول نہیں کیا۔

کھانا کھانے کے بعد سب لاؤنج میں رکھے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ وہاں چائے کا دور چلنے لگا۔ اور ساتھ ہی شعر و شاعری شروع ہوگئی۔ بچوں نے وہاں سے بھاگ جانے میں عافیت جانی سب ایک ایک کر کے کھسکتے گئے۔ ہانیہ کے کمرے میں جمع ہوتے گئے۔

وہاں تاش کی بازی خوب جمی۔ طے پایا کہ ہارنے والا سب کو پیزا کھلائے گا۔ آخر فائق کے حصے میں ہار آئی۔ اس نے فون پر پیزے کا آرڈر دے دیا۔ کھیلتے کھیلتے اور پیزا آنے تک رات کے بارہ بج چکے تھے۔ آٹھ بجے کا کھایا ہوا کھانا ہضم ہو چکا تھا۔ اور پیزے کے لئے معدے میں جگہ بن چکی تھی۔ ہانیہ اور رمشا پلیٹیں وغیرہ ٹی وی لاؤنج میں لے آئی تھیں۔

چھوٹی اور بڑی پارٹی دونوں پیزے سے خوب لطف اندوز ہوئیں۔ پیزا کھانے سے پہلے فائق دادی کے کمرے میں جھانک چکا تھا۔ تاکہ اگر وہ جاگ رہی ہوں تو انہیں بھی اس دعوت میں شامل کر لیا جائے۔ مگر کمرے میں اندھیرا دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ دادی اماں سو چکی ہیں۔ اس نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔ پیزے سے فارغ ہو کر رمشا ہانیہ کے کمرے میں جبکہ فرحان فائق کے کمرے میں سونے کے لئے چلے گئے۔ جو اوپری منزل پر تھا۔ بیگم شگفتہ اور ان کے شوہر شاہد کا کمرہ بھی اوپر ہی تیار کیا گیا تھا۔

☆☆☆

دوسرے دن ناشتے سے فارغ ہو کر دونوں کزن جو ایک دوسرے کے گہرے دوست بھی تھے۔ تیار ہو کر باہر نکلے۔ فائق کی نظر بشیر خان پر پڑی تو اس کی طرف لپکا۔

اوہ بشیر بابا آپ آ گئے۔ وہ بشیر بابا سے لپٹ گیا۔

بشیر بابا کا جیسے ڈھیروں خون بڑھ گیا۔ بڑی گرم جوشی سے فائق سے ملا۔ آپ سنائیں فائق میاں ولایت میں دو سال کیسے گزرے۔ صحت ماشاءاللہ بہت اچھا دکھائی دیتا ہے۔

ہم ایک دم فرسٹ کلاس ہے بشیر بابا۔ گوروں کے وطن کی آب و ہوا ہم کو بہت راس آیا ہے۔ فائق بھی بشیر بابا کے لہجے میں بولا تو فرحان مسکرانے لگا۔

اللہ تم کو ہمیشہ ایسا ہی خوش رکھے میرے بچے بشیر بابا نے دل سے دعا دی۔

شکریہ بشیر بابا۔ آپ نے میری بائیک تو صاف کر دی ہے نا۔ جی فائق صاحب فجر کی نماز کے بعد ہم ہمیشہ سب سے پہلے آپ کی بائیک صاف کرتا ہے پھر کوئی دوسرا کام کرتا ہے۔ اوہ ویری گڈ آؤ چلیں۔ فائق نے اپنی نئی اسپورٹس بائیک اسٹارٹ کی تو فرحان پیچھے بیٹھ گیا۔ بائیک کا دھواں ہوا میں اڑاتے ہوئے وہ ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ فائق کو شروع سے گاڑیوں کی بجائے نت نئی بائیکوں کا شوق رہا تھا۔ امپورٹڈ ہیوی

بائیک پر بیٹھ کر اسے گولی کی رفتار سے چلانا اسے پسند تھا۔ خوبصورتی کے ساتھ ساتھ اس کی نئی اسپورٹس بائیک اسے تمام دوستوں بلکہ خاندان میں بھی سب سے نمایاں کرتی تھی۔

اسے احساس تھا وہ جانتا تھا۔ اپنے ہر انداز کو۔ اور اسے خود پر فخر کرنے کا جنون بھی تھا۔ شاید یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے۔

☆☆☆

ہائے مام۔ عائزہ نے بانہیں مسز دانیال کے گلے میں ڈال کر اُن کے گال پر پیار کیا۔ وہ اس وقت لاؤنج میں بیٹھیں خانساماں سے سودا سلف منگوا کر حساب کتاب کر رہی تھیں۔ کیا بات ہے بڑا مسکا لگا رہی ہو۔ ضرور کوئی کام ہے۔ کیا کام ہوگا مام۔ کیا میں اپنی پیاری مدر کے ساتھ پیار نہیں جتلا سکتی۔ وہ ایک ادا کے ساتھ بولی۔

ٹھیک ہے آئی ایم سوری میں نے تمہاری نیت پر شک کیا۔

اٹس او کے۔ وہ خوشدلی سے مسکرائی۔ اور ماں کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔

ماما، پاپا کب آ رہے ہیں۔

شاید اگلے ہفتے تک آ جائیں۔ مسٹر دانیال بزنس کے سلسلے میں اکثر ملک سے باہر رہتے تھے۔

مام پھر سے خانساماں کے ساتھ مصروف گفتگو ہو گئیں تو عائزہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگی۔ کبھی ہاتھوں کی انگلیاں چٹخانے لگتی۔ مسز دانیال اس کی کیفیت سے پوری طرح باخبر تھیں۔ وہ کن انکھیوں سے اس کا جائزہ بھی لیتی جا رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ جو کچھ اس کے دل میں چل رہا ہے جلدی ہی زبان پر آ جائے گا۔ وہ زیادہ دیر تک چھپانے والوں میں سے نہیں تھی۔ آخر پھسل ہی پڑی۔

مام..... وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

ہوں..... مام نے بے نیازی برتی۔

مام بات یہ ہے کہ مجھے اپنی دوست عائشہ کے ساتھ شاپنگ کے لئے جانا ہے۔

ہوں تو آخر بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی۔ تمہیں شاپنگ کے لئے جانا ہے اور اس کے لئے تمہیں منی کی ضرورت ہے۔ ہے نا۔ انہوں نے تصدیق چاہی۔

اوہ میری سویٹ ماما۔ آپ کتنی اچھی ہیں، فٹ سے میرے دل کی بات بوجھ لیتی ہیں۔ وہ پھر سے ماں سے لپٹ گئی۔

اچھا اچھا..... یہ بتاؤ کتنے پیسے چاہئیں۔

بیس پچیس ہزار کافی ہوں گے۔ سردیوں کے لئے کچھ چیزیں لینی ہیں۔

اچھا ٹھیک ہے۔ یہ پیسے رکھ لو۔ اور ڈرائیور کے ساتھ جانا اکیلی مت گاڑی لے کر نکل جایا کرو۔

مام ڈرائیور ہمارے ساتھ کیا کرے گا۔ ہم دکان دکان گھومیں گی۔ اور وہ بے چارہ خواہ مخواہ بور ہو گا۔ اور پھر میں اکیلی کیسے ہوں گی میرے ساتھ عائشہ ہو گی نا۔

او کے مام۔ بائے۔ وہ پرس جھلاتی ہوئی باہر کی طرف چل دی اف کیا کروں۔ اس لڑکی کا۔ اپنی منواتی ہے۔ میری تو ایک نہیں سنتی۔ باپ نے سر پر چڑھا رکھا ہے۔ وہ بڑبڑاتی رہ گئیں جبکہ عائزہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے عائشہ کے گھر کی طرف چل دی۔

☆☆☆

دونوں شہر کے معروف شاپنگ مال میں داخل ہوئے۔ جہاں پر ضروریات زندگی کی ہر چیز دستیاب تھی۔ وہ لفٹ کے ذریعے اس پورشن میں پہنچے جہاں ریڈی میڈ ملبوسات، جوتے اور جیولری وغیرہ رکھے تھے۔ فائق کو کچھ شرٹس اور سینٹ وغیرہ خریدنے تھے۔

وہ دونوں بھی وہیں گھوم رہی تھیں۔ عائزہ نے ایک جرسی اور سویٹر خریدا۔ عائشہ نے ہینڈ بیگ اور موزے خریدے۔ پھر عائشہ بولی۔ یار بھائی کی برتھ ڈے ہے۔ سوچ رہی ہوں اسے کونسا گفٹ دوں۔

ہوں عائزہ سوچتے ہوئے بولی ایسا کرو کوئی خوبصورت سی شرٹ خرید لو۔ وہ دیکھو سامنے جینٹس شرٹس لگی ہیں۔

چلو چل کر دیکھتے ہیں۔ دونوں شرٹس دیکھنے کے لئے آئیں۔ عائزہ کو ایک بلو چیک والی شرٹ اچھی لگی تو اس نے ہینگر پکڑ کر کھینچا۔ ٹھیک اسی وقت وہی شرٹ فائق نے اتارنے کے لئے پکڑی۔ دونوں نے بیک وقت ایک ہی شرٹ کو اپنی اپنی جانب کھینچا۔ فائق نے جب ایک پری چہرہ اور نازک اندام لڑکی کو وہی شرٹ کھینچتے دیکھا تو یک دم اس نے شرٹ کو چھوڑ دیا۔ عائزہ اپنے ہی زور میں پیچھے کی طرف گرتے گرتے بچی۔ اگر وہ اپنے ساتھ کھڑی عائشہ کو بروقت تھام نہ لیتی تو ماربل کے چکنے فرش پر یقیناً کمر کے بل گرتی۔ وہ سنبھل کر فائق پر چڑھ دوڑی۔

وہاٹ نان سینس تمہیں اتنی بھی تمیز نہیں کہ شاپنگ کیسے کی جاتی ہے۔ اگر میں گر جاتی تو میں نے تمہاری بینڈ بجا دینی تھی۔ بدتمیز۔ گنوار کہیں کے وہ آگ بگولہ ہوتی ہوئی ایک سانس میں نجانے کیا کیا کہہ گئی۔

فائق بے چارہ ہونق کھڑا چپ چاپ سنتا رہا۔

ریلیکس یار۔ عائشہ نے بازو سے پکڑ کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ چلو وہ اسے کھینچتی ہوئی لے گئی۔

ہونہہ بندر کہیں کے۔ وہ جاتے جاتے پھر پھنکاری۔

اوہ بھائی ہوش میں آؤ۔ فرحان نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

یار لڑکی تھی کہ بارود کا گولا ذرا سی بات پر اتنا دھماکہ کر گئی۔ وہ جیسے بے یقینی کی کیفیت میں بول رہا تھا۔ اس کا زندگی میں پہلی دفعہ ایسے حالات سے پالا پڑا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی اسے اس طرح بھی لتاڑ سکتا ہے اور وہ بھی ایک دھان پان سی لڑکی بڑی بدمزاج حسینہ تھی۔ وہ مسکرایا۔

یار وہ تمہاری اتنی انسلٹ کر کے گئی ہے۔ اور تم کھڑے مسکرا رہے ہو۔ حیرت ہے۔ فرحان واقعی حیران ہوا۔

یار کچھ تو خاص ہے اس لڑکی میں۔

کچھ خاص واص نہیں امیر باپ کی بگڑی ہوئی صاحبزادی ہے اور کچھ نہیں۔ چلو شاپنگ مکمل کریں اور کہیں چل کر کچھ کھاتے ہیں۔

دونوں نے اپنی ضروری چیزیں خریدیں۔ اور شاپنگ مال سے باہر آ گئے۔ گاڑی میں بیٹھ کر مشہور ریستوران کی طرف چل پڑے جہاں کا چائنیز کھانا بہت مشہور تھا۔ گاڑی پارک کر کے ہوٹل کے ہال کمرے میں داخل ہوئے۔ تو کسی خالی ٹیبل کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگے۔ اچانک وہ دونوں لڑکیاں ایک ٹیبل پر بیٹھی نظر آ گئیں۔ وہ بھی کن انکھیوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

ارے وہ بدمزاج حسینہ تو یہاں بھی موجود ہے یہ نہ ہو یہاں سب کے سامنے ہمارے بھرتہ بنا دے۔ میں تو کہتا ہوں خاموشی سے نکل چلتے ہیں۔ فرحان نے بازو سے فائق کو ٹہوکا دیا۔ ارے مرد ہو کر لڑکیوں سے ڈرتا ہے۔ فائق نے سینہ پھلایا۔ چل اِدھر بیٹھتے ہیں۔ اس نے فرحان کو بازو سے کھینچا اور اس میز پر لا بٹھایا جہاں سے عائزہ اور عائشہ بالکل سامنے اور واضح نظر آ رہی تھیں۔

اوہ تو یہ بندر ہمارا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آ گئے۔ عائزہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

عائزہ اگر انہوں نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو ہم کیا کریں گی۔ عائشہ خوفزدہ ہو گئی۔

میری دوست ہو کر ایسی ڈرپوکی دکھاؤ گی۔ ویری بیڈ۔

میرے ہوتے ہوئے تمہیں ڈرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔

میں ہر بات کا منہ توڑ جواب دے سکتی ہوں۔ اتنے میں ویٹر ان کا آرڈر لے کر آ گیا۔ اور وہ کھانے میں مصروف ہو گئیں۔ دونوں پارٹیاں آمنے سامنے بیٹھیں کھانا کھاتی رہیں اور ایک دوسرے کو گھورتی رہیں۔ مگر کوئی بھی قابل ذکر واقعہ پیش نہ آیا۔

☆☆☆

رات کو دونوں لڑکے اپنے بیڈ روم میں اپنی خریدی ہوئی چیزیں پہن پہن کر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے تمام چیزیں سمیٹ کر الماری میں رکھ دیں۔ اتنے میں ہانیہ آ دھمکی۔ کیا لڑکیوں کی طرح چوری چوری شاپنگ کر کے مال چھپایا جا رہا ہے۔ مجھے بھی دکھاؤ کیا کیا خریدا گیا ہے۔ اس نے گویا حکم صادر کیا۔

فرحان یار دکھا دو۔ بنا دیکھے اس نے ٹلنا تھوڑا ہے۔ فرحان نے تمام چیزیں ہانیہ کے آگے ڈھیر کر دیں۔ رمشا بھی ٹھیک وقت پر آن پہنچی دونوں نے تمام سامان خوب الٹ پلٹ کر ٹھونک بجا کر دیکھا اور ساتھ ساتھ تبصرہ بھی جاری رکھا۔ اگر آپ دونوں خواتین دیکھ چکی ہیں تو میں یہ چیزیں دوبارہ سے الماری میں رکھ دوں۔ فرحان نے بڑے ادب سے پوچھا تو ہانیہ نے بارعب آواز میں جواب دیا۔ اجازت ہے شکریہ۔ فرحان نے سر جھکا کر جواب دیا۔

بائی دا وے بھائی تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔

فائق جو بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ چونکا کچھ نہیں بس تھکاوٹ سی محسوس کر رہا ہوں۔ ویسے میں جانتا ہوں اس کی تھکاوٹ کی وجہ۔ اگر یہ اجازت دے تو تم دونوں کو بتا سکتا ہوں۔ فرحان شرارت سے بولا۔ فرحان تم اپنا منہ بند رکھو گے۔ فائق نے تنبیہہ کی۔ مگر جانتا تھا کہ اب یہ منہ بند ہونا مشکل ہے۔

کیا ہوا تھا بتاؤ نا۔ وہ دونوں مارے تجسس کے بے چین ہو گئیں۔ ہوا یہ تھا کہ موصوف کو شاپنگ مال میں ایک لڑکی نے اچھا خاصا دھوڈالا تھا۔

دھوڈالا تھا۔ مطلب وہ دونوں حیران ہوئیں۔

مطلب یہ کہ اس لڑکی نے اپنی زبان کی قینچی کے ساتھ ان کے فخر و غرور سے بنے پر کاٹ ڈالے جن کی مدد سے یہ ہمیشہ محو پرواز رہتے تھے۔

ابے تیری تو۔ فائق نے کھینچ کر تکیہ فرحان کو دے مارا۔

مگر فرحان کی زبان کو نہ روک سکا۔ وہ ہنستے ہنستے کہتا گیا۔ اتنی درگت تو اس کی کسی نے نہ بنائی ہو گی۔ بے چارے کی حالت دیکھنے والی تھی اس وقت۔

کس کی اتنی جرأت جو میرے بھائی کی انسلٹ کرے۔ کون تھی وہ چڑیل۔ میں اس کا دماغ سیٹ کر دوں گی۔ ہانیہ سیخ پا ہوتے ہوئے بولی۔

سوری اس چڑیل نے اپنا ایڈرس تو دیا ہی نہیں۔ اور یہ چڑیلیں کب سے اتنی حسین ہونے لگیں۔

مجھے تو وہ کوہ قاف کی پری لگی تھی۔ فرحان بولا۔

وہ میرے بھائی کی اتنی خاطر کرتی رہی اور آپ اسے دیکھ دیکھ کر اس پر فدا ہوتے رہے۔ ہانیہ فرحان کے منہ سے اس انجان لڑکی کی تعریف سن کر جل بھن گئی۔

ارے ارے اتنا سنگین الزام..... فرحان واقعی گھبرا گیا۔ فدا میں نہیں بلکہ تمہارا بھائی ہو گیا ہے اس کی حالت نہیں دیکھ رہی۔

ہانیہ نے فائق کی طرف دیکھا جو ماتھے پر ہاتھ رکھے نہایت صبر و تحمل سے ان کی بکواس سن رہا تھا۔

بھائی آر یو رائٹ؟ ہانیہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ پلیز تم دونوں اپنے روم میں جاؤ۔ خدا کے لئے فائق نے دونوں ہاتھ جوڑے تو دونوں گھبرا گئیں۔ فوراً اٹھ کر کمرے سے نکل گئیں۔

ان کے جانے کے بعد فائق فرحان پر چڑھ دوڑا۔ ہاں اب بتاؤ لڑکیوں کے سامنے کیا اول فول بک رہے تھے۔

یار میں نے تو جو بھی کہا ہے تمہاری ہمدردی میں کہا ہے۔ اسے تم ہمدردی کہتے ہو۔ فائق نے دانت پیسے۔

تو اور کیا اس لڑکی کو ظالم اور تمہیں مظلوم بنا کر پیش کیا ہے۔

فرحان نے معصومیت سے کہا۔ تو فائق نے غصے سے کروٹ بدل کر آنکھیں مُوند لیں۔

☆☆☆

صبح فائق نیند سے بیدار ہوا تو فرحان بیڈ پر موجود نہ تھا۔ کلاک پر نظر گئی تو دس بج رہے تھے۔ اوہ آج تو جم جانا تھا۔ وہ فٹافٹ اُٹھ بیٹھا۔ موبائل اٹھا کر دیکھا اس پر سات بجے کا الارم رات کو سوتے وقت لگایا تھا۔ الارم اپنے وقت پر بجتا رہا تھا۔ مگر وہ بے سُدھ سوتا رہا تھا۔ اس کے الارم کی آواز سن کر شاید فرحان جاگ گیا تھا۔ مگر اسے جگانا اس نے مناسب خیال نہ کیا تھا۔ نیند کے سامنے میں ہمیشہ کیوں بے بس ہو جاتا ہوں۔ وہ بڑبڑاتا ہوا واش روم میں چلا گیا۔

نیند اسے ہمیشہ سے ہر چیز سے پیاری رہی تھی۔ بچپن میں ماما اسے سکول جانے کے لئے اُٹھاتیں وہ چلی جاتیں تو وہ پھر سے اوندھے منہ گر کر سو رہا ہوتا۔ ماما دوبارہ سے آ کر جگاتیں اور خوب سناتیں۔ اسے نیند سے جگانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ ماما روہانسی ہو کر کہتیں۔ جبکہ ہانیہ کو وہ ایک دو آوازیں دیں اور وہ اٹھ کر تیار ہونے لگتی۔

پھر کالج لائف میں بھی فائق کو جگانا ایک مسئلہ ہی رہا۔ جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اسے اُٹھایا جاتا تب کہیں جا کر اُٹھ کر بیٹھتا۔ چند منٹ بعد بیٹھے بیٹھے پھر سو جاتا۔

کبھی کبھی وہ سوچتا کہ یہ کالج، سکول اور دفتر وغیرہ بارہ بجے کیوں نہیں کھلتے صبح سویرے کیوں کھل جاتے ہیں۔ اس کا بس چلتا تو زندگی سے am نکال ہی دیتا۔ یا شاید وال کلاک کو الٹا لٹکا دیتا۔ بالکل ایسے جیسے وہ جم میں جاتا تو اسے کئی موٹے لوگوں کو دیکھ کر ہنسی آ جاتی۔ وہ سوچتا تھا موٹے ہوتے ہی کیوں ہوا تنا۔ بعد میں وزن کم کرنے کے لئے اتنا جتن کرتے ہو۔ منہ دھو کر کنگھی کر کے وہ کھڑکی کے پردے سرکا کر باہر لان میں دیکھنے لگا۔ جہاں اس وقت فرحان کھڑا بشیر بابا سے باتیں کر رہا تھا۔ فرحان کو دیکھ کر فائق کے ہونٹ مسکرانے لگے۔ شریر کہیں کا۔ رات والی ناراضگی ہوا ہو چکی تھی۔ ان کی آپسی ناراضگی کی عمر بہت چھوٹی ہوتی تھی۔ چند لمحے یا چند گھنٹے نیچے آیا تو کچن میں کافی رونق تھی۔ ڈائننگ ٹیبل پر آنٹی شگفتہ ان کے شوہر نامدار بمع اپنی چہیتی بیٹی کے ناشتہ کر رہے تھے۔ ماما اور پاپا تو تھے ہی۔ البتہ ہانیہ اور بی جان غیر موجود تھیں۔ ہانیہ یقیناً کالج جا چکی تھی۔ جبکہ بی جان ناشتہ صبح سویرے کرنے کی عادی تھیں۔ کیونکہ وہ فجر سے پہلے اُٹھ کر نماز ادا کرتی تھیں۔ اس کے بعد قرآن کی تلاوت اور وظائف میں مشغول رہتیں پھر ناشتہ کر کے نو ساڑھے نو بجے تک سونے کے لئے کمرے میں چلی جاتیں ارے آؤ چاند بیٹا۔ گرما گرم آلو کے پراٹھے تیار ہیں۔ ماما جب کبھی خوشگوار موڈ میں ہوتیں تو اسے چاند کہہ کر پکارتیں۔ ماما ہر روز اتنا خیال رکھتی ہیں۔ ہم سب کو موٹا کرنے کا ارادہ لگتا ہے۔

نہیں جان ہر روز ایسا ناشتہ تھوڑا ہی بنتا ہے۔ یہ تو کبھی کبھار چھٹی والے دن یا پھر جب تمہاری خالہ اور ان کی فیملی آئے تب۔

فائق آج کیا پروگرام ہے۔ آج جلو پارک نہ چلیں۔ شگفتہ ناز نے مسکرا کر فائق سے پوچھا۔

جیسا آپ کہیں آنٹی۔ ہم تو حکم کے غلام ہیں۔ فائق نے آلو کا پراٹھا توڑ کر منہ میں ڈالا۔

آج ہمارا آخری دن ہے صبح ناشتے کے بعد روانہ ہو جائیں گے۔ بس اتنی جلدی۔ ابھی تھوڑے دن اور رُکیں نا۔ فائق نے چھوٹے بچے کی طرح ضد کی۔

نہیں بھائی بہت تنگ کر لیا تمہیں۔ ویسے بھی ہم دونوں میاں بیوی کی چھٹیاں ختم ہو رہی ہیں۔ پرسوں سے اپنی اپنی نوکری جوائن کریں گے۔

اب دوبارہ کب آئیں گے۔ فائق نے پوچھا۔

جب تم منگنی کرواؤ گے۔ شگفتہ شرارت سے بولیں۔ اگر تم جلدی منگنی کرواؤ گے تو جلدی آ جائیں

گے۔

یہ کیا جواب ہوا آنٹی۔ اگر میری منگنی نہ ہوئی تو آپ لوگ آئیں گے ہی نہیں۔

اللہ نہ کرے لڑکے کیوں نہیں ہو گی منگنی۔ شگفتہ نے گھرکا۔

بیگم فریحہ خالہ بھانجے کی نوک جھونک سے خاصی محظوظ ہو رہی تھیں۔ جبکہ شاہد صاحب بھی زیر لب مُسکرا رہے تھے۔

رزاقی صاحب اپنے چہرے کے سامنے اخبار پھیلائے بیٹھے تھے۔ فائق جانتا تھا کہ اخبار کے پیچھے یقیناً پاپا بھی مسکرا رہے ہیں۔ فائق کو پاپا مسکراتے ہوئے بہت اچھے لگتے تھے۔ لیکن اس کا خیال تھا کہ پاپا مسکرانے میں اس لئے کنجوسی سے کام لیتے ہیں کیونکہ وہ بزنس مین زیادہ ہو گئے ہیں اور پاپا کم کم سے رہ گئے ہیں۔ اسے ایسے خیالات پتہ نہیں کیوں آ جاتے تھے۔ بس آ جاتے تھے۔

ناشتے سے فارغ ہو کر جلو پارک جانے کے لئے تیاریاں ہونے لگیں۔ ڈرائیور اشرف کو ہانیہ کو کالج سے لانے کے لئے بھیجا گیا۔

☆☆☆

یار تم لوگ کل چلے جاؤ گے تو گھر ایک دم سے خالی خالی ہو جائے گا۔ فائق بیڈ پر لیٹا چھت کو گھورتے ہوئے بولا۔

خالی کیوں۔ خیر سے تم پانچ افراد ہو۔ پانچ ہی تمہارے ملازم ہیں۔ اچھا خاصا بھرا پُرا گھر ہے۔ مزید افراد بڑھانے ہیں تو شادی کر لو۔

شادی کا نام سُن کر اچانک فائق کو وہی لڑکی یاد آ گئی۔ بھولا تو ویسے بھی نہیں تھا۔ وقت بے وقت خیالوں میں چلی آتی تھی۔ پتہ نہیں اس لڑکی میں کیا بات تھی کہ وہ فائق کے حواس پر چھائی رہتی تھی۔ شاید اس کا عام لڑکیوں کے برعکس بااعتماد ہونا۔ اس کی جرأت، اس کی بے باکی اس کا پرکشش ہونا۔ نجانے اس کی کو کون سی ادا فائق کے دل میں گھر کر گئی۔

اوہ بھائی کن خیالوں میں کھو گئے۔ فرحان نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ نچایا۔

یار وہ لڑکی اگر اتنی لڑاکا نہ ہوتی تو بہت اچھی تھی۔ وہ لڑکی تمہیں اچانک کیسے یاد آ گئی۔

وہ مجھے بھولی ہی کب تھی۔ پہلی نظر کی محبت شاید اسے ہی کہتے ہیں۔

اوہ میرے بھائی تو کن راہوں پر چل نکلا ہے۔ بھول جا اسے وہ تجھے دوبارہ ملنے والی نہیں۔ اور اگر کہیں مل بھی گئی تو تمہارا تیا پانچا کر ڈالے گی۔ ویسے یہ پہلی نظر کی محبت کے میں سخت خلاف ہوں۔ بھئی جسے

بندہ جانتا نہ ہو اس سے محبت کیسے ہو سکتی ہے۔

ہو جاتی ہے یار۔ جب کبھی تمہیں ہو گی تب پتہ چلے گا۔ فائق نے فلسفہ بگھارا۔

اب فرحان فائق کو کیا بتاتا کہ اسے تو بچپن سے محبت ہو گئی تھی وہ بھی اس کی بہن یعنی اپنی خالہ زاد سے۔ دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے کو پیغام دیتیں اور وصول کرتی تھیں۔ کھل کر بات کرنے کا حوصلہ دونوں نہیں کر پا رہے تھے۔ ہانیہ اپنی تمام تر شوخی اور چنچل طبیعت کے باوجود فرحان کو کبھی حال دل نہ کہہ پائی۔ رمشا اس کی دلی کیفیت سے بخوبی آگاہ تھی۔ وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھی کہ کب وہ امی سے ان دونوں کے رشتے کے متعلق بات کرے۔

☆☆☆

دوسرے دن ناشتے سے فارغ ہو کر مہمان رخصت ہو گئے۔ تمام گھر والے سوائے بی جان کے انہیں گیٹ تک رخصت کرنے آئے۔ بی جان لان میں کرسی پر بیٹھی انہیں دیکھتی رہیں۔ گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے سب نے باری باری بی جان سے مل کر دعائیں لیں۔ مہمانوں کو الوداع کر کے سب وہیں بی جان کے پاس آ بیٹھے۔ ہانیہ نے بھی آج کالج سے چھٹی لے لی تھی۔

ساجدہ ان کے لئے چائے وہیں لے آئی تھی۔

ہاں تو برخوردار کب سے میرے ساتھ آفس جا رہے ہو۔ رزاقی صاحب نے پوچھا تو فائق پر جیسے اوس سی پڑ گئی۔

پاپا ضرور جاؤں گا۔ مگر ابھی نہیں ابھی تو میں ٹھیک سے گھوما بھی نہیں دوستوں سے ملا بھی نہیں۔

پندرہ دن ہو گئے تمہیں لندن سے آئے ہوئے۔ اب اور کتنا گھومو گے۔ تمہاری تعلیم کس کام آئے گی۔ اسی لئے تمہیں لندن سے ایم بی اے کروایا ہے تاکہ تم اپنا بزنس مجھ سے بھی بہتر طریقے سے چلا سکو۔ مسٹر رزاقی نے نرمی سے سمجھایا۔ تو وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

پاپا انکل عرفان ہیں نا۔ اُن کے ہوتے ہوئے آپ کو فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے انہوں نے ہر کام تو سنبھالا ہوا ہے۔ اس نے دلیلیں پیش کیں۔

فضول باتیں مت کرو۔ کل سے تم میرے ساتھ آفس جاؤ گے۔ سمجھے تم رزاقی صاحب دھاڑے تو فائق کو ہاں کرتے ہی بنی۔

☆☆☆

رات کو اس نے اپنے پرانے دوست فہد سے بات کرنے کے لئے اسکائپ آن کیا۔

آج رات تم پھر لیٹ آئے ہو نا۔ آسٹریلیا میں انتظار کرتا کرتا اس کا دوست ناراضی سے بولا۔ اتنے دنوں بعد رابطہ کیا۔ اور وہ بھی اتنی رات گئے۔

ابے اتنے شوق سے آسٹریلیا کا ویزا لگوا کر اسٹڈی کے لئے گیا ہے تو انسان بن فریادی نہ بن۔ اس نے چٹکی سے اس کی ناراضی کو اُڑایا۔

تجھے نہیں پتہ یار بندے کو دوری اور وہ بھی گھر والوں اور دوستوں سے۔ کتنا بے زار کر دیتی ہے۔ یہاں تو کالج سے آ کر کھانا بھی خود بنانا پڑتا ہے۔ تو یار پھر امی کے ہاتھ کی پکی آلو بینگن کی سبزی بھی بہت یاد آتی ہے۔ فہد اداسی سے بولا۔

اب تو مرزا غالب نہ بن۔ اقبال کا شاہین بن جو بسیرا کرتا ہے پہاڑوں کی چٹانوں پر۔ فائق نے اس کی اداسی دُور کرنے کی کوشش کی۔

سامنے ہوتا نا تو یقین کر تیرا دماغ دیوار سے دے مارتا فہد کو فائق کا مذاق نہایت کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔

میں سامنے ہوتا اگر..... تو یقین کر تجھ سے چائے بنواتا تجھ سے ہی کپڑے دھلواتا اور تجھ سے ہی کھانا بنواتا۔ فائق نے فریج سے جوس نکالتے ہوئے کہا ہاں یار تیرے لئے تو پاکستان بھی امریکہ ہے۔ یہ مسئلہ تو ہم مڈل کلاس لوگوں کا ہے۔ تو ٹھہرا بزنس کلاس۔ فہد کی آواز میں ابھی تک اداسی چھلک رہی تھی۔

فائق نے اسے تھوڑی دیر سمجھا کر اس کی قنوطیت دُور کی اور پھر لائٹ بند کر کے سونے کے لئے لیٹ گیا۔ سونے سے پہلے وہ موبائل پر نو بجے کا الارم لگانا نہیں بھولا تھا۔ کیونکہ پاپا دس بجے تک تیار ہو کر گھر سے نکل پڑتے تھے۔

☆☆☆

صبح ٹھیک نو بجے الارم نے شور مچانا شروع کر دیا۔ وہ کچھ دیر تک بمشکل پہلو بدلتا رہا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر الارم بند کیا اور اُٹھ کر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اگلے لمحے وہ بیٹھا بیٹھا پھر سے سو رہا تھا۔ سوتے سوتے جب سر گھٹنوں سے لگا تو سر جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ رزاقی صاحب حیران رہ گئے جب فائق ٹھیک ساڑھے نو اُن کے سامنے کھانے کی میز پر آ بیٹھا۔ انہوں نے اخبار ہٹا کر بغور اس کا جائزہ لیا۔ جیسے اس کے سر خاب کے پر لگ گئے تھے۔

ماما اس کی مستعدی پر پھولے نہ سما رہی تھیں۔

دیکھا میں نے کیا کہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ فائق اپنی ذمہ داریوں کو ضرور سمجھے گا۔ میرا بیٹا بڑا

بلند ہمت اور ذمہ دار ہے۔

ماما کے کہے گئے یہ جملے فائق کا کئی کلو خون بڑھا رہے تھے۔ پاپا بھی بڑے مسرور دکھائی دے رہے تھے۔ اولاد اگر اطاعت گزار ہو تو والدین کتنے مطمئن اور خوش دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اسے آج پتہ چلا تھا۔

آج اس کا آفس میں پہلا دن تھا۔ ہر شے نئی، نئے لوگ، نیا انداز، نئی بات۔

اس کے پاپا نے تمام اسٹاف کے ساتھ اس کا تعارف کروایا۔

فیکٹریوں کے تمام شعبے اسے دکھائے وہ اتنے بڑے کاروبار کا اکیلا وارث ہے۔ یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کتنا خوش قسمت ہوں میں۔ سب کچھ بنا بنایا مل گیا۔ ورنہ کیسی کیسی جدوجہد کر کے لوگ یہاں تک پہنچتے ہیں۔ وہ بھی کوئی کوئی ہر کسی کے حصے میں کامیابی تھوڑی آتی ہے۔ ناکامی کا منہ دیکھنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ پاپا اس کے آگے آگے چل رہے تھے۔ وہ اس وقت سلائی کھاتے کاراؤنڈ لگا رہے تھے۔ پاپا ایک جگہ رُک کر سلائی مشین سے نکلے ہوئے ٹاول کا باریک بینی سے جائزہ لینے لگے۔ فائق کو اس وقت اپنے پاپا دنیا کے عظیم انسان نظر آئے۔ ان کی وجہ سے کتنے انسانوں کو روزگار میسر ہوا۔ ان کی وجہ سے کتنے غریب نادار رشتہ داروں کے گھر چولہا جلتا ہے۔ یہ میرے پاپا ہیں۔

محمد احمد رزاقی صاحب جنہوں نے انتہائی مشکل حالات میں چھوٹے پیمانے پر کاروبار جمایا اور پھر اسے ترقی دیتے دیتے ایک انٹرنیشنل انڈسٹری کی شکل دے دی۔ وہ بار ہا بی جان سے اپنے باپ کی کامیابیوں کے سفر کی داستان سن چکا تھا۔ بی جان نے اسے بتایا تھا کہ جب پہلی دفعہ چودھری حشمت نے پاور لومز لگانے کے لئے رقم دی تو انہوں نے لاہور کے نواح میں زمین خرید کر اس پر عمارت تعمیر کر کے بارہ پاور لومز سے اپنے کاروبار کا آغاز کیا۔ شروع شروع میں اہرام بنا بنا کر سعودی عرب بھیجے۔ مگر کام چل نہ سکا۔ خسارہ ہو گیا۔ لومز بند ہو گئیں۔ انہوں نے پھر باپ سے رقم مانگی تو انہیں اچھی خاصی لعن طعن کی گئی۔ یہ بھی کہا کہ کارخانہ بیچ کر واپس آ جاؤ۔ ہمیں نہیں چاہیے یہ جولاہوں والا کام۔ مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری اور ضد کر کے اپنے والد سے مزید رقم نکلوالی اس رقم سے اور کچھ رزاقی صاحب کی نیت کی وجہ سے کام میں اتنی برکت پڑی کہ فیکٹری دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگی۔ رزاقی صاحب نے اپنا شاندار آفس بنایا۔ جہاں ایک خوبصورت سیکرٹری ان کے ساتھ والے کمرے میں بیٹھا کرتی۔ بعد میں یہی سیکرٹری ان کی بیوی بنی۔ یعنی بیگم فریحہ۔ پہلے تو نکاح خفیہ رکھا گیا۔ یعنی لاہور ہی میں بیگم کو فلیٹ کرائے پر لے دیا۔ خود ہفتے بعد جا کر گاؤں والدین سے مل آتے۔ پھر بی جان اور چودھری صاحب نے ضد کی کہ انہوں نے بھی اپنے بیٹے کے ساتھ لاہور ہی میں رہنا ہے۔ رزاقی صاحب نے اپنی ساری زمینیں بیچ کر لاہور ٹاؤن شپ میں ایک خوبصورت سی کوٹھی خرید لی۔ جب وہ

لاہور والی کوٹھی میں شفٹ ہو گئے تو بی جان نے ایک مرتبہ پھر رزاقی صاحب کی شادی کے لیے اصرار کرنا شروع کر دیا۔ ان کی آنکھوں میں اپنے گاؤں کی کئی لڑکیاں بسی ہوئی تھیں۔ بس وہ چاہ رہی تھیں کہ محمد احمد ہاں کرے اور وہ جھٹ سے کسی ایک کو دلہن بنا کر لے آئیں۔ اب محمد احمد کے پاس کوئی چارہ نہ رہا انہیں شادی کے بارے میں بتانا ہی پڑا۔ چودھری صاحب نے تو کوئی خاص ردعمل ظاہر نہ کیا۔ مگر بی جان کے لئے تو گویا آسمان گر پڑا تھا۔ انہوں نے وہ واویلا مچایا کہ خدا کی پناہ۔ آخر چودھری صاحب گرجے تو وہ چپ ہوئیں۔

مری کیوں جا رہی ہے۔ شادی ہی کی اس نے کوئی قیامت نہیں آ گئی۔ منڈے شنڈے ایسے کام کر ہی لیتے ہیں۔ تو نے تو سارا گھر سر پر اُٹھا رکھا ہے۔

چل منڈیا جا وہٹی کو گھر لے کر آ۔

باپ کی اجازت ملتے ہی محمد احمد بیگم فریحہ کو دوسرے دن ہی گھر لے آیا۔ بی جان تو ایسی چپ ہوئیں کہ پھر دوبارہ تب بولیں۔ جب پتہ چلا کہ بہو کا پاؤں بھاری ہو گیا ہے۔ یہ خوشی کی خبر سن کر انہوں نے بیٹے کو تو معاف کر دیا مگر بہو کو دل سے کبھی اپنا نہ سکیں۔ ہمیشہ سرد مہری کی ایک دیوار دونوں ساس بہو کے درمیان حائل رہی۔

شروع شروع میں فریحہ نے بڑی کوشش کی بی جان کا دل جیتنے کی۔ مگر ان کے دل تک رسائی حاصل نہ کر سکیں البتہ سسر صاحب اور بہو کی خوب جمتی۔ انہیں تو گویا بہو کے روپ میں بیٹی مل گئی تھی۔

پہلے پہل تو بی جان کو گاؤں کی رونقیں بڑی یاد آتیں۔ لاہور جیسے لبرل شہر میں دل لگانا بڑا مشکل لگتا۔ ہر ہفتے ڈیڑھ بعد گاؤں جانے کی ضد کرتیں۔ پھر جاتیں تو ہفتے ڈیڑھ ہفتے بعد ہی واپس آتیں۔ مگر جب فائق دنیا میں آیا تو انہیں وقت گزارنے کے لئے گویا کھلونا مل گیا۔ کبھی اسے نہلاتیں کبھی مالش کرنے لگتیں تو کبھی گھنٹوں اس کے ساتھ توتلی زبان میں باتیں کرتیں۔ چند ماہ کا ہوا تو رات کو بھی بی جان اپنے ساتھ سلانے لگیں۔ فریحہ بیگم نے ویسے بھی اپنی فگر بگڑ جانے کے ڈر سے اپنے دودھ کا ذائقہ بچے کو محسوس ہی نہیں کرایا۔ پہلے دن سے ہی ڈبے کا دودھ پلایا گیا۔ بہانہ یہ کیا کہ دودھ اترا ہی نہیں۔ بی جان دل مسوس کر رہ گئیں۔ ماں کا دودھ بچے کے لئے کتنا فائدہ مند ہے۔ اس بات پر بڑے لیکچر دیئے مگر بہو کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

چودھری صاحب بھی پوتے کو پا کر بہت خوش تھے۔ انہیں لگتا جیسے وہ پھر سے جوان ہو گئے ہوں۔ انہیں پوتے کی صورت میں اپنی شبیہہ نظر آتی۔ انہوں نے پوتے کی پیدائش پر پورے خاندان کی دعوت کر ڈالی۔ بے شمار کھانے پکوا کر مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ بچے کا نام بھی انہوں نے بڑے چاؤ سے رکھا تھا۔ فائق احمد رزاقی۔ مگر اتنی خوشی ان کو راس نہ آئی جب فائق دو ماہ کا ہوا تو ان کو شدید قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا۔ جو جان لیوا

ثابت ہوا۔ان کے جانے کے بعد بی جان بکھر کر رہ گئیں۔ان کا دکھ غم کم کرنے میں فائق نے اہم کردار ادا کیا۔فائق کی معصوم قلقاریوں نے انہیں زندگی کی طرف کھینچا۔اُن کی تمام تر توجہ کا محور فائق تھا۔فائق بھی ماں کی گود سے زیادہ دادی کی گود سے مانوس تھا۔فریحہ بیگم کبھی اٹھاتیں تو ہمکنے لگتا۔وہ بھی فٹ سے دادی کے حوالے کر دیتیں۔فائق کی دادی کے ساتھ اتنی اٹیچ منٹ سے انہیں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔بلکہ وہ خوش تھیں کہ ان کی آزادی کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں آئی۔وہ پہلے کی طرح جم جاتیں۔سوئمنگ کرتیں۔شاپنگ کرتیں، سہیلیوں کے ساتھ خوب پارٹیاں انجوائے کرتیں۔مصیبت تو اس وقت آئی جب انہیں پتہ چلا کہ وہ پھر سے پریگنٹ ہیں۔

اُف میرے خدا اتنی جلدی۔یہ سب کیسے ہو گیا۔ہم تو متواتر پرہیز کر رہے تھے نا تو پھر یہ کیسے ہو گیا۔وہ اپنی پریگنینسی کی رپورٹ ہاتھ میں پکڑے ہلکان ہو رہی تھیں۔

رزاقی صاحب ان کے سامنے سر جھکائے ایسے بیٹھے تھے جیسے واقعی ان سے کوئی ناقابل معافی جُرم سرزد ہو گیا ہو۔

اب اللہ کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے۔وہ شرمندگی سے بولے۔

مگر مجھے ابھی اتنی جلدی بچہ نہیں چاہیئے تھا۔ابھی فائق صرف پانچ ماہ کا ہوا ہے۔بڑی مشکل سے میں نے اپنا وزن کم کیا ہے۔اسے تو بی جان سنبھال لیتی ہیں۔اب اسے کون سنبھالے گا۔مجھے ابارشن کروانا ہوگا اور کوئی حل نہیں۔فریحہ فیصلہ کن لہجے میں بولیں۔تو رزاقی صاحب پریشان ہو گئے۔نہیں فریحہ پلیز ایسا مت کرو۔بی جان کو پتہ چلا تو ایک قیامت برپا ہو جائے گی۔یہ بچہ پیدا ہو جانے دو۔میں وعدہ کرتا ہوں اس کے بعد کوئی مزید بچہ نہیں ہوگا۔

مگر احمد.....

پلیز فرحی مان جاؤ۔میں آیا کا بندوبست کر دوں گا جو بچوں کو سنبھالے گی۔تمہیں زیادہ تکلیف نہیں اٹھانے دوں گا۔محمد احمد نے التجا کی تو فریحہ خاموش رہ گئیں۔سچ تو یہ ہے کہ محمد احمد صاحب بیگم فریحہ کے بے دام غلام تھے۔ان کی وارفتگی میں پہلے دن سے آج تک کوئی کمی نہیں آئی تھی۔بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہی ہوا تھا۔جیسے فریحہ کے حُسن میں ہر گزرتے دن کے ساتھ اضافہ ہی ہوا تھا۔دولت نے ان کی خوبصورتی کی چکا چوند کو بڑھا دیا تھا۔پھر چند ماہ بعد ہانیہ خوبصورت گڑیا کے روپ میں جلوہ افروز ہو گئی۔اس نے جلدی ہی سب کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔وہ چھوٹے چھوٹے پھولے ہوئے فراک پہن کر گھر میں چلتی تو ایسے لگتا جیسے کوئی چابی والی گڑیا چل رہی ہو۔رزاقی صاحب آفس سے آتے تو بچوں کو دیکھ کر ساری

تھکاوٹ اُتر جاتی۔ان کی ہمیشہ سے یہ روٹین تھی کہ آفس جاتے ہوئے بھی اگر بی جان جاگ رہی ہوتیں تو انہیں سلام کر کے جاتے۔واپسی میں بھی سب سے پہلے بی جان کو سلام کرتے۔پھر بچوں اور بیگم کی طرف متوجہ ہوتے۔

ہانیہ کے قدم اُن کے لئے بڑے مبارک ثابت ہوئے۔ان کا کاروبار تیزی سے پھیلنے لگا۔وہ اکثر بیرون ملک بزنس ٹور پر جانے لگے۔کبھی فریحہ کو بھی ساتھ لے جاتے۔بچے دادی کے حوالے کر جاتے۔وہ جانتے تھے کہ دادی ان سے زیادہ اچھی طرح ان کی دیکھ بھال کریں گی۔

پھر رزاقی صاحب نے ڈیفنس میں چار کینال کا پلاٹ لے کر اس پر عالی شان بنگلہ تعمیر کرایا۔جس میں سوئمنگ پول کے علاوہ خوشنما آبشار بھی تھی۔وہ کوٹھی اپنی شان وشوکت میں یکتا تھی۔دیکھنے والے اس کی شان وشوکت دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔

فائق دس سال کا اور ہانیہ نو سال کی تھی جب وہ لوگ نئی کوٹھی ڈیفینس والی میں منتقل ہوئے۔

برخودار کس سوچ میں ڈوب گئے۔چلو آفس میں چل کر بیٹھتے ہیں۔پاپا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکا جی پاپا چلیں۔پاپا کے پیچھے چلتا ہوا وہ مسکرانے لگا۔نجانے انسان کا ذہن ایک پل میں کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے۔جیسے میں ماضی میں پہنچ گیا تھا۔

☆☆☆

زندگی کب کیا روپ دکھاتی ہے یہ انسان کبھی نہیں جان سکتا۔فائق ایک دن کسی کام سے میٹرو مال گیا۔ابھی پارکنگ میں بائیک کھڑی کرنے والا تھا کہ برابر کھڑی گاڑی میں عائزہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی نظر آ گئی۔اس نے دوبارہ دیکھا کہ کہیں نظر کا دھوکہ تو نہیں۔مگر نہیں وہی تھی۔وہی پراعتماد انداز۔وہ گاڑی بیک کر کے سڑک پر لے آئی تو وہ جیسے سب کچھ بھول گیا۔اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ کس کام سے آیا تھا۔اگلے ہی لمحے اس نے وہ حرکت کر ڈالی جو اس نے کالج اور یونیورسٹی میں بھی نہ کی تھی۔اس نے بائیک عائزہ کی گاڑی کے پیچھے لگا دی دل میں یہ خوف بھی تھا کہ اس نے دیکھ لیا تو بُری شامت آئے گی۔مگر دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔واقعی یہ محبت انسان کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے۔یہ بات اس کو اب سمجھ میں آ رہی تھی۔لڑکی ماڈل ٹاؤن کے ایم بلاک میں داخل ہو گئی۔وہ بھی نظر بچا کر پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔لڑکی نے جب ایک خوبصورت کوٹھی کے آگے گاڑی روک کر ہارن دیا تو چوکیدار نے گیٹ کھولا اور گاڑی اندر چلی گئی۔فائق تھوڑا دُور کھڑا دیکھتا رہا۔جب گیٹ بند ہو گیا تو اس نے کوٹھی کا نمبر نوٹ کیا اور کوٹھی کے نمبر کے ساتھ جو نام جگمگا رہا تھا۔اسے غور سے دیکھنے لگا۔جیسے یہ نام نہ ہو محبوبہ کا چہرہ ہو۔جیسمین وِلا۔وہ زیر لب بولا خوبصورت نام ہے۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ پہلی لڑکی اس کی زندگی میں آئی تھی۔ بے شمار حسین اور لاجواب چہرے اس نے دیکھے تھے۔ مگر اس چہرے میں کونسی مقناطیسی کشش تھی جو اسے کھینچے لئے جا رہی تھی۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

☆☆☆

رات کو وہ اسکائپ کے ذریعے فہد کے ساتھ محو گفتگو تھا۔ اسے اپنا حال دل سنایا تو اس نے خوب مذاق اُڑایا۔

یار وہ میرے لئے زمین پر آئی ہے۔ اس بات کا مجھے یقین ہے۔

پری ہے۔ وہ فہد ہنسا۔

ہے تو۔ فائق مُسکرایا۔

یار کوئی اچھا سا گانا سُنا۔ جو میرے دل کی کیفیت پر بالکل فِٹ بیٹھے۔ فہد اسے اس کی فرمائش پر اپنی خوبصورت آواز میں گانے سُناتا رہتا تھا۔

ایسا کر۔ ایسا گانا تو خود لکھ لے۔ فہد انجوائے کر رہا تھا۔ شاید لکھ بھی ڈالوں۔

ٹرائے پلیز۔ انجوائے کر۔ اسے ہی محبت کہتے ہیں۔

یار میں نے تو اس کا گھر بھی ڈھونڈ لیا۔ فائق نے معصومیت سے بتایا۔

بس تو پھر مسئلہ کیا ہے۔ قدم آگے بڑھا۔ خدا بھی ہمت کرنے والوں کی مدد کرتا ہے۔

فہد سے رابطہ منقطع کر کے وہ خیالوں میں کھو گیا۔

اسے پریوں کی کہانیاں تو کسی نے نہیں سنائی تھیں۔ ماما کے پاس تو وقت نہیں ہوتا تھا۔ بی جان صرف بادشاہ، وزیر والی کہانیاں سناتی تھیں۔ ہاں البتہ وہ کبھی کبھی خود کو خوابوں میں اُڑتا ہوا محسوس کرتا۔ اس لئے وہ کبھی پائلٹ بننے کا پلان بناتا تو کبھی سُپر مین بننے کا۔ اسپورٹس بائیک بھی اسے اس لئے پسند تھی کہ یہ انسان کو ہواؤں میں اڑانے لگتی ہے۔

اس نے کمرے کے ایک کونے میں رکھی اپنی گٹار اُٹھائی۔ اور میٹھی سی دُھن چھیڑ دی۔

☆☆☆

منور آپا آج آپ مجھے بریانی بنانے کی ریسپی بتائیں گی۔

پاپا نے کہا تھا کہ وہ جب واپس آئیں گے تو میرے ہاتھ کی بنی ہوئی بریانی کھائیں گے۔ عائزہ نے برسوں سے ان کے کچن میں کام کرنے والی منور آپا سے کہا تو وہ مسکرا پڑیں۔

ارے گڑیا تمہیں یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں ہوں نا۔

نہیں منور آپا۔ میں پاپا کی خواہش ضرور پوری کروں گی۔

بیٹا میں بناؤں گی اور نام تمہارا لے دوں گی۔ یعنی تم اپنا نام بتا دینا ان کو کیا پتہ چلے گا۔ وہ خوش ہو جائیں گے۔

نہیں منور آپا یہ تو سراسر چیٹنگ ہوگی۔ آپ مجھے سکھائیں۔

چلو ٹھیک ہے۔ فریج سے گوشت نکالو۔

عائزہ نے ایک پیکٹ گوشت کا نکالا۔

اور منور آپا کے ہمراہ بریانی بنانے میں جُت گئی۔ ماما کچن میں آئیں عائزہ کو بریانی بنانے میں مصروف پایا تو حیران رہ گئیں۔

یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ یہ کوکنگ کرنے کا شوق کب سے ہونے لگا۔

ماما، پاپا نے فون پر بتایا تھا کہ وہ چند دنوں کے اندر آ رہے ہیں۔ اور جب وہ آئیں گے تو میرے ہاتھ کی پکی ہوئی بریانی کھائیں گے۔ میں نے سوچا ان کے آنے تک بریانی بنانا سیکھ لوں۔ اور ویسے بھی آج میری ایک دوست آ رہی ہے۔ پہلا تجربہ اسی پر ٹرائی کروں گی۔ وہ ہنستے ہوئے بولی۔

ناٹی گرل۔ ماما بھی مسکرا پڑیں۔ اسے کوئی ڈھنگ کی چیزیں کھلانا۔ اپنے ہاتھ کی بدمزہ بریانی نہ اس کے آگے رکھ دینا۔

ماما۔ ڈونٹ وری میں بہت اچھی طرح سے اس کی خاطر تواضع کروں گی۔

ماما ہنستے ہوئے چلی گئیں۔

ہاں تو منور آپا اب کیا کرنا ہے۔

اب اس سالن اور چاولوں کی ایک ایک تہہ اوپر تلے لگاتی جاؤ۔ سب سے آخری تہہ پر زردے رنگ کے چند قطرے ٹپکا دو اور پھر دم پر لگا دو۔

بریانی دم پر لگا کر عائزہ نے منور آپا سے کہا۔

آپا جب دم پورا ہو جائے تو چولہا بند کر دیجئے گا میں ذرا نہا کر کپڑے چینج کر لوں۔ اس کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔

عائزہ نہا کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر بالوں میں بُرش کر رہی تھی۔ جب گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ لگتا ہے آ گئی۔ اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے پردہ سرکا کر دیکھا تو ہانیہ کی گاڑی پورچ میں داخل ہو رہی تھی۔ عائزہ کے باہر آنے تک گاڑی ڈرائیور واپس جانے کے لئے گیٹ سے باہر نکال چکا

تھا۔ ہائے عائزہ ہانیہ سے لپٹ کر بولی۔

چلو اندر چلتے ہیں۔

دونوں اندر داخل ہوئیں تو لاؤنج میں بیٹھیں مسز دانیال نے کھڑے ہو کر ہانیہ کو ویلکم کہا۔

اچھا بھئی تم دونوں باتیں کرو۔ میں ذرا ٹیلرز کے پاس جا رہی ہوں۔ اپنی دوست کو بور مت ہونے دینا۔ مسز دانیال نے جاتے جاتے مڑ کر کہا۔

بالکل بھی نہیں ماما۔ جہاں ہم دونوں اکٹھی ہوں وہاں بوریت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

او کے اللہ حافظ

عائزہ نے اپنی بنی ہوئی بریانی کے علاوہ کچھ دوسری آئٹمز ہانیہ کے آگے رکھیں۔

ارے یار اتنی چیزوں کی کیا ضرورت تھی۔ میں ویسے بھی آج کل ڈائٹنگ پر ہوں۔

گولی مارو۔ ڈائٹنگ کو۔ جلدی سے بریانی چکھ کر بتاؤ کیسی بنی ہے؟ میں نے پہلی دفعہ بنائی ہے۔

ہانیہ نے بریانی کا چمچ منہ میں رکھا۔ تو عائزہ منہ کھولے اسی کو دیکھتی رہی۔ اس کا جوش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ کچھ بولو بھی۔ آخر اس سے نہ رہا گیا۔

کیا بولوں۔

یہی کہ بریانی کیسی لگی۔

سچ بتاؤں۔ وہ تجسس میں مُبتلا کر رہی تھی۔

ہاں ہاں جلدی بتاؤ۔ وہ بے صبری سے بولی۔

اس سے زیادہ بدذائقہ بریانی میں نے آج تک نہیں کھائی۔ کیا عائزہ چیخی۔ پھر اس نے ایک چمچ خود کھایا اور ہانیہ کو خونخوار نظروں سے گھورا۔

میرا مطلب تھا۔ میں نے اس سے زیادہ خوش ذائقہ بریانی آج تک نہیں کھائی۔ ہانیہ نے فوراً جملہ تبدیل کر دیا۔

ہانیہ کی بچی۔ تو واقعی بڑی چالاک ہے۔ دونوں ہنسنے لگیں چلو اوپر میرے کمرے میں چل کر کوئی مووی دیکھتے ہیں یا پھر میوزک سنتے ہیں۔

منور آپا یہ برتن اُٹھا لیں۔ ہم اوپر جا رہی ہیں۔

ہانیہ کو جب دو ڈھائی گھنٹے ہو گئے تو اس نے موبائل نکالا اور فائق کا نمبر ڈائل کیا۔

ہاں بھئی کہاں ہو۔

میں اپنے دوستوں کے ساتھ ایک ہوٹل میں بیٹھا ہوں۔ کہو کیا بات ہے۔

بھائی میں اپنی دوست کے گھر آئی ہوں۔ آپ ذرا مجھے آ کر لے جائیں۔

سوری میں تو نہیں آ سکتا۔ ڈرائیور کو فون کر کے بھیج دیتا ہوں بھائی آج سنڈے ہے۔ ڈرائیور چھٹی پر ہے۔ اشرف کی بیوی کی طبیعت خراب ہے وہ گاڑی لینے کے لئے آیا تھا۔ جاتے جاتے مجھے بھی ڈراپ کر گیا ہے۔ اب تو آپ کو ہی آنا ہوگا۔ اچھا بتاؤ کہاں ہے تمہاری دوست کا گھر۔ فائق نے بے دلی سے پوچھا۔

ماڈل ٹاؤن۔ ایم بلاک۔

ماڈل ٹاؤن ایم بلاک فائق نے کان کھڑے کئے۔ کوٹھی کا نمبر بتاؤ۔

کوٹھی کا نام ہے جیسمین ولا۔ اور نمبر ہے۔ 104 سمجھ گئے۔

ہاں ہاں سمجھ گیا۔ ابھی آ رہا ہوں۔ فائق کے دل میں جلترنگ سے بج اُٹھے۔ قدرت نے ملاقات کا بندوبست کر ہی دیا۔ اس بہانے ملیں گے سوچا نہ تھا۔ اس نے جلدی جلدی دوستوں کو وہیں ہوٹل میں چھوڑا۔ اور ہیوی بائیک پر اڑتا ہوا ماڈل ٹاؤن کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہانیہ نے بات ختم کر کے موبائل پرس میں رکھا تو عائزہ پوچھنے لگی۔ کیا کرتا ہے تمہارا بھائی۔

میرا بھائی لندن کی آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایم بی اے کر کے آیا ہے۔ اور اب پاپا کے ساتھ اُن کے بزنس کو سنبھالتا ہے۔ بات کرتے ہوئے ہانیہ کا لہجہ خود بخود پراؤڈی ہو گیا تھا۔ کیوں نہ ہوتا۔ ایسے بھائیوں کی بہنیں تو خوش قسمت ہوتی ہیں۔ ہانیہ کی بات سُن کر عائزہ بن دیکھے ہی اس کے بھائی سے امپریس ہو گئی۔

وہ مجھے لینے کے لئے آ رہے ہیں۔ تمہیں ملواؤں گی اُن سے میرا بھائی لاکھوں میں ایک ہے۔

اب زیادہ نہ اتراؤ۔ اگر میرا بھائی ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی ہوتا۔

اتنے میں نوکر نے اطلاع دی کہ باہر ہانیہ میڈم کے بھائی آئے ہیں۔ وہ اس وقت لاؤنج میں آ بیٹھیں تھیں۔

چلو آؤ تمہیں ملواؤں۔ ہانیہ نے عائزہ کا ہاتھ پکڑا۔

دونوں باہر آئیں۔ تو فائق پورچ میں گیٹ کی طرف منہ کئے کھڑا تھا۔ وہ اس کے پیچھے جا کھڑی ہوئیں۔

بھائی اس سے ملو۔ یہ میری دوست عائزہ ہے۔

فائق ڈرتے ڈرتے آہستگی سے گھوما تو عائزہ کے ماتھے پر تیوریاں چڑھ گئیں۔ وہ تیزی سے بولی۔ ”تم“

جی جناب میں بندے کو فائق کہتے ہیں۔آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔

مگر مجھے بالکل نہیں ہوئی۔وہ مُنہ پھلا کر بولی۔

کیا تم انہیں پہلے سے جانتی ہو۔وہ حیرانی سے بولی۔

خوب اچھی طرح سے۔موصوف لڑکیوں سے بدتمیزی کرتے پھر ان کا پیچھا بھی کرتے ہیں۔

کیا کہہ رہی ہو تم میرا بھائی بالکل بھی ایسا نہیں ہے۔

ہر بہن کو اپنا بھائی معصوم دکھائی دیتا ہے۔

بائی داوے۔خدا حافظ۔تمہارے بھائی کی وجہ سے ہماری دوستی پر کچھ اثر نہیں پڑنے والا۔

اوکے۔سی یو۔ہانیہ نے ہاتھ ہلایا۔اور فائق کے پیچھے بائیک پر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

راستہ تو خاموشی سے تمام ہوا۔مگر گھر پہنچتے ہی ہانیہ نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

وہ آپ کو کہاں ملی تھی؟ وہ آپ سے کیوں اتنی بدظن ہے؟

کیا کیا ہے آپ نے؟

ارے سانس تو لینے دو۔پہلے پانی کا گلاس لاؤ۔پھر تمہیں تمام سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔

وہ دوڑ کر پانی کا گلاس لے آئی۔اب بتائیں۔

بات یہ ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جو اس دن مال میں مجھ سے الجھی تھی۔

یو مین وہی لڑکی جس.....نے.....تمہاری انسلٹ کی تھی۔

ہانیہ اٹکتے ہوئے بولی۔

ہاں وہی۔فائق مسکرایا۔

اوہ نو.....میں نے تو سوچا تھا کہ اگر کہیں وہ لڑکی ملی تو اس کا دماغ درست کر دوں گی۔مگر.....

ہاں تو کر دو نا دماغ درست۔دیکھا اس نے تمہارے سامنے پھر مجھے جلی کٹی سنائیں تھیں۔

مگر بھائی وہ تو میری بیسٹ فرینڈ ہے۔میں اسے کیسے کچھ کہہ سکتی ہوں۔

اچھا وہ تمہاری سب سے اچھی دوست ہے۔اور میں جیسے کچھ بھی نہیں۔وہ ہانیہ کی بے چارگی سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہا تھا۔

نہیں بھائی آپ تو میرے لئے سب کچھ ہیں۔ہانیہ کی حالت واقعی قابل رحم تھی۔

تو چلو پھر جلدی سے فیصلہ کرو۔

فیصلہ.....کیسا فیصلہ۔وہ روہانسی ہو کر بولی۔

یہی کہ یا تو اس کے ساتھ دوستی ختم کرو۔یا پھر میرے ساتھ بھائی چارہ ختم سمجھو۔

بھائی.....اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔بلکہ زار و قطار رونے لگی۔

ارے ارے اسے روتا دیکھ کر فائق بوکھلا گیا۔فوراً اس کے پاس بیٹھ کر اس کے آنسو پونچھنے لگا۔

ارے چندا میں تو مذاق کر رہا تھا تم تو سیریس ہو گئی۔

سچ بھائی۔ہانیہ نے بے یقینی سے پوچھا۔

تو اور کیا۔میں بھلا تم سے کیوں ناراض ہونے لگا۔

بھائی تم ایسا مذاق کیوں کرتے ہو۔جس سے مجھے رونا آ جائے تمہیں پتہ ہے نا میں تمہیں ناراض نہیں دیکھ سکتی۔

پگلی۔اب چپ بھی کر جاؤ۔کیا مجھے بھی رُلاؤ گی۔اگر وہ لڑکی بداخلاق ہے۔نک چڑھی ہے تو اس میں تمہارا کیا قصور ہے۔تم کیوں ہلکان ہو رہی ہو۔

نہیں بھائی۔نہ تو وہ بداخلاق ہے اور نہ ہی نک چڑھی۔بلکہ بہت زندہ دل اور ہنس مکھ ہے۔مجھے لگتا ہے آپ دونوں کے بیچ کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے جسے اب میں دُور کروں گی۔

اچھا جی۔

ہاں جی

☆☆☆

دوسرے دن کالج میں ہانیہ نے عائزہ کو پرزور دلیلیں دے دے کر اس بات کا قائل کیا کہ فائق ایسا نہیں ہے۔

ہاں یار مجھے لگتا ہے کہ میں ہی اسکو غلط سمجھی ہوں۔سب کچھ بائی چانس ہی ہوا تھا۔رات کو میں نے ٹھنڈے دماغ سے ہر بات پر غور کیا تھا۔

تو اور کیا۔فائق بالکل بھی ایسے نہیں ہیں۔وہ تو چھچھورے لڑکوں کو پسند بھی نہیں کرتے۔چہ جائیکہ وہ خود ایسی حرکتیں کریں۔

تو اب تمہارا دل بھائی کی طرف سے صاف ہو گیا نا۔

ہاں ہو گیا۔

تو کب آ رہی ہو ہمارے گھر۔

تمہارے گھر وہ کیوں۔

تا کہ میں تم دونوں کے درمیان صلح کروادوں۔

اس کی کیا ضرورت ہے۔

ضرورت ہے۔ ہانیہ زور دے کر بولی۔ تمہاری دو ملاقاتیں خوشگوار ماحول میں نہیں ہوئیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تیسری ملاقات میرے ذریعے بڑے سازگار ماحول میں ہو۔ اور چوتھی تم دونوں خود ڈیسائیڈ کر لینا کہ کہاں کرنی ہے۔ ہانیہ۔ عائزہ نے کتابیں ہانیہ کو مارنے کے لئے اٹھائیں۔ ہانیہ نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بڑی شرافت سے مشرقی لڑکی بن کر میری بھابھی بن کر ہمارے گھر آ جاؤ۔ لالچی کہیں کی۔ عائزہ نے اب کی بار کتابیں اس کے سر پر دے ماریں۔ دنوں اس وقت کالج کی گراؤنڈ میں گھاس پر بیٹھی مونگ پھلیوں سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

تو پھر سنڈے کو آ رہی ہو نا۔ ہانیہ نے پوچھا۔

ہاں ہاں آ جاؤں گی۔ مگر صرف آنٹی سے اور بی جان سے ملنے مجھے تمہارے اس فضول سے بھائی میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔

اچھا جی۔

ہاں جی۔

☆☆☆

اور پھر سنڈے بھی آ گیا۔ چھٹی والے دن گھر کے تمام ملازمین چھٹی پر ہوتے تھے۔ صرف ساجدہ کا کوارٹر گھر میں ہونے کی وجہ سے وہ چوبیس گھنٹے دستیاب ہوتی تھی۔ فریحہ بیگم نے ساجدہ کو آرڈر دیا تھا کہ آج ناشتے میں ساگ اور چاولوں کی روٹیاں اور ساتھ دیسی گھی کا بنا ہوا سوجی کا حلوہ تیار کیا جائے۔ محمد احمد رزاقی صاحب لاؤنج میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔

ارے بیگم کچھ تو خوف خدا کرو۔ مجھ جیسے بلڈ پریشر کے مریض کو مارنے کا ارادہ ہے کیا۔

آپ انڈہ سلائس کھا لیجئے گا۔ اب بچوں کے یہی تو دن ہیں کھانے پینے کے۔ پھر سنڈے کے سنڈے ہی تو ایسی چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ ہر روز کا معمول تھوڑا ہی ہے۔

اتنے میں فائق اور ہانیہ بھی اپنے اپنے کمروں سے فریش ہو کر نکل آئے۔

بی جان سوئی ہوئی ہیں فائق نے پوچھا تو فریحہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

میں جگاتا ہوں۔ سنڈے والے دن تو بی جان ہمارے ساتھ ناشتہ کرتی ہیں۔ پھر آج کیوں باہر

نہیں آئیں۔

فائق نے اُن کے کمرے میں جھانکا۔ بی جان اُس نے پکارا۔ لائٹ جلائی تو بی جان کمرے میں نہیں تھیں۔

شاید واش روم میں ہیں۔ وہ کھڑا ہو کر انتظار کرنے لگا۔ چند منٹ بعد واش روم کا دروازہ کھلا اور بی جان باہر آ گئیں۔

بی جان چلیں ناشتہ تیار ہے۔ چل کر ناشتہ کرتے ہیں۔

ہاں پُتر ایک تو ہی تو ہے اس گھر میں مجھے پوچھنے والا۔ تیری ماں تو تین دن بھی کمرے سے نہ نکلوں تو کبھی نہ پوچھے۔ بی جان مر گئی ہے کہ زندہ ہے۔ بی جان بہو کی برائی کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھیں۔

فائق نے مسکرا کر بی جان کا ہاتھ پکڑا۔ بی جان ایسا مت کہیں ماما آپ کا بہت خیال رکھتی ہیں۔

اچھی طرح جانتی ہوں جتنا خیال رکھتی ہے۔ وہ نخوت سے بولیں۔

اچھا یہ بتائیں۔ جب میں ملک سے باہر تھا تو کون آپ کو کمرے میں بُلانے آتا تھا۔

تب تو ہانیہ آتی تھی۔ مجال ہے جو کبھی ان میاں بیوی نے مجھے پوچھا ہو۔

فائق جانتا تھا کہ بی جان کو روٹھنے کی عادت پڑ چکی ہے۔ وہ اپنی اہمیت جاننے کے لئے ہر ہفتے ڈیڑھ بعد ضرور روٹھتی تھیں۔ کھانا پینا چھوڑ دیتی تھیں۔ پھر سارے افراد بی جان کے گرد جمع ہو کر انہیں مناتے ان کی منت سماجت کرتے تب کہیں خدا خدا کر کے بی جان مانتیں۔ دوسروں کے دل میں اُن کی کتنی اہمیت ہے اس محبت کو پرکھنے کے لئے آئے دن وہ سب کا امتحان لیا کرتیں۔ اور جب وہ سب اس امتحان میں پاس ہو جاتے تو مطمئن اور آسودہ ہو جاتیں۔ دل ہی دل میں خوش ہوتیں کہ ابھی اُن کی قدر و منزلت اس گھر میں بہت زیادہ ہے۔ جب سے فائق آیا تھا تب سے بی جان نے روٹھنے کا ڈرامہ نہیں کیا تھا۔ مگر لگتا ہے آج رات کو ہی پلان ترتیب دے لیا تھا کہ صبح ہوتے ہی رُوٹھ جانا ہے۔

چلیں نا بی جان ناشتہ کریں۔ آج آپ کا پسند کا ناشتہ ہے۔

ارے بیٹا۔ بہت کھا لیا۔ اب اور کھا کر کیا کروں گی۔

بی جان یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ کھانے کے بغیر کس کا کام چلتا ہے۔ وہ حیرت سے بولا۔

نہ کھاؤں گی تو کیا ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا کہ مر جاؤں گی۔ تو مرنے دو۔ تمہاری ماں کا کلیجہ تو ٹھنڈا ہو جائے گا۔

بی جان نے اتنا سنگین الزام لگایا تو فائق سٹپٹا کر رہ گیا۔

آخر ہوا کیا ہے بی جان پتہ تو چلے وہ انہیں لئے بیڈ پر آ بیٹھا۔

بی جان ٹسوے بہانے لگیں۔ جب تک چودھری صاحب زندہ تھے۔ میں بھی گھر کی مالکن تھی۔ اب مالک ہی نہیں رہا تو کہاں کی مالکن۔ بی جان باقاعدہ بین کر کے رونے لگیں۔

بی جان پلیز چُپ کر کے بتائیں ہوا کیا ہے۔

ہونا کیا ہے۔ صبح میں نے ساجدہ سے کہا کہ ذرا میری ٹانگیں دبا دو۔ ساری رات درد کرتی رہی ہیں۔

بہورانی نے کہا کہ ساجدہ پہلے آٹا گوندھ لو۔ بعد میں ٹانگیں دبانا۔ ہاں بھئی اس کے شوہر کا گھر ہے۔ وہ مالکن ہے اس گھر کی۔ میں کون ہوتی ہوں۔ بی جان کی گریہ زاری جاری رہی۔ فائق سمجھ گیا کہ بی جان کو پھر کافی دنوں بعد روٹھنے کا دورہ پڑا ہے۔ پتہ نہیں بی جان ایسا کیوں کرتی ہیں۔ ویسے اتنی خوش اخلاق اور زندہ دل ہیں۔ اولاد سے اتنی والہانہ محبت کرتی ہیں۔ مگر کبھی کبھی ان کو جانے کیسا خبط سوار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ماما کو بالکل پسند نہیں کرتیں۔ مگر وہ پھر بھی اتنا خیال رکھتی ہیں ان کا فائق بی جان کو بازو سے پکڑ کر باہر لاتے ہوئے سوچتا گیا۔ مگر مشکل سے وہ اس شرط پر باہر آنے کے لئے رضامند ہوئی تھیں کہ جب وہ باہر جا کر کھانے والی میز پر بیٹھیں گی۔ بہورانی اُن سے اپنے رویہ کی معافی مانگے گی۔ اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا وعدہ کرے گی۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ بی جان جا کر اپنی کھانے والی کرسی پر بیٹھیں ان کی گردن تنی ہوئی تھی۔ فریحہ نے اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

آئی ایم سوری۔ بی جان۔ میرا مقصد آپ کا دل دکھانا ہرگز نہ تھا۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ اپنی کرسی پر جا بیٹھیں۔ بی جان کے چہرے پر ڈھیروں اطمینان لوٹ آیا تھا۔ ان کی انا کو تسکین مل گئی تھی۔ انہیں پھر سے یقین ہو گیا کہ بہو آج بھی ان سے دب کر رہتی ہے۔ اور یہ کہ گھر میں آج بھی ان کا سکہ چلتا ہے۔ بی جان تو یہ سوچ کر دل میں خوش ہو رہی تھیں مگر فریحہ بیگم بجھ کر رہ گئیں۔ انہیں ہر ہفتے پندرہ دن بعد اس کسوٹی پر پرکھا جاتا تھا۔ ہر دفعہ انہیں خود کو مار کر اس آزمائش میں پورا اترنا ہوتا تھا۔ وہ سوچتیں کہ بی جان کو کب اس بات کا احساس ہوگا کہ وہ اپنی انا کی تسکین کی خاطر اُن کی انا اور خودداری کو بے دردی سے کچل دیتی ہیں۔ جوان بچوں کے سامنے کسی سے معافی مانگنا کتنا تکلیف دہ عمل ہے۔ یہ صرف وہ جانتی تھیں۔ وہ کسی چاہے شوہر کی ماں ہی کیوں نہ ہو۔

سب نے بوجھل ماحول میں ناشتہ کیا۔ چھٹی کے دن کی ابتداء ہی بدمزگی سے ہوئی تھی۔

ماما آج شام کو میری دوست عائزہ آ رہی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھائے۔ ہانیہ نے اطلاع دی۔ اوکے۔ ساجدہ سے کہہ دو۔ جو جو پکوانا ہے۔ فریحہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

عائزہ..... وہی ہے نا دبلی سی لمبی سی بی جان نے پوچھا۔ جی بی جان وہی ہے۔ ہانیہ بولی۔

بڑی پیاری بچی ہے۔ بی جان نے ریمارکس دیا۔ عائزہ کے ذکر پر فائق کے دل میں اتھل پتھل سی ہونے لگی۔ لیکن بظاہر چُپ لاتعلق سا بیٹھا رہا۔

ناشتے کے بعد فریحہ بیگم خراب موڈ لئے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ بی جان اور رزاقی صاحب لاؤنج میں آ بیٹھے۔ ہانیہ کچن میں ساجدہ کو ہدایات دینے لگی۔ جبکہ فائق بائیک کی چابی پکڑے باہر نکل گیا۔ شام تک کا وقت بھی تو کاٹنا تھا۔

بی جان رزاقی صاحب نے بی جان کے پاس بیٹھ کر اُن کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔

ہوں۔ بولو۔ بی جان نے تسبیح گھماتے ہوئے کہا۔

بی جان آپ بہانے بہانے سے کیوں اس کو نیچا دکھاتی ہیں۔

محمد احمد نے آہستگی سے کہا۔

کس کو۔ بی جان انجان بنیں۔

آپ جانتی ہیں میں کس کی بات کر رہا ہوں۔ پچیس سال ہو گئے ہماری شادی کو۔ اب تو ہماری غلطی کو معاف کر دیں۔ لو بھئی میں نے ایسا کیا کہہ دیا جو تمہاری طبیعت پر ناگوار گزرنے لگا۔ اس بات کا فوراً احساس ہو گیا کہ ماں نے بیوی کو نیچا دکھایا ہے۔ اس بات کا کبھی احساس نہ ہوا کہ بیوی ماں کو کیا اہمیت دیتی ہے۔ اس کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہے۔ بی جان کی آواز بلند ہونے لگی۔

رزاقی صاحب سہم گئے بی جان میرا مطلب یہ ہے کہ آپ گھر کی بڑی ہیں جو مقام آپ کا ہے وہ کوئی نہیں لے سکتا۔ بس ذرا بات کرتے ہوئے تحمل سے کام لیا کریں۔ وہ نرمی سے بولے تو بی جان ہتھے سے اکھڑ گئیں۔

ہاں ہاں میں جھگڑالو ہوں۔ مجھ میں برداشت نہیں ہے۔ میری وجہ سے تمہاری بیوی خوش نہیں رہتی تو چھوڑ آؤ مجھے وہاں جہاں لوگ بوڑھوں کو چھوڑ آتے ہیں۔ جان چھڑاؤ مجھ سے۔ بی جان کو اولڈ ہوم کا نام نہیں آتا تھا۔

آپ کو تو سمجھانا ہی بے کار ہے۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

ہوں اب جا کر بیوی کی خوشامد کرے گا۔ جورو کا غلام۔ بی جان بڑبڑاتی رہیں۔ اور تسبیح کے دانے گرتے رہے۔

☆☆☆

شام کو فائق خصوصی طور پر تیار ہوا۔ یوں جیسے عائزہ صرف اسے ہی ملنے آ رہی ہو۔ اس نے کریم کلر کی ٹی شرٹ اور سیاہ جینز پہن کر آئینے میں خود کا تنقیدی جائزہ لیا۔ بالوں میں کنگھی کی اور خود کو سراہا۔

بھئی، فائق احمد لگ تو زبردست رہے ہو۔ اب اس پر کیا امپریشن پڑے گا۔ معلوم نہیں۔ اس بدمزاج حسینہ کی ناک پر تو کچھ ٹکتا ہی نہیں۔ وہ خود سے باتیں کرتا ہوا کھڑکی کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ یہاں سے بیرونی گیٹ اور لان والا حصہ صاف نظر آتا تھا۔ ابھی تک وہ مہ جبیں آئی نہیں۔ وہ چند منٹ گیٹ پر نظریں جمائے کھڑا رہا۔ پیچھے ہٹنے کو تھا کہ ایک بلیک ہنڈا سوک گیٹ کے آگے آ کھڑی ہوئی۔ گاڑی نے ہارن دیا تو بشیر بابا نے گیٹ کھول دیا۔ گاڑی اندر آ گئی۔ گاڑی سے وہ پری چہرہ مہوش اتری تو فائق کا دل جیسا دھڑکنا بھول گیا۔ جدید فیشن کے بیلو کلر کے سوٹ میں وہ زرد گلاب ہی لگ رہی تھی۔ تراشیدہ بال شانوں پر لہرا رہے تھے۔ کتابی چہرے پر سیاہ چشمہ عجب بہار دکھا رہا تھا وہ کافر ادا حسینہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی اندر کی طرف چل دی تو فائق جیسے ہوش میں آیا۔

اسے دیکھ کر مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ یہ لڑکی تو بہت بڑی جادوگرنی ہے۔ اب وہ یقیناً ہانیہ سے مل رہی ہو گی۔ اور اب وہ لاؤنج میں بیٹھ چکی ہوں گی۔ اب مجھے جانا چاہیے کہ تھوڑی دیر رک جاؤں وہ کمرے میں بے تابی سے ٹہل رہا تھا۔ اور سوچتا جا رہا تھا۔ چند منٹ بعد اس نے پھر سے آئینہ دیکھا اور نیچے چل دیا۔ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے دونوں لڑکیوں کے قہقہے اس کے کانوں میں پڑے نجانے کس بات پر اتنا لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں۔ فائق کی نظر عائزہ پر جا کر رُک گئی۔ وہ ہنستے ہوئے کتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔ عائزہ نے فائق کو آتے دیکھا تو اس کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔

''ہیلو'' فائق پاس آ کر بولا۔

''ہیلو'' عائزہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

کیا ہوا ہنستے ہنستے رک کیوں گئیں۔ کیا میری شکل اتنی ڈراؤنی ہے۔

ارے برادر آپ تو ماشاءاللہ اتنے ہینڈسم ہیں کہ لڑکیاں آپ کو دیکھ کر سب کچھ بھول جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ ہنسنا بھی۔

اچھا جی۔ اس نے عائزہ کی طرف بغور دیکھا۔

کیا خوش فہمی ہے دونوں بہن بھائیوں کو۔ وہ دل میں سوچنے لگی۔

کیا بیٹھنے کے لئے نہیں کہو گی۔

بیٹھیں نا بھائی اب آپ تو مہمان نہیں ہیں نا۔ میں کھانے کے لئے کچھ لے کر آتی ہوں۔ ہانیہ کچن کی طرف چلدی اور وہ عائزہ کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

اب تو آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں نا۔ وہ پوچھنے لگا۔ نہیں تو۔ آئی ایم سوری میں آپ کو غلط سمجھی تھی۔ وہ واقعی دل سے بولی تھی۔

اس کا مطلب ہے اب ہماری دوستی پکی۔ اس نے اچانک جمپ لگایا۔

وہ کیوں۔ وہ تنک کر بولی۔

ناراضگی ختم۔ تو دوستی شروع۔

میں دوست بننے بنانے کے معاملے میں بڑی چوزی ہوں۔ ہر کوئی میرا دوست نہیں بن سکتا۔ واہ اکڑتے ہوئے بولی۔

ہر کوئی نہیں۔ مگر میں تو بن سکتا ہوں۔ میں ہر کوئی تھوڑا ہی ہوں۔ وہ اترایا۔ تو وہ پہلی بار مُسکرائی۔

سوچوں گی۔

اتنے میں ہانیہ کولڈ ڈرنکس کے ساتھ دوسرے لوازمات لئے آ گئی۔

وہ جانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

بھائی بیٹھیں نا۔ کچھ کھا پی لیں۔

نہیں مجھے کہیں جانا ہے۔ کھانے تک آ جاؤں گا۔ وہ سیٹی بجاتا ہوا بائیک پر بیٹھنے لگا۔ اس کے سر سے جیسے کوئی بوجھ اُتر گیا تھا اور وہ ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ سنگدل محبوب کی طرف سے جو تھوڑی حوصلہ افزائی ہوئی تھی۔ اس کے لئے اتنا ہی بہت تھا۔ اس کا مسکراتا ہوا چہرہ نگاہوں کے سامنے آیا تو وہ بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے مسکرانے لگا۔

☆☆☆

رات کو عائزہ بیڈ پر الٹی لیٹی ڈائجسٹ پڑھ رہی تھی کہ اس کا سیل فون گنگنانے لگا۔ نمبر دیکھا تو اجنبی تھا۔ اس نے کال کاٹ دی۔ چند منٹ بعد پھر سے فون کی بیپ سنائی دینے لگی دیکھا تو وہی نمبر تھا۔ کون ہو سکتا ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ آخر اس نے کال ریسیو کر کے فون کان سے لگا لیا۔

''ہیلو''

زہے نصیب آپ نے فون تو اُٹھایا۔ دوسری طرف ایک دلکش سی مردانہ آواز سنائی دی۔

''کون صاحب''

آپ کا نیا دوست۔ اب آواز میں شوخی تھی۔

میرا نیا دوست۔ میں سمجھی نہیں۔

بوجھو تو جانیں۔ گیس کریں۔ تکا لگائیں۔

دیکھیں آپ جو کوئی بھی ہیں سیدھی طرح سے اپنا نام بتائیں۔ وہ زچ ہوتے ہوئے بولی۔

اُف مزاج کی یہ گرمی اسی گرمی پہ تو ہم مرمٹے ہیں۔

ہوں چھچھورا کہیں کا۔ اس نے موبائل بند کر دیا۔

اس کے بعد کافی دیر تک اسی نمبر سے بیل آتی رہی۔ مگر اس نے فون سائیلنٹ پر لگا کر پھر سے رسالہ پکڑ لیا۔

دوسری طرف فائق جو عائزہ کو تنگ کر کے بڑا لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کے موبائل بند کرنے پر بجھ گیا۔ بڑی مشکل سے اس نے ہانیہ سے عائزہ کا نمبر لیا تھا۔ ساری محنت رائیگاں گئی۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے فرحان کا نمبر ملانے لگا:

یار مجھے تو لڑکیوں سے بات کرنی بھی نہیں آتی۔ فرحان نے فون اٹھایا تو فائق نے اپنا دکھڑا سنانا شروع کر دیا۔

بھائی میرے اگر ابھی تک تمہیں لڑکیوں سے بات کرنی نہیں آئی تو پھر آئے گی بھی نہیں۔ ان چکروں میں نہ پڑ۔ دھیان سے اپنا بزنس سنبھال۔

بہت مشکل ہے۔ اس لڑکی کو بھلانا بہت مشکل ہے۔ وہ بری طرح میرے حواس پر چھا گئی ہے۔ یار جلدی سے کوئی ترکیب بتا دے کہ وہ فٹ سے میری ہو جائے۔ وہ گڑگڑایا۔

تو اس میں مشکل کیا ہے۔ آنٹی کو ساری صورتحال بتاؤ وہ رشتہ لے کر جائیں۔ قسمت میں ہوئی تو ہاں ہو جائے گی نہ ہوئی تو نا سہی۔

واہ کیا آسان حل بتایا ہے تم نے۔ جی تو چاہتا ہے کہ فون میں ہی ایک مُکا تمہارے منہ پر دے ماروں۔

میری نظر میں تو یہی مسئلہ کا حل ہے کیونکہ کسی لڑکی کو تو پٹانے سے رہا۔ اور وہ بھی اس جیسی لڑکی کو۔ یہ تمہارے بس کا روگ نہیں۔ فرحان نے بے نیازی سے جواب دیا تو فائق سلگ کر رہ گیا۔

بس رہنے دے اپنے مشورے۔ تم سے تو بات کرنا فضول ہے۔ اس معاملے میں تم مجھ سے بھی گئے گزرے ہو۔ ذرا بتاؤ تو سہی کتنی لڑکیاں تمہارے حلقہ احباب میں شامل ہیں۔ شاید ایک بھی نہیں۔ گامٹر کہیں کے۔ فائق نے فون بند کر دیا۔ یہ تو بالکل اناڑی ہے۔ فہد سے بات کرنی پڑے گی۔

☆☆☆

عائزہ اور ہانیہ کالج کینٹین میں سموسوں اور کولڈ ڈرنکس سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

آج سائیکالوجی کے سر نے بڑا بور لیکچر دیا ہے۔ ایک بھی لفظ پلے نہیں پڑا۔ ہانیہ نے منہ چلاتے ہوئے کہا۔

بس یار کچھ لوگ ہوتے ہیں بورنگ قسم کے۔ بات کریں تو سننے کو دل نہ چاہے۔ یہ تو پھر لیکچر تھا۔ اور وہ بھی نفسیات کا دونوں ہنسنے لگیں۔ ہنستے ہنستے عائزہ کو کچھ یاد آ گیا۔

مجھے بھی رات کو کسی بورنگ سے لفنگے کا فون آیا تھا۔

کس کا۔ ہانیہ کے من میں کھٹکا سا ہوا۔

پتا نہیں کون تھا۔ عجیب بہکی بہکی باتیں کر رہا تھا۔ چھچھورا کہیں کا۔

اوہ مائی گاڈ۔ ہانیہ نے سر پر ہاتھ رکھا۔ رات کو فائق بھائی نے مجھ سے تمہارا نمبر لیا تھا۔ کہیں وہی تو نہیں تھے۔

کیا وہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں وہ حیران ہوئی۔

دیکھو عائزہ تم میرے بھائی کو مسلسل انڈر ایسٹیمیٹ کر رہی ہو۔

اب اگر تمہارا بھائی ہی ایسا ہے تو میں کیا کروں۔ وہ لاپروائی سے بولی۔ اچھا اگر وہ دوبارہ فون کریں تو پلیز ڈھنگ سے بات کر لینا۔ پلیز ہانیہ نے زور دے کر کہا تو عائزہ مسکرانے لگی۔

☆☆☆

دوسری رات ٹھیک اسی وقت سیل فون بجنے لگا۔ عائزہ نے دیکھا تو فائق کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ وہ مسکرانے لگی۔

تیسری چوتھی بیل پر اس نے کال ریسیو کی۔

''ہیلو''

''ہیلو''..... میں فائق بول رہا ہوں۔ وہ تیزی سے بولا۔ مبادا کہیں وہ فون ہی بند نہ کر دے۔

جی فرمائیے۔ میں سُن رہی ہوں۔ وہ مسکرائی۔

کل رات کو اسی وقت میں نے فون کیا تھا۔

اچھا۔ سوری میں پہچان نہ سکی۔

اٹس او کے۔ اس نے فراخدلی سے اس کی سوری قبول کر لی۔

کچھ کہنا ہے آپ کو۔ چند منٹ کی خاموشی کے بعد وہ پوچھ بیٹھی۔

ہاں کہنا تو بہت کچھ ہے۔

تو کہیے نا۔

سوچ رہا ہوں کہیں آپ مائنڈ نہ کر جائیں۔

اگر بات مائنڈ کرنے والی نہ ہوئی تو نہیں کروں گی۔

اگر ہوئی تو..... وہ جھجکتے ہوئے بولا۔

ہوں اگر ہوئی تو..... وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اگر ہوئی تو پھر بھی مائنڈ نہیں کروں گی۔

وعدہ۔ وہ خوش ہو گیا۔

پکا وعدہ۔ اس نے یقین دلایا۔

تو ٹھیک ہے میں بات شروع کرتا ہوں۔ وہ ہمت جمع کرتے ہوئے گویا ہوا۔

بات یہ ہے کہ عائزہ میں آپ کو..... پسند کرنے لگا ہوں۔ بلکہ دل ہی دل میں محبت کرنے لگا ہوں۔ مجھے لگتا ہے اگر آپ میری زندگی میں شامل ہو گئیں تو میری ادھوری زندگی مکمل ہو جائے گی۔ آپ کی ہاں کو میں اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔ وہ ایک ہی سانس میں بولتا چلا گیا۔ یوں جیسے کوئی ٹیپ ریکارڈ چل کر اچانک رُک جائے۔ یہ سب کہتے ہوئے اس کا سانس پھول گیا۔ بات ختم کر کے وہ لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ دوسری طرف کی خاموشی اسے ڈرا رہی تھی۔

عائزہ اس نے ڈرتے ڈرتے پکارا تم سن رہی ہو نا۔

دوسری طرف عائزہ بمشکل اپنی ہنسی روکے بیٹھی تھی۔ فائق نے پکارا تو اس کے منہ سے ''ہوں'' نکلا۔ ہنسی روکنے کی وجہ سے اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔

عائزہ کی خاموشی سے فائق کا حوصلہ بڑھا۔ وہ بولا۔ تمہاری خاموشی کو میں تمہاری ''ہاں'' سمجھوں۔

سوچ کر بتاؤں گی۔

کب''

کل اسی وقت''

ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا۔

فون بند کر کے فائق نے بازو کھڑا کر کے نعرہ لگایا۔ بس اُدھر عائزہ کا ہنس ہنس کر بُرا حال تھا۔ وہ ہنسی جو بڑی مشکل سے وہ دبائے بیٹھی تھی۔ اب روکے نہ رُک رہی تھی۔ کاٹھ کا اُلو۔ یہ کہہ کر وہ پھر سے ہنسنے لگی۔

☆☆☆

فائق نے فوراً اسکائپ آن کر کے فہد کو خوشخبری سنائی۔

یار وہ مان گئی۔

مبارک ہو میری جان۔ کب کروا رہے ہو منگنی۔

ابھی اس نے ہاں تھوڑی کہی ہے۔

تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ مان گئی ہے۔ فہد بڑا حیران ہوا۔

اس نے کہا ہے کہ سوچ کر بتاؤں گی۔ فائق بچوں کی طرح خوش ہو رہا تھا۔

ارے او گاڑیار تو انسان ہے کہ گدھا، فہد نے بری طرح لتاڑا۔

کیا ہوا۔ فائق ہونق بنا پوچھ رہا تھا۔

اوہ بھائی میرے۔ اس نے سوچنے کے لئے کہا ہے اور تو خواہ مخواہ خوش ہو رہا ہے۔ یہ لڑکیاں آج کل اسی طرح لڑکوں کو بے وقوف بناتی ہیں۔ ٹال مٹول کرتی رہتی ہیں۔ بعد میں ٹکا سا انکار کر دیتی ہیں۔

نہیں وہ ایسا نہیں کرے گی۔ اس کی ٹال مٹول میں بھی ہاں نظر آ رہی تھی۔ دیکھنا ایک دو دن میں وہ میری ہو جائے گی۔ تیری عقل پر تو اس لڑکی نے واقعی پردہ ڈال دیا ہے۔ فہد افسوس زدہ سا لگ رہا تھا۔ شروع سے کہتا تھا کہ لڑکیوں سے دوستی رکھا کرو۔ مگر تم تو لڑکیوں سے اس طرح دور بھاگتے تھے جیسے وہ کوئی ماورائی مخلوق ہوں۔ اگر لڑکیوں سے کوئی علیک سلیک رکھتے تو ان کی نفسیات سے بخوبی آگاہ ہوتے۔ یوں دل کے آگے ہتھیار ڈال کر بے بسی کی موت نہ مرتے۔

اچھا اب یہ بھاشن دینا بند کر۔ فائق بے زاری سے بولا۔

اچھا اب مجھے سونے دے۔ تُو تو آج رات سوئے گا نہیں۔

فہد شاید واقعی برا مان گیا تھا۔

فائق نے اسکائپ بند کیا اور بیڈ پر لیٹ گیا۔ آج وہ بہت خوش تھا۔ نیند واقعی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی۔ اس نے سی ڈی پلیئر آن کیا تو کمار سانو کی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔

دل کا عالم میں کیا بتاؤں تجھے

اک چہرے نے بہت پیار سے دیکھا مجھے

اسے لگا جیسے یہ گانا اس کے دل کی آواز بن گیا ہو۔ وہ بھی ساتھ ساتھ گنگنانے لگا۔

☆☆☆

اور پھر وہ ہوا۔ جو عائزہ نے کبھی سوچا نہ تھا۔ وہ کاٹھ کا الو اس کے دل پر حکومت کرنے لگا۔ دوسری رات ہی عائزہ نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ وہ اس کی معصومیت اور بھولپن پر مرمٹی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ بظاہر الٹرا ماڈرن نظر آنے والا اور فر فر انگلش بولنے والا فائق اندر سے کس قدر تصنع سے پاک ہے۔

محفلوں میں نمایاں رہنے والا، خود پر فخر کرنے والا فائق جس محفل میں جاتا اپنی امارت اور خوش گفتاری سے مرکز نگاہ بن جاتا۔ اپنی گریس فل پرسنالٹی کی وجہ سے سیدھا دل میں جا اُترتا۔ ایسے میں عائزہ کو جیت لینا کونسا مشکل کام تھا۔ عائزہ بے حد خوشی سے فائق احمد رزاقی کی زندگی میں خوشبو بن کر داخل ہو گئی۔ عائزہ نے اکثر اپنی خالہ سے اپنی امی اور ابو کی محبت کی کہانی سُنی تھی۔ وہ سن کر حیران ہوتی تھی کہ کوئی انسان دوسرے انسان سے کیسے اتنی شدید محبت کر سکتا ہے۔ مگر لمحہ حیرانی پر مسرت حکمران تھی۔ وہ مانتی تھی کہ محبت واقعی ایک لازوال جذبہ ہے۔ یہ انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہونے کے باوجود بھی انسان کی سب سے بڑی طاقت بھی ہے۔

فائق کو عائزہ سے مل کر ایسا لگا کہ اب کوئی بھی امتحان زندگی میں اس کا راستہ نہ روک سکے گا۔ وہ کبھی موبائل پر تو کبھی ساحل پر گھنٹوں باتیں کرتے۔ اب ہر لمحے فائق کو اس کے لئے نت نئے گفٹس کی تلاش رہتی۔ وہ اپنی پسند کے تحائف پا کر کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔ یار تم کتنا کھل کر ہنسی ہو۔ فائق بے تحاشا اسے دیکھتا چلا جاتا۔ لیکن عائزہ کو اگر ایک دفعہ ہنسنے کا دورہ پڑ جاتا تو اسے روکنا واقعی بڑا مشکل کام ہوتا۔ عائزہ کو ہنسنے سے روکنا اتنا ہی مشکل تھا۔ جتنا فائق کو فیصلہ کرتے ہوئے ٹوکنا۔

☆☆☆

آج کل فائق ہانیہ کی خوشامدیں کرتا رہتا تھا۔ اور اس کا دماغ گویا ساتویں آسمان پر جا پہنچا تھا کبھی آئس کریم کھانے کی فرمائش کرتی تو کبھی پیزا کھانے کا آرڈر دیتی۔ مگر فائق کا کام وہیں اٹکا ہوا تھا۔ وہ بھائی کی بے چینی کو پوری طرح انجوائے کر رہی تھی۔ آخر ایک دن فائق بول پڑا۔ یار کتنی خود غرض ہو تم۔ ایک چھوٹا سا کام کہا ہے تم سے مگر مسلسل ٹرخا رہی ہو۔ کر دوں گی تمہارا کام اب اتنی جلدی بھی کیا ہے۔

ویسے آج رات کو کیا کھلا رہے ہو۔ وہ ندیدے پن سے بولی۔ کچھ بھی نہیں۔ تمہارا پیٹ ہے کہ کنواں جو بھرتا ہی نہیں۔ بھائی سوچ لو۔ ماما سے بات کرنی بھی ضروری ہے۔

رہنے دو۔ تم میں خود ہی ماما سے بات کر لوں گا۔ بلکہ ابھی جا رہا ہوں بات کرنے وہ سیدھا ماما کے کمرے میں چلا گیا ہانیہ مارے حیرت کے گنگ رہ گئی۔ اسے فائق سے اس دیدہ دلیری کی اُمید نہیں تھی۔

''کمال ہے'' وہ حیرانی سے بولی۔

''ماما'' فائق نے دروازے پر ناک کی اور دروازہ آہستگی سے دھکیلا فریحہ بیگم اس وقت بیڈ پر لیٹی ٹی وی پر اپنی پسند کا ڈرامہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ جا کر پاس بیٹھ گیا۔

بولو میری جان کیا بات ہے۔ وہ لگاوٹ سے بولیں۔

ماما مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ پاپا اس وقت اپنے کسی دوست کے ہاں گئے ہیں۔ لہٰذا اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا بات کرنے کے لئے۔

آج میرے بیٹے نے ایسی کون سی ضروری بات کرنی ہے جس کیلئے اتنی تمہید باندھی جا رہی ہے۔

اتنے میں ہانیہ بھی کمرے میں آ چکی تھی۔ اور سامنے صوفے پر بیٹھی حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

یار ماما جان اگر میں کہوں کہ مجھے شادی کرنی ہے تو آپ کیا کہیں گی۔

کیا ماما جان ششدر رہ گئیں۔ یہ پوچھ رہے ہو۔ بتا رہے ہو یا پھر..... ماما نے حیرت سے پوچھا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئیں تھیں۔

فائق کیا تم سیریس ہو۔

''بالکل''۔ وہ پر اعتماد تھا۔

دیکھو فائق۔ یہ بائیک خریدنے، موبائل کا نیا ماڈل چینج کرنے کی بات ہے اور نہ ہی ناردن ایریا کے ٹور کی بات ہے۔ میری بات سمجھ رہے ہو۔

ماما جان۔ اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔

☆☆☆

دوسرا حصہ

تم اپنی زندگی کے متعلق بات کر رہے ہو۔اب بتاؤ کون ہے وہ کس خاندان سے ہے؟

وہ جو بھی ہے جس خاندان سے بھی ہے۔وہی آپ کی ڈاٹران لا بنے گی۔کیا کہتے ہیں اردو میں ..... ہاں بہو بنے گی۔ یہ رہا اس کا ایڈریس۔آپ پاپا اور بی جان کے ساتھ جائیں اور رشتہ پوچھ کر آئیں۔ بلکہ پکا کر کے آئیں۔میں شادی کروں گا تو اس سے ورنہ کسی سے بھی نہیں۔

ٹھیک ہے نا۔میری سویٹ ماما۔اس نے ماما کے گال پر پیار کیا اور کمرے سے نکل گیا۔

اوہ مائی گاڈ۔بیگم فریحہ نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا۔یہ کھچڑی کب سے پک رہی ہے۔انہوں نے کڑے تیوروں سے ہانیہ کی طرف دیکھا مجھے کیا معلوم ماما۔ہانیہ معصومیت سے بولی۔

تمہیں کیسے معلوم نہیں۔تمہاری دوست ہے نا وہ۔تمہی نے پیغام رسانی کی ہوگی۔

سچ ماما۔میں کچھ نہیں جانتی کب اور کیسے ان کی آپس میں انڈرسٹینڈنگ ہوگئی۔

یہ لڑکا باپ کی طرح ضد کا پکا ہے۔جو فیصلہ کرتا ہے۔اس پر اٹل رہتا ہے۔اب اس کو سمجھانا بالکل فضول ہے۔وہ منہ میں بڑبڑا رہی تھیں۔اور ہانیہ دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی۔

اس کی عزیز ترین سہیلی اگر بھابھی بن کر اس کے گھر میں آجائے تو اس سے زیادہ خوشی کی بات بھلا کیا ہو سکتی تھی۔

☆☆☆

تاریخ پھر سے ایک دفعہ اپنے آپ کو دہرانے جا رہی تھی۔بیگم فریحہ نے بھی بی جان کی طرح اپنی بھانجی کو اپنی بہو بنانے کا خواب آنکھوں میں سجا رکھا تھا۔جواب انہیں پورا ہوتا نظر نہ آ رہا تھا۔

بی جان نے ہانیہ کی زبانی سب کچھ سنا تو خوشی سے نہال ہوگئیں۔

اب پتہ چلے گا۔بہورانی کو جب اولاد پسند کی شادی کرے تو ماں باپ کے دل پر کیا گزرتی ہے۔

ان کا رواں رواں خوشی سے ناچ رہا تھا۔

شام کو فائق آفس سے آیا تو بے اختیار اس کی بلائیں لے ڈالیں۔اومائی لٹل سویٹ گرل۔کیا بات ہے۔آج بڑا پیار آ رہا ہے۔اس نالائق پر۔وہ دادی کے گلے میں بازو مائل کرتے ہوئے بولا۔میرا پوتا تو بڑا

قابل اور ہونہار ہے۔نالائق ہوں گے اس کے دشمن۔بی جان بڑی ادا سے بولیں۔تو پاس بیٹھے محمد احمد رزاقی بھی مسکرانے لگے۔جبکہ فریحہ اپنی انگلیوں کے ناخنوں پر نیل پالش لگانے میں مصروف تھیں۔بظاہر لاتعلق سی بنی بیٹھی تھیں۔مگر اپنی تمام تر توجہ بی جان کی باتوں کی جانب مرکوز کر رکھی تھی۔

محمد احمد چلیں پھر رشتہ پوچھنے۔بی جان بے صبری ہو رہی تھیں۔محمد احمد جو فریحہ کی زبانی فائق کا عندیہ جان چکے تھے۔خوشدلی سے مسکرائے۔چلے جائیں گے بی جان اتنی جلدی کیا ہے۔

پاپا کی بات سن کر فائق کا چہرہ اتر گیا۔وہ جلدی سے بول اٹھا مگر پاپا کہتے ہیں نا کہ نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔

اس کی بات سن کر بی جان، محمد احمد اور ہانیہ تینوں اونچی آواز میں ہنسنے لگے۔تو فائق بوکھلا گیا۔اسے احساس ہوگیا کہ وہ پھر سے کوئی بے ڈھنگی بات کہہ گیا ہے۔

اچھا میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔اس نے بھاگنے میں ہی عافیت جانی۔

توبہ ہے۔بھائی تو بات کرتے وقت ذرا بھی نہیں سوچتا۔جب جو دل میں آئی ہانک دی۔ہانیہ نے لقمہ لگایا۔تو وہ سب پھر سے ہنسنے لگے۔سوائے فریحہ کے۔

☆☆☆

عائزہ آج کل بہت مصروف رہنے لگی تھی۔اس کے پاس فائق کے لئے زیادہ وقت نہ تھا۔موبائل پر بھی کم ہی بات کرتی۔کیونکہ آج کل اس کے پاپا آئے ہوئے تھے۔ہر روز کہیں نہ کہیں دعوت ہوتی۔اگر کسی دن کوئی انوائیٹ نہ کرتا تو اس دن وہ خود بمع اپنی فیملی کسی اچھے سے ہوٹل میں ڈنر کے لئے چلے جاتے۔پاپا کے آجانے سے عائزہ بہت خوش تھی۔کالج سے آجانے کے بعد تتلی کی طرح پورے گھر میں منڈلاتی رہتی۔پاپا بھی اپنی چہیتی اور لاڈلی بیٹی کی ناز برداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔کوئی فرمائش اس کے منہ سے نکلتی نہیں تھی کہ فوراً سے پیشتر پوری کرنے کی تگ و دو میں لگ جاتے۔مسز دانیال باپ بیٹی کی محبت دیکھ سرشار ہو جاتیں۔مگر پھر کئی دفعہ مسٹر دانیال کو ٹوک دیتیں۔

مانا کہ آپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔آپ کو جان سے زیادہ پیاری ہے۔مگر اس پیار کی کوئی حد بندی بھی ہونی چاہیے۔بے تحاشا لاڈ پیار بھی اچھا نہیں ہوتا۔خصوصاً لڑکیوں کے معاملے میں۔

میں نہیں مانتا ان فضولیات کو۔میری بیٹی میرے لئے میرا بیٹا ہے۔بزرگ کہتے ہیں کہ پودے کو ضرورت سے زیادہ پانی دیا جائے تو اس کی جڑیں گل سڑ جاتی ہیں۔اسی طرح حد سے زیادہ لاڈ پیار بھی بچوں کو بگاڑ دیتا ہے۔

مسٹر دانیال نے اس کی بات کو مسکرا کر سنا اور سر جھٹک کر اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔

اتنے میں فون کی بیل ہونے لگی۔ مسز دانیال نے اٹھ کر فون کا ریسیور کان سے لگایا۔ تو دوسری طرف فریحہ بیگم تھیں۔ حال احوال پوچھنے کے بعد انہوں نے اطلاع دی کہ وہ اپنی فیملی کیساتھ سنڈے کے دن شام کو ان کے گھر آ رہی ہیں۔

ضرور تشریف لائیے۔ آپ کا اپنا گھر ہے۔ مسز دانیال مزا فراخدلی سے بولیں۔ تو مسٹر دانیال کا ماتھا ٹھنکا۔

وہ فون بند کر کے واپس آئیں تو پوچھنے لگے۔

کسے آفر کر رہی ہیں گھر آنے کی۔

مسٹر محمد احمد رزاقی صاحب کی وائف تھیں۔ کہہ رہیں تھیں کہ وہ لوگ سنڈے کی شام ہمارے گھر آئیں گے۔ آپ تو جانتے ہوں گے رزاقی صاحب کو۔

بہت اچھی طرح۔ ان کو کون نہیں جانتا۔ شہر کے رئیسوں میں شمار ہوتا ہے ان کا۔ ویسے وہ ہمارے گھر کس سلسلے میں آ رہے ہیں۔ بات سمجھ میں نہیں آئی۔

مجھے تو کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی ہے۔ وہ مسکرائیں۔

کیا سمجھ رہی ہیں۔ کچھ مجھے بھی تو پتہ چلے۔ وہ واقعی پریشان ہو گئے۔

آپ بھی نا بس۔ بیٹیاں جب جوان ہو جاتی ہیں تو ان کے گھر بن بلائے مہمان آتے رہتے ہیں۔ سمجھے کچھ۔

اوہ اچھا۔ اب سمجھا۔ اب وہ بھی مسکرانے لگے۔ مگر بیگم اگر واقعی بات یہی ہوئی جو ہم سمجھ رہے ہیں تو کیا ہمارا جواب ہاں میں ہوگا۔

ناں کرنے کی کوئی وجہ نظر تو نہیں آتی۔ بیٹا ان کا میں نے دیکھا ہوا ہے۔ ایک دو مرتبہ اپنی بہن کو لینے کے لئے ہمارے ہاں آ چکا ہے۔ خاصا خوش شکل اور مہذب بچہ ہے۔ اور پھر کروڑوں کی جائیداد کا اکلوتا وارث ہے۔ اور کیا چاہیے۔ باقی حتمی فیصلہ تو عائزہ سے پوچھنے کے بعد ہی کیا جائے گا۔ ہوں۔ آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔ دونوں میاں بیوی آنے والے معزز مہمانوں کے استقبال کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو گئے۔

☆☆☆

اور پھر سنڈے کا دن بھی آ ہی گیا۔ فائق اور عائزہ نے بڑی بے چینی سے اتوار کا انتظار کیا تھا۔ انہیں قسمت پر پورا یقین تھا کہ وہ فیصلہ انہی کے حق میں کرے گی۔ کسی کا ہو جانا کتنا دل خوش کن احساس تھا۔

اس کا اندازہ دونوں کو ہو رہا تھا۔

رزاقی ولا میں آج سب کے چہروں پر ایک دبا دبا سا جوش دکھائی دے رہا تھا۔ لڑکی کے ہاں شام کو جانا تھا۔ مگر ابھی سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ہر کوئی اپنے ڈریس کے متعلق فکر مند تھا۔ نوکر چاکر بھی فائق کی منگنی کا سن کر بڑے ایکسائیٹڈ ہو رہے تھے۔ فریحہ بیگم نے دل کی حسرت کو دل کے کسی نہاں خانے میں چھپا دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کی کسی حرکت سے یہ اندازہ ہو پائے کہ وہ بیٹے کی خوشی میں خوش نہیں ہیں۔ دوسری طرف عائزہ کے گھر بھی ایک افراتفری سی برپا تھی۔ بیگم دانیال ہر چیز کو اپنی نگرانی میں چمکوا رہی تھیں۔

ساتھ ساتھ کچن میں بھی جھانک آتیں۔ کھانے کا مینیو ایک دن پہلے ہی ترتیب دے دیا گیا تھا۔ البتہ مسٹر دانیال بڑے ریلیکس بیٹھے سگار پی رہے تھے۔ ٹی وی پر اس وقت کوئی گرما گرم ٹاک شو چل رہا تھا۔ وہ اسے دیکھنے میں منہمک تھے۔

بیگم دانیال بوکھلائی ہوئی پورے گھر میں چکرا رہی تھیں۔ ان پر نظر پڑی تو سلگ اٹھیں۔

گھر میں مہمان آ رہے ہیں۔ آپ کو تو جیسے کوئی فکر ہی نہیں۔ فکر کرنے کے لئے آپ ہیں نا۔ وہ مسکرائے۔ کیا میرا آرام و سکون آپ سے ہضم نہیں ہو پا رہا۔

آپ بھی بس نا۔ وہ جھنجلائی ہوئی کچن کی طرف چل دیں۔ شام کے چھ بجے تک رزاقی ہاؤس کے تمام مکین جانے کے لئے تیار تھے۔ بی جان کے دونوں بازو سونے کی چوڑیوں سے لدے ہوئے تھے اور کانوں میں بڑے بڑے جھمکے ڈالے وہ پوری طرح گاؤں کی چودھرانی لگ رہی تھیں۔ دبنگ اور رعب دار۔ ویسے بھی بی جان میں نمود و نمائش اور دکھاوے کی عادت بہت زیادہ تھی۔ چودھراہٹ کے جراثیم ان میں آج بھی بدرجہ اتم موجود تھے۔

چلیں بی جان محمد احمد پوچھنے لگے۔ فریحہ بیگم کمرے سے تیار ہو کر نکلیں تو محمد احمد آنکھوں ہی آنکھوں نثار ہونے لگے۔

فریحہ تم جوان بچوں کی ماں ہونے کے باوجود آج بھی اتنی ہی خوبصورت اور اسمارٹ ہو۔ جتنی آج سے پچیس سال پہلے تھی۔ محمد احمد کی آنکھوں میں لکھا ہوا یہ پیغام شاید فریحہ نے پڑھ لیا تھا۔ اسی لئے وہ جھینپ کر مسکرائی تھیں۔ بی جان دونوں کو بغور دیکھ رہی تھیں انہوں نے گلا کھنکارا تو دونوں چونک گئے۔

میں کہہ رہی ہوں پہلی دفعہ ان کے ہاں جا رہے ہیں کیا خالی ہاتھ جائیں گے۔

راستے سے مٹھائی لے لیں گے بی جان۔ محمد احمد بولے ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔ بی جان نے تائید کی۔

ہانیہ بھی تیار ہو کر کمرے سے نکلی۔ تو سب نکلنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اچانک فائق سیڑھیاں

پھلانگتا ہوا نیچے آیا۔

آئی ایم سوری گائز میں تھوڑا لیٹ ہو گیا۔ براؤن تھری پیس سوٹ میں وہ نظر لگ آنے کی حد تک خوبصورت لگ رہا تھا۔

تم کہاں جا رہے ہو۔ محمد احمد نے پوچھا۔

کیا مطلب۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ جا رہا ہوں۔

بی جان اور ہانیہ زیر لب مسکرانے لگیں۔

تم نہیں جا سکتے۔ یہ مناسب نہیں رزاقی صاحب نے حکم دیا۔ مگر پاپا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میری منگنی ہے اور میں نہیں جا سکتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تمہاری منگنی آج نہیں۔ آج ہم صرف ان سے ان کی بیٹی کا ہاتھ مانگیں گے۔ اس کے بعد منگنی کا اعلان کیا جائے گا۔ بیگم فریحہ نے بھی شوہر کی ہاں میں ہاں ملائی۔

یہ سراسر ناانصافی ہے۔ فلموں میں تو یہی دیکھتے آئے ہیں۔ کہ لڑکی کو دیکھنے کے لئے لڑکا بھی اپنی فیملی کے ہمراہ جاتا ہے۔ پھر لڑکی چائے لے کر آتی ہے۔ اور لڑکا چور نظروں سے اس کا معائنہ کرتا ہے۔ فائق نے بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے فلمی سین کا نقشہ کھینچا۔ مگر اس کی ایک نہ سنی گئی۔ اسے گھر میں رہ کر انتظار کرنے کی تاکید کی گئی۔

پورے سات بجے وہ جیسمین ولا کے ڈرائینگ روم میں بیٹھے قہقہے بکھیر رہے تھے۔ مسٹر دانیال اور ان کی بیگم رزاقی صاحب اور ان کی فیملی سے مل کر بہت متاثر ہوئے۔ اتنے امیر و کبیر ہونے کے باوجود غرور و تکبر نام کو نہ تھا۔ خصوصاً بی جان کی ٹھیٹ پنجابی سن سن کر سبھی محفوظ ہو رہے تھے۔

آنٹی عائزہ کہاں ہے۔ ہانیہ نے پوچھا۔

اپنے کمرے میں ہوگی۔ جواب ملا۔ تو ہانیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہانیہ بیٹا لاؤ نا عائزہ بیٹی کو ہم سے بھی ملواؤ اپنی بیسٹ فرینڈ کو۔ رزاقی صاحب نے کہا تو ہانیہ ''جی پاپا'' کہہ کر عائزہ کے کمرے کی طرف چل دی۔

کمرے میں پہنچی۔ دیکھا تو عائزہ صوفے پر بیٹھی موبائیل پر ایس ایم ایس کر رہی تھی۔

ہانیہ نے موبائیل چھین کر میسج پڑھا جو فائق نے عایزہ کو سینڈ کیا تھا۔ اس نے شعر لکھ کر بھیجا تھا۔

''دل بھی ضد پر اڑا ہے کب سے''

''بس وہی چاہیے اس کے جیسا بھی نہیں''

ہوں تو اس طرح دل بہلایا جا رہا ہے۔ بھائی تو گیا کام سے چھوڑو میرا فون عائزہ نے ہانیہ کے ہاتھ سے موبائیل چھینا۔ اچھا یہ عاشقی معشوقی کا چکر چھوڑو۔ چلو نیچے سب بلا رہے ہیں۔ ہانیہ نے بازو سے

پکڑ کر اسے کھینچا تو وہ چلائی ارے میرا دوپٹہ۔ دوپٹہ تو لینے دو یار۔ ورنہ تمہارے گھر والے کیا سوچیں گے۔ کتنی بے حیا لڑکی ہے بغیر دوپٹے کے آ گئی۔

ہاں واقعی اس سچویشن میں دوپٹہ بہت ضروری ہوتا ہے۔ تم ایسا کرو دوپٹہ سر پر اچھی طرح لے لو۔ تمہیں ہر حال میں ایک باحیا اور مشرقی لڑکی نظر آنا ہے۔ ایک دفعہ معاملہ پکا ہو گیا تو بعد میں جو جی چاہے۔ کرنا۔

واہ کیا دماغ پایا ہے۔ عایزہ نے گھسٹتے گھسٹتے ریمارکس دیا اور پھر واقعی عائزہ نے سب کے سامنے خود کو شرماتے سجاتے اس طرح پیش کیا کہ سب بری طرح متاثر ہونے لگے۔ بلکہ شک میں پڑنے لگے۔ سب کو سلام کر کے عائزہ ہانیہ کے پاس آ کر بیٹھی تو ہانیہ نے منہ پاس کر کے سرگوشی کی۔

اتنی اوراکیٹنگ بھی نہ کر کہ سب سوچ میں پڑ جائیں۔

مسٹر دانیال اور بیگم دانیال بھی حیران کن نظروں سے عائزہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

مسٹر رزاقی نے بی جان کو اشارہ کیا کہ وہ بات شروع کریں اور بی جان پورے طمطراق سے بولیں۔

دیکھیں جی ہم آج یہاں کسی خاص مقصد سے آئے ہیں۔ ہم اپنے ہونہار بیٹے کے لئے آپ کی صاحبزادی کا ہاتھ مانگنے آئے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ آپ لوگ ناں نہیں کریں گے۔ بی جان کے لہجے سے لگ رہا تھا۔ جیسے وہ رشتہ مانگ نہیں رہیں بلکہ رشتہ پوچھ کر ان پر کوئی احسان عظیم کر رہی ہیں۔

بیگم فریحہ نے گھور کر رزاقی صاحب کو دیکھا تو وہ خجل سے ہو کر دائیں بائیں جھانکنے لگے۔ پھر بات کو سنبھالتے ہوئے بولے نہیں جی۔ بی جان کی بات کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے۔ ہم تو درخواست کر سکتے ہیں۔ ماننا یا نہ ماننا یہ تو آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ اگر آپ ہاں کریں گے تو یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی۔ آپ نے ہم سے ہماری بیٹی کا ہاتھ مانگا۔ ہمارے لئے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے۔ سب کچھ ہمارا دیکھا بھالا ہے۔ انکار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بس ایک دفعہ عائزہ سے پوچھ کر آپ کو انفارم کر دیں گے۔ مسٹر دانیال نے جواب دیا تو ہانیہ جھٹ بول پڑی۔ انکل عائزہ سے میں پوچھ چکی ہوں اس کا جواب ہاں میں ہے۔ بس آپ جلدی سے ہاں کر دیں۔ ہانیہ کی بات سن کر سب کے منہ کھلے رہ گئے۔ ایک منٹ کے لئے بالکل خاموشی چھا گئی۔ عائزہ نے بڑے زور سے ہانیہ کی ران پر چٹکی کاٹی۔ ہانیہ نے ہونٹوں میں سسکاری دبالی۔ پھر اگلے ہی لمحے ڈرائینگ روم قہقہوں سے گونج اٹھا۔

اف یہ آج کل کے بچے بیگم دانیال ہنستے ہوئے بولیں۔ اور پھر منگنی کی باقاعدہ تقریب کے لئے ٹھیک پندرہ دن بعد کی تاریخ فکس کر دی گئی۔

☆☆☆

منگنی کی تیاریاں دونوں گھروں میں اس طرح زوروشور سے ہو رہی تھیں کہ کوئی شادی کی تیاری بھی کیا کرتا ہوگا۔ عائزہ کے لئے شہر کے مشہور ڈیزائنر کا تیار کردہ لباس خریدا گیا۔ جس کی مالیت پانچ لاکھ سے زائد تھی۔ ایک ڈائمنڈ کا نیکلس سیٹ اور کچھ سونے کے جڑاؤ زیورات خریدے گئے۔ یہ سب کچھ فائق کے گھر والے عائزہ کیلئے خرید رہے تھے۔ جبکہ عائزہ کے گھر والے فائق کے لئے اور اس کی فیملی کے لئے بیش قیمت تحائف خرید رہے تھے۔ دونوں طرف سے پیسا پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا۔ دونوں گھروں کو پہلی مرتبہ دولت لٹانے کا موقع ملا تھا۔ سو جی بھر کر لٹا رہے تھے۔ دوسرے معنوں میں اپنے دل کے ارمان نکال رہے تھے۔

منگنی کی پارٹی کے لئے پی۔سی ہوٹل میں بکنگ کروائی گئی تھی۔ جہاں شہر کی مشہور اور نامور ہستیاں مدعو تھیں۔ منگنی کی تقریب ایسی یادگار تھی کہ دیکھنے والے مدتوں یاد رکھتے اسٹیج پر عائزہ اور فائق دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ ان دونوں کے دائیں اور بائیں ان کے والدین اور عزیز و اقارب بیٹھے تھے۔ یہ مکس گیدرنگ تھی۔ عورتیں اور مرد اکٹھے کھا پی رہے تھے بے شمار اعلیٰ معیار کے نفیس کھانے مہمانوں کو پیش کئے گئے تھے، عائزہ اور فائق دونوں مسکرا مسکرا کر آپس میں ہلکی آواز میں بات کر رہے تھے۔ ان کے چہروں سے انوکھی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ اندرونی خوشی سے دونوں دمک رہے تھے۔ عائزہ تو آج واقعی آسمان سے اتری ہوئی کوئی اپسرا معلوم ہو رہی تھی، مسٹر رزاقی اور بیگم فریحہ مہمانوں سے مبارک بادیں وصول کرتے کرتے تھک گئے تھے۔ مگر ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ کیوں نہ ہوتے آخر اکلوتے بیٹے کی پہلی پہلی خوشی تھی۔ بی جان کے تو پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ محمد احمد کی شادی کے بعد یہ پہلی خوشی تھی جو ان کے گھر اور زندگی میں آئی تھی۔ ہوٹل روانگی سے قبل بی جان تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلیں تو فائق اور ہانیہ لاؤنج میں تیار بیٹھے بزرگوں کا انتظار کر رہے تھے۔ بی جان کو دیکھ کر انہیں اپنی ہنسی دبانی مشکل ہوگئی۔ بی جان بلو ویلوٹ کے سوٹ کے ساتھ بلو کرلپہ والا دوپٹہ اوڑھے، ساتھ میں اپنی شادی کا ڈھیر سارا زیور لادھے کھڑی تھیں۔ کانوں میں لمبے لمبے مغر، ہاتھوں میں دونوں طرف موٹی موٹی سونے کی چوڑیاں، گلے میں گلوبند، پاؤں میں سلیم شاہی جوتی۔

کیسی لگ رہی ہوں۔ وہ دونوں بچوں کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

ایک دم جودھا۔ فائق بولا۔

جودھا بی جان نے حیرت سے دہرایا۔ یہ کلموہی کون تھی، دادو آپ کو نہیں پتا۔ آپ جودھا کو نہیں جانتیں۔ وہی جودھا جو بادشاہ اکبر کی بیوی تھی۔

بھاڑ میں جائے جودھا۔ اور ساتھ میں اکبر بھی۔ میں تو چودھری حشمت کی بیوی ہوں۔ وہ گردن اکڑا کر بولیں تو فائق اور ہانیہ کا مارے ہنسی کے برا حال ہوگیا۔

بھائی تم غلط کہہ رہے ہو۔ بی جان جودھا نہیں بلکہ صاحباں لگ رہی ہیں۔ مرزا والی صاحباں۔ ہانیہ نے ریمارکس دیا جو بی جان کو پسند آیا مگر اوپر سے خفا ہو کر بولیں۔ تم دونوں سے تو بات کرنا فضول ہے۔

اتنے میں بیگم فریحہ اور رزاقی صاحب اپنے کمرے سے نکلے۔ رزاقی صاحب اپنی شاندار پرسنالٹی کے ساتھ گرے سوٹ پہنے مزید شاندار لگ رہے تھے۔ جبکہ بیگم فریحہ کے سلم اینڈ سمارٹ جسم پر فیروزی کلر کی کامدار ساڑھی انوکھی چھب دکھا رہی تھی۔ دونوں میاں بیوی کی نظر بی جان پر پڑی تو ٹھٹک گئے۔

ارے بی جان آپ تو بڑی خوبصورت لگ رہی ہیں۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔ محمد احمد نے ماں کی دل سے تعریف کی تو بی جان شرما کر رہ گئیں۔ پیچھے کھڑی بیگم فریحہ بھی مسکرا رہی تھیں۔ بی جان کے جاہ و جلال سے ڈرتے ہوئے انہیں کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مگر ان کی آنکھوں میں بی جان کے لئے ستائش صاف نظر آ رہی تھیں۔

فائق تم تو آج دلہا لگ رہے ہو۔ فائق سیاہ سوٹ اور گرے ٹائی لگائے واقعی ولیمے کے دن کا دلہا ہی دکھائی دے رہا تھا۔

میرے بچے کو کسی کی نظر نہ لگے جائے۔ بی جان نے فٹ سے اپنی آنکھ کے کونے سے کاجل انگلی سے لگایا اور فائق کے گال پر لگا دیا۔ بی جان یہ کیا کر رہی ہیں۔ فائق نے احتجاج کیا۔

کچھ نہیں تم چپ کر کے بیٹھو۔ آج کے موقع پر ذرا کم کم ہی بولنا بی جان نے نصیحت کی۔ یہ نہ ہو وہاں ہوٹل میں سب کے سامنے منہ پھاڑ پھاڑ کر ہنسنا شروع کر دو۔

سبھی بھائی کی ناز برداریوں میں لگے ہوئے ہیں۔ میں تو یہاں جیسے ہے ہی نہیں۔ میری کسی نے تعریف نہیں کی۔ ہانیہ نے منہ بسورا۔

اوہو۔ میری گڑیا جیسا تو کوئی بھی نہیں۔ رزاقی صاحب نے بازو پھیلائے۔ تو ہانیہ باپ کے ساتھ لگ گئی۔

وہ سرخ میکسی پہنے واقعی گڑیا ہی لگ رہی تھی۔ اس کا سرخ لباس جدید فیشن کا ہونے کے باوجود بہت باوقار بھی تھا۔ وہ پرانے وقتوں کی کوئی شہزادی دکھائی دے رہی تھی۔

چلیں رزاقی صاحب نے کہا۔ گھر میں آئے مہمان تو سبھی ہوٹل روانہ ہو چکے تھے۔ صرف اب گھر کے افراد رہ گئے تھے۔ ان مہمانوں میں فریحہ کی بہن شگفتہ ناز اور ان کی فیملی بھی شامل تھی۔

ایک گاڑی میں اہل خانہ جبکہ دوسری گاڑی میں پرانے ملازمین بیٹھ گئے۔ جن میں بشیر بابا، ساجدہ اور اس کے بچے اور اشرف شامل تھے۔

پی۔سی کے پارکنگ ایریا میں سب مہمان جمع ہو کر گھر والوں کا انتظار کر رہے تھے۔ تا کہ سب اکٹھے ہو کر لڑکے والے بن کر پوری سج دھج کے ساتھ لڑکی والوں کے پاس اندر ہال میں جائیں لڑکی والے ہال کے دروازے کے آگے گلاب کے پھولوں کے ہار لئے کھڑے تھے۔

مسٹر دانیال اور بیگم دانیال بار بار ٹائم دیکھ رہے تھے۔ اور ساتھ ساتھ مہمانوں کو بھی خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ عائزہ سامنے شاندار سٹیج پر دلہن بنی بیٹھی تھی۔ وہ اپنے سسرال کا عروسی جوڑا اور زیورات پہنے بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔

کب فائق آئے گا اور اس کے ساتھ بیٹھے گا۔

بیگم دانیال کی کسی سہیلی نے پوچھا لڑکے والوں نے زیادہ دیر نہیں کر دی۔ سات بجے کا وقت دیا تھا آٹھ بجنے کو ہیں۔

ابھی مسز دانیال نے جواب دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ باہر کی جانب سے ہنگامہ سا سنائی دیا۔ لگتا ہے وہ لوگ آ گئے۔ وہ دروازے کی طرف بڑھیں۔

مہمانوں کا استقبال بڑے والہانہ انداز سے کیا گیا۔ قریبی لوگوں کو ہار پہنائے گئے جبکہ باقی مہمانوں پر بھی پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں۔

بیگم دانیال نے فریحہ بیگم کے گلے لگتے ہوئے ہلکی سی شکایت کی۔ ''بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے۔''

بس جی۔ اس طرح کے کاموں میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔ ہم معذرت خواہ ہیں۔ فریحہ بیگم نے بڑے خوبصورت انداز میں معذرت کی۔

تقریب منگنی کیا تھی۔ ایک رنگ و نور کا سیلاب تھا۔ جس میں ہر کوئی بہتا جا رہا تھا۔ مرد و عورت بلا جھجک ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ کچھ من چلے لڑکے سر جوڑے لڑکیوں کو دیکھ دیکھ کر ان پر تبصرے کر رہے تھے۔

ہانیہ فائق بھائی کے سسرال والوں نے تو کمال کر دیا۔ کیا زبردست ارینج منٹ کیا ہے۔ لگتا ہے تم لوگوں کے ہم پلہ ہی ہیں۔ رمشا نے جو ہانیہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اپنی رائے ظاہر کی۔

ہم پلہ ہیں یا نہیں یہ تو میں نہیں جانتی۔ مگر خاصے کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ اور پھر انکل دانیال کی ایک ہی تو بیٹی ہے۔ ان کا جو کچھ بھی ہے عائزہ ہی کا تو ہے۔ ہانیہ نے جواب دیا۔

ہانیہ ایک بات بتاؤ۔ کیا یہ لو میرج ہے۔ رمشا نے کریدا۔ ہاں کہہ سکتی ہو۔ حقیقت میں لو و ارینج

ہے۔ ہانیہ نے یہ کہہ کر قہقہہ لگایا تو رمشا نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ مگر اندر سے جیسے کچھ ٹوٹ گیا۔ وہ عائزہ کو غور سے دیکھنے لگی اور اس کی خوش قسمتی پر رشک کرنے لگی۔ ساتھ بیٹھا فائق بھی کس قدر خوش دکھائی دے رہا تھا۔

اتنے میں بیروں نے کھانے کا اعلان کیا تو مہمان کھانے پر جیسے ٹوٹ پڑے۔ اتنے امیر کبیر اور خاندانی لوگ ہونے کے باوجود کسی فنکشن پر کھانے کی طرف یوں دوڑتے جیسے ایک ہفتے سے بھوکے ہوں۔ ہر روز گوشت کھانے والے جب کسی شادی بیاہ میں پلیٹوں میں گوشت کا انبار لگاتے تو دیکھ کر حیرت ضرور ہوتی۔

پھر وہ یادگار لمحہ آن پہنچا۔ جس کے لئے سب وہاں جمع تھے۔ کھانے کے فوراً بعد منگنی کی اناؤنسمنٹ کی گئی اور انگوٹھی پہنانے کی رسم کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ بی جان نے مخملی کیس کھول کر فائق کے آگے کیا۔ جس میں ہیرے کی نفیس انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ تمام حاضرین محفل اسٹیج کی طرف متوجہ ہو گئے۔ فائق نے انگوٹھی نکالی اور عائزہ نے ہاتھ آگے بڑھایا جو شدت جذبات سے کانپ رہا تھا۔ فائق نے عائزہ کا ہاتھ پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے انگوٹھی انگلی میں پہنا دی۔ اس وقت بیک ٹائم کئی کیمروں کی فلیش لائٹس چمکیں اور یہ لمحہ کیمروں کی آنکھ میں قید ہو گیا۔ پھر عائزہ نے بھی ڈائمنڈ کی خوبصورت رنگ فائق کی انگلی میں ڈالی۔ پھر ہر طرف مبارک سلامت کا شور اٹھا اور آپس میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔

ایک مولانا ٹائپ حضرت دوسرے سے نیچی آواز میں کہہ رہے تھے۔ بھائی یہ تو سراسر فضول خرچی ہے اور فضول خرچ شیطان کا بھائی ہوتا ہے۔ انہوں نے داڑھی کھجا کر کہا تو دوسرا بھی لقمہ دینے لگا۔

ہاں بھیا آپ کہہ تو ٹھیک رہے ہیں مگر ان دولت مندوں کو دولت لٹانے کا کوئی بہانہ بھی تو چاہیے۔

بھئی اگر بہانہ ہی چاہیے تو کسی غریب کی بچی کی شادی کر دیا کریں دولت بھی خرچ ہو جائے گی اور ثواب بھی حاصل ہو جائے گا۔

اب تم ہی بتاؤ۔ اس منگنی اور شادی میں کیا فرق ہے۔ صرف دو بول نکاح کے ہی نہیں پڑھائے گئے۔

فائق کو اس کے تمام دوستوں نے جن میں فرحان بھی شامل تھا گلے لگ کر منگنی کی مبارک باد دی۔

منگنی کے بعد جب خاصے لوگ رخصت ہو گئے۔ صرف لڑکی اور لڑکے کے گھر والے اور چند دوسرے عزیز و اقارب رہ گئے تو بیرے ایک ٹرالی میں کنگ سائز کا کیک دھکیلتے ہوئے لے آئے۔ جو وہاں موجود افراد کو کھلا کر ان کا منہ میٹھا کرایا گیا اور اس طرح منگنی کی یہ پرشکوہ تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

☆☆☆

منگنی کے بعد فائق اور عائزہ آزادانہ بغیر کسی روک ٹوک کے گھومنے پھرنے لگے۔ اب ان کے

ملنے جلنے پر کوئی بندش نہیں تھی۔ وہ جس کلاس سے تعلق رکھتے تھے۔ وہاں ان باتوں کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

ویسے تو فائق بچپن سے چائنز کھانے کا عادی تھا۔ مگر جب سے اسپورٹس بائیک چلانی شروع کی تھی۔ تب سے ڈھابے کا کلچر اس کو بھانے لگا تھا۔

بلوچی بجی، چکن کڑاہی، تازہ نان، نہاری، تازی ہوا اور پھر فل آواز میں میوزک اور ساتھ فل آواز میں قہقہے تیز ہوا اس کی روح کو معطر کر دیتی تھی۔

آج بھی وہ عائزہ کو لے کر ایک ڈھابے پر آیا تھا۔ یہاں کے سیخ کباب بہت لذیذ تھے۔ عائزہ بائیک سے اتر کر حیران کن نظروں سے اطراف میں دیکھ رہی تھی۔

امیزنگ۔ یار یہ تم مجھے کہاں آئے ہو۔ دیکھو لوگ کیسے ہمیں گھور رہے ہیں۔

تو گھورنے دو۔ ہمارا کیا جاتا ہے۔ وہ لاپرواہی سے بولا اور دھم سے ایک چارپائی پر گر گیا۔

وہاں چارپائیاں ہی کرسیوں کا کام دیتی تھیں۔ چارپائیوں کے آگے میزیں رکھی ہوئی تھیں۔ جہاں ٹرک ڈرائیور بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ ان چارپائیوں کے دو، دو فائدے تھے۔ نمبر ایک بیٹھ کر کھانے کے کام آتیں نمبر دو کمر سیدھی کرنے اور ستانے کے کام بھی آتیں۔

عائزہ کچھ دیر تو کھڑی دیکھتی رہی۔ پھر جب مختلف نظروں کی تپش خود پر محسوس کی تو گھبرا کر بیٹھ گئی۔ وہ چست جینز اور ڈھیلی ڈھالی پنک شرٹ پہنے خود بھی پنک ہو رہی تھی۔ فائق پلیز خدا کے لئے چلو یہاں سے۔ میں یہاں خود کو ان کمفرٹیبل محسوس کر رہی ہوں۔

وہ کیوں۔ وہ انجان بنا پوچھ رہا تھا۔

دیکھو نا سب کیسے مجھے دیکھ رہے ہیں۔ تمہاری غیرت کہاں چلی گئی ہے فائق نے اردگرد نظریں دوڑائیں اور ہنس پڑا۔

وہاٹ آنول..... ذرا غور سے دیکھو کیا یہ تم کو غلط نظروں سے دیکھ رہے ہیں یا محض دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ عائزہ نے ایک مرتبہ پھر کن انکھیوں سے ان لوگوں کی طرف دیکھا۔ جو اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اسے ماننا پڑا کہ واقعی ان کی آنکھوں میں ہوس نہیں بلکہ اشتیاق تھا وہ مسکراتے ہوئے پر تجسس نظروں سے اس خوبصورت اور گریس فل جوڑے کو دیکھ کر سوچ رہے تھے کہ ایسے اپر کلاس لوگوں کا ایسے ڈھابے پر کیا کام۔

ڈھابے کا مالک از خود آیا اپنے ہاتھوں سے ان کی ٹیبل صاف کر کے آرڈر پوچھنے لگا۔ وہ عقیدت کے مارے بچھا جا رہا تھا۔ اس وقت عائزہ کو خود پر فخر ہونے لگا۔ اس بات پر غرور کرنے کو دل چاہنے لگا کہ فائق اس کا منگیتر ہے۔

پھر جب سیخ کباب اور تازہ نان دہی کے رائتے کے ساتھ ان کے سامنے آئے تو کبابوں کی خوشبو سونگھ کر عائزہ بھوک سے بے تاب ہو کر کبابوں پر ٹوٹ پڑی۔ پھر جب ذائقہ چکھا تو فائق کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکی۔ جو اسے اس خوبصورت جگہ لایا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد ہوٹل کا مالک پھر سے ان کا شکریہ ادا کرنے آیا۔ فائق نے کھانے کے بل کے ساتھ بھاری ٹپ اس کے ہاتھ پر رکھی اور جانے کے لئے بائیک پر بیٹھ کر بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔ عائزہ پیچھے بیٹھے ہوئے بولی۔ ہم آئندہ بھی یہاں آتے رہیں گے۔

اچھا جی۔ فائق مسکرایا۔

☆☆☆

ناشتے کی میز پر پاپا ہمیشہ کی طرح اخبار ساتھ رکھے مصروف تھے۔ اور ماما نے شام کی پلاننگ پہلے سے کر رکھی تھی جن سے وہ دونوں بھی جلدی باخبر ہو گئے۔

آج شام کو تم دونوں کا کوئی پروگرام تو نہیں ہے ماما نے جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔

کوئی خاص نہیں..... آپ بتائیں فائق سلائس پر جام لگاتے ہوئے بولا۔

کل میری بیسٹ فرینڈ مونا لندن سے آ گئی ہے۔ آج رات ہمیں کھانے پر انوائیٹ کیا ہے۔ تم دونوں کو بھی چلنا ہوگا۔ اونو ماما۔ میرا تو آج شام کو بیڈمنٹن کا میچ ہے میں نہ آسکوں گا۔ فائق نے بہانہ تراشا۔

اور ماما میری دوست عائشہ کی آج سالگرہ ہے۔ میں آپ کو بتانا بھول گئی تھی۔ ہانیہ کب پیچھے رہنے والی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو تمہارا کوئی پروگرام نہیں تھا تم فارغ تھے۔ ماما نے قہر آلود نظروں سے گھورا۔

بس ہم بتانے ہی والے تھے۔ فائق نے بات سمجھائی۔

ماما چپ کر گئیں۔ مگر ان کا موڈ آف ہو گیا تھا ان کا موڈ کیسے ٹھیک کرنا ہے یہ بات دونوں بہن بھائی بخوبی سمجھتے تھے مگر اس وقت خاموشی میں ہی بہتری تھی۔

محمد احمد رزاقی بریف کیس اٹھائے گھر سے نکل کر پورچ میں آئے تو اشرف منہ لٹکائے گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ سلام صاحب اس نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ آج فائق صاحب نہیں جا رہے۔ اس نے پوچھا۔

نہیں آج صاحبزادے کو بیڈمنٹن کا بخار چڑھا ہوا ہے۔ صاحب جی آج صبح ..... ہی صبح اشرف نے ہکلاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔

کیا ہو گیا صبح ہی صبح؟ ''رزاقی صاحب نے پوچھا۔'' صبح ہی صبح سر، آتے ہوئے میرا موبائیل کسی نے چھین لیا۔ یہ تو اب ہر روز کا مسئلہ ہے تم گاڑی چلاؤ مجھے جلدی پہنچنا ہے۔ محمد احمد نے سنی ان سنی کرتے

ہوئے کہا۔اشرف نے ٹھنڈی سانس بھری اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔اسے اس کے سوال کا جواب مل چکا تھا۔رزاقی صاحب سیلف میڈ انسان تھے۔جن کی رگوں میں ایسے والدین کا خون تھا۔جنہوں نے انہیں زندگی برتنے کے ساتھ ساتھ انسانوں کو برتنے کا ہنر بھی سکھایا تھا لیکن فطری بات ہے انسان خواہ کتنا ہی خود اعتماد کیوں نہ ہو وقت کے ساتھ ساتھ وہ کچھ لوگوں پر بھی اندھا دھند اعتماد کرنے لگتا ہے اور کچھ لوگ اس کی زندگی میں آتے جاتے موسموں کی طرح ہوتے ہیں۔احمد صاحب بھی اپنی اس عادت سے اتنی اچھی طرح واقف نہیں تھے۔جتنے وہ لوگ جوان کے اردگرد تھے۔

آفس پہنچنے کی جلدی اور اشرف کی سستی کو وہ سمجھ رہے تھے لیکن اس کے دکھوں کی گھڑی سے فی الوقت بے نیازی کی وجہ اس میٹنگ کی فکر تھی جو آج انہیں اپنے کلائنٹ سے کرنی تھی۔

لوگوں کی بے حسی، سڑک کی ٹوٹ پھوٹ اور اشرف کی سستی پر انہیں غصہ آرہا تھا لیکن انہیں اس پر بھی قابو پانا آتا تھا اشرف کا دماغ بھی تو کہیں اور ہی چل رہا تھا۔آج نسرین نے ڈاکٹر کے پاس جانا تھا اسے کئی دن سے کھانسی کا دورہ سا اٹھتا تھا۔بچے پریشان ہو جاتے تھے۔اس لئے نہیں کہ ماں کو کھانسی تھی بلکہ اس لئے کہ بیمار ماں جب روٹی نہیں پکاتی تھی تو وہ بھوکے رہ جاتے تھے۔اگر محلے کی تائی اماں کا ساتھ نہ ہوتا تو شاید وہ ماں کو بھی اس موئی کھانسی کی وجہ سے بددعائیں دینے لگتے۔بھوک کو برداشت کرنا کوئی آسانی کام نہیں۔

اشرف نے تیزی سے بریک لگائے پتا نہیں سامنے والے کی غلطی تھی یا پھر اشرف کی غائب دماغی مگر رزاقی صاحب کا پیمانہ صبر چھلکنے کو تھا۔

اشرف تم آج بہت ڈسٹرب ہو شاید انہوں یہ کہہ کر سگار سلگایا۔

اب اشرف کو بھی کھانسی ہونے والی تھی مگر اس نے خود پر کنٹرول کیا کیونکہ آفس بھی نزدیک آنے والا تھا اس نے گاڑی آفس کے سامنے روکی تو مسٹر رزاقی تیزی سے اپنے روم کی طرف بڑھتے چلے گئے بغیر کسی کے سلام کا جواب دیئے۔

☆☆☆

آج ناشتے پر ماما نے ان دونوں کی کلاس لے ڈالی۔مونا آنٹی ماما کی ایسی دوست تھیں کہ اگر وہ ماما سے پاپا کو چھوڑ دینے کا کہتیں تو شاید ایک لمحے کے لئے ماما کو شائبہ تک نہ ہوتا کہ وہ انہیں بہکا رہی ہیں۔اسی مونا آنٹی نے ان کی تمام فیملی کو ڈنر پر انوائیٹ کیا تھا۔جہاں دونوں بہن بھائیوں نے ٹال مٹول کر کے جانے سے انکار کر دیا تھا۔بی جان کو ویسے کوئی شوق نہیں تھا کہ فریحہ کی نک چڑھی سہیلیوں کی دعوتوں میں جاتی پھریں پاپا کی اپنی مصروفیت تھی۔جس میں دوسروں کے لئے وقت کم ہی نکلتا تھا۔

لہٰذا آج ناشتے پر ماما کا موڈ آف دیکھ کر فائق اور ہانیہ دونوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔اب ماما کو منانا ضروری تھا۔چاہے جیسے بھی منایا جائے۔فائق نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ہانیہ سے اشارے بازی کی اور بات شروع کی ماما۔آج ہمارا پروگرام ہے آپ کو اور پاپا کو ڈنر پر لے جانے کا۔فائق بولا۔

میں کیوں مانوں تمہارا پروگرام۔ماما نے تنک کر جواب دیا اس لئے کہ آپ ہماری ماما ہیں اور میں جانتا ہوں کہ آپ میری کوئی بات ماننے سے انکار کر ہی نہیں سکتیں۔اور پھر آج بیڈمنٹن کا میچ جیتنے کی خوشی بھی تو سیلی بریٹ کرنی ہے۔فائق نے سلائس پر پی نٹ بٹر لگاتے ہوئے کہا۔ماما خاموش رہیں۔بس چائے کی چسکیاں لیتیں رہیں۔ڈنر پلان گڈ۔میرا بھی موڈ ہے۔بھئی میری طرف سے اوکے سمجھو۔پاپا مسکرائے

پلیز ماما جان مان جائیں نا۔ہانیہ نے منت سماجت شروع کر دی۔آخر چند منٹوں بعد برف پگھلنی شروع ہو گئی۔

ٹھیک ہے۔اگر تم دونوں آئندہ میری ہر بات ماننے کا وعدہ کرو تو میں تمہارے ساتھ جا سکتی ہوں۔ماما نے کڑی شرط عائد کی تو دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

ہوں .....تو گویا میری بات ماننا تم لوگوں کے لئے ایک کڑا امتحان ہے۔ماما نے پوچھا تو دونوں شرمندہ ہو گئے۔

ماما ہم آئندہ آپ کی ہر بات مانیں گے۔فائق نے کہا۔

ماما مسکرانے لگیں۔چلو تو پھر ٹھیک ہے۔کس ہوٹل میں جانے کا پروگرام ہے۔

☆☆☆

فائق نے ڈنر کے لئے ایک فائیو اسٹار ہوٹل منتخب کیا۔جہاں کا چائنز کھانا بہت مشہور تھا۔ڈنر چونکہ ماما اور پاپا کے لئے تھا اس لئے ان کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے چائنز کھانے کا آرڈر دیا۔

دونوں بہن بھائی ماما، پاپا کے ہمراہ خوب چہک رہے تھے۔ماما، پاپا بھی ان کی آپسی نوک جھونک دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

ابھی تک تمہارا بچپنا نہیں گیا۔ماما نے تنبیہ کی۔

ماما یہ ہانی ہمیشہ پہلے چھیڑتی ہے۔فائق نے شکایت لگائی۔آرام سے بیٹھو۔سارے لوگ مڑ مڑ کر تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں اب تم بچے نہیں رہے۔ماما نے گھر کا اور چاروں طرف ہال کمرے میں نظریں دوڑائیں۔

بچوں کو انجوائے کرنے دو۔کیوں خواہ مخواہ ڈانٹ رہی ہو۔رزاقی صاحب بولے۔

اب یہ بچے نہیں رہے۔ جوان ہو چکے ہیں۔ آپ کے اور بی جان کے بے تحاشا لاڈ پیار نے انہیں بڑا ہونے ہی نہیں دیا۔

اتنے میں ان کا مطلوبہ آرڈر آ گیا وہ سب کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اچانک ہانیہ بلند آواز میں ہنسنے لگی۔ ماما نے گھور کر اسے دیکھا تو اس نے فائق کی طرف اشارہ کیا۔

ماما نے فائق کی طرف دیکھا۔ جو سوپ میں ڈھیر سارا چلی ساس ڈال کر اب اسے چمچ کے ساتھ ہلا رہا تھا۔

تم ایسی حرکتیں کیوں کرتے ہو فائق۔ ماما نے سنجیدگی سے پوچھا کیسی حرکتیں ماما۔ اوہ سوگڈ۔ سو اسپائسی وہ چمچ منہ میں رکھ کر چٹخارہ لے کر بولا۔

ان کی ٹیبل کے ساتھ والی ٹیبل پر ایک لڑکی بیٹھی موبائیل فون پر بات کر رہی تھی اس کا دھیان فائق کے باؤل کی طرف گیا تو اس کو ابکائی آتے آتے رہ گئی۔ پھر اس نے اٹھ کر اپنی سیٹ بدل لی۔

دیکھا تم نے فائق۔ اس لڑکی نے دیکھ کر کیا محسوس کیا۔

ماما یہ میری پسند کا سوپ ہے۔ میں اسے بڑے شوق سے پی رہا ہوں اب کوئی دیکھ کر کیا سوچتا ہے مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ پاپا کے فون کی بیل مسلسل بج رہی تھی۔ پاپا نے کال ریسیو کی تو ان کا مسکراتا ہوا چہرہ اچانک سنجیدہ ہو گیا۔

اوہ نو..... پاپا خاموش تھے۔

کسی اچانک خبر پر پاپا ہمیشہ اسی طرح خاموش ہو جایا کرتے تھے۔

کیا ہوا..... ماما نے پوچھا۔

ہمیں جلدی یہاں سے نکلنا ہوگا۔ عرفان کو شدید ہارٹ اٹیک ہوا ہے وہ ہوسپٹل میں ہے۔ جلدی سے کھانا ختم کرو۔ یہ کہہ کر پاپا موبائیل کان سے لگائے باہر کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے بھی جلدی جلدی چند لقمے کھائے اور پاپا کے پیچھے چل دیئے۔

☆☆☆

رات کو پاپا گیارہ بجے آئے تو ان کا چہرہ ستا ہوا تھا۔

سب بے چینی سے ان کا انتظار کر رہے تھے وہ لاؤنج میں داخل ہوئے تو بھی ان کی طرف دیکھنے لگے۔

اب کیا حال تھا عرفان صاحب کا۔ فریحہ نے پوچھا۔

ہارٹ اٹیک اتنا شدید تھا کہ وہ بچ نہ سکے۔ رزاقی صاحب شکست خوردہ سے صوفے پر بیٹھ گئے۔

وہ میرا دایاں بازو تھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ان کے بغیر کام کیسے چلے گا وہ مایوسی سے بولے۔

میں ہوں نا پاپا۔ آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔ فائق نے تسلی دی مگر رزاقی صاحب جانتے تھے کہ فائق کو ان کی جگہ لینے میں ابھی وقت لگے گا وہ یعنی مرحوم عرفان صاحب ایڈمن اور اکاؤنٹس کے ساتھ، ساتھ سلیز اور مارکیٹنگ پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔

عرفان صاحب کی موت کا سن کر سبھی گھر والے گہرے صدمے سے دوچار ہوئے۔ انہیں ایسے لگا جیسے ان کا کوئی فیملی ممبر چل بسا ہو۔ دوسرے دن رزاقی صاحب کے ساتھ فریحہ بیگم اور بی جان بھی تعزیت کے لئے ان کے گھر گئیں۔

☆☆☆

عرفان صاحب کے جانے کے بعد فائق پر واقعی کام کا بوجھ آن پڑا تھا۔ اب اسے سنجیدگی سے آفس اور فیکٹری کو ٹائم دینا پڑتا تھا۔ رات کو بھی باپ بیٹا ذرا لیٹ ہی آتے فائق آج کل عائزہ کو بھی وقت کم ہی دے رہا تھا۔ فون پر بھی برائے نام ہی بات چیت ہوتی اور ملاقات بھی سنڈے کے سنڈے ہی ہو پاتی۔

عائزہ شکوہ شکایت کرتی مگر جب فائق کو مجبوریوں میں جکڑا دیکھتی تو چپ ہو رہتی اس دن بھی سنڈے ہی تھا جب عائزہ ان کے گھر آئی۔ عائزہ کو دیکھ کر فائق اور ہانیہ کھل اٹھے۔

اس وقت وہ دونوں لان میں بیٹھے دھوپ سینک رہے تھے جب عائزہ گاڑی سے نکلی تو انہی کی طرف چلی آئی تم تو عید کا چاند ہو گئی وہ۔ سوچا میں ہی جا کر مل آؤں۔

عائزہ، ہانیہ سے بغل گیر ہوتے ہوئے بولی تو نگاہیں فائق پر جمی تھیں جیسے اسے ہی سنا رہی ہو بعد میں فائق سے مصافحہ کرتے ہوئے اس نے ''ہیلو'' کہا اور فائق نے بھی جواب میں ''ہائے'' کہا۔

چلو میرے کمرے میں چلتے ہیں۔ ہانیہ نے کہا۔

نہیں آج دونوں خواتین میرے روم میں چلیں اور شرف میزبانی مجھے بخشیں۔ فائق نے سینے پر ہاتھ رکھ کر خود کو جھکایا تو دونوں نے مسکرا کر اس کی آفر قبول کر لی۔

کمرے میں پہنچ کر فائق نے پوچھا۔

اب بتاؤ گرلز کیا کھاؤ پیو گی۔

کھائیں گی پیزا اور پئیں گی کوک۔ ہانیہ نے فٹ سے جواب دیا۔

تم سے کون پوچھ رہا ہے میں تو مہمان سے پوچھ رہا ہوں۔ بھائی۔ آج میں بھی آپ کی مہمان ہوں

اور مہمان خدا کی رحمت ہوتے ہیں اور اگر میں ناراض ہو کر چلی گئی تو سمجھو رحمت روٹھ گئی۔

بس کرو مری ماں تمہاری دھمکی سن کر میرے تو رونگھٹے کھڑے ہو گئے۔

ہاں عائزہ تم کیا کہتی ہو۔ کیا کھاؤ گی۔ فائق نے عائزہ سے پوچھا تو اس نے ہانیہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

فائق نے فون پر پیزا اور آئس کریم کا آرڈر دے دیا۔

جو ٹھیک آدھے گھنٹے بعد گھر پر پہنچ جاتا تھا۔

کیا خیال ہے جب تک پیزا نہیں آجاتا تب تک لڈو نہ کھیلی جائے۔ ہانیہ نے تجویز دی۔

جب تک لڈو کا راؤنڈ ختم ہوا پیزا اور آئس کریم بھی آگئی کھانے کے بعد فائق نے ہانیہ سے کہا کہ۔

جاؤ چائے بنوا کر لے آؤ۔

میں ابھی ساجدہ کو کہہ کر آتی ہوں وہ باہر نکلنے لگی تو فائق نے کہا سنو۔

جی۔''

چائے پاس کھڑی ہو کر بنوانا۔ خوب تسلی سے اچھی سی اتنی جلدی واپس آنے کی ضرورت نہیں۔ سمجھ رہی ہو نا۔ جی سمجھ گئی وہ معنی خیز انداز میں سر ہلا کر چلی گئی۔ تو وہ دونوں مسکرانے لگے۔ ہاں اب بتاؤ میرا کمرہ کیسا لگا۔ فائق نے عائزہ کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔

عائزہ نے چاروں طرف نظر دوڑا کر جواب دیا۔

کمرہ تو اچھا ہے مگر پینٹ کا کلر مجھے پسند نہیں آیا شادی سے پہلے کلر چینج کروانا پڑے گا۔

اچھا جی جو حکم جناب کا تم اپنی پسند کا کلر بتا دینا شادی سے پہلے پہلے کلر بھی چینج ہو جائے گا اور کلر کے ساتھ ساتھ ساری ڈیکوریشن دوبارہ سے ہو گی۔

ہر چیز بدل دینا مگر خود نہ بدل جانا۔ عائزہ نے بڑی گہرائی سے کہا۔ تو فائق چونک پڑا۔

ارے ..... یہ کون سی فلم کا ڈائیلاگ ہے۔ سنا سنا سا لگتا ہے۔ پلیز فائق کبھی تو سیریس ہو جایا کرو۔ وہ روہانسی ہو کر بولی۔

آئی ایم سیریس یار۔ وہ معصوم صورت بنا کر بولا ویسے بائی داوے۔ یہ بدلنے والی بات تم نے کیسے فیل کی۔

بعد میں بدلنا تو دور کی بات تم تو ابھی سے بدل گئے ہو۔

رئیلی۔ میں ابھی جا کر آئینہ دیکھتا ہوں۔

پھر مذاق۔ عائزہ نے منہ پھلا لیا۔

اے ڈیزی۔ فائق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پلیز مجھ سے ناراض نہ ہوا کرو۔ مجھ سے تمہاری ناراضگی برداشت نہیں ہو[illegible]۔ [illegible]ق کا اتنا سنجیدہ انداز اور لہجہ دیکھ کر عائزہ دنگ رہ گئی۔ فائق تم اتنے سیریس بھی ہو سکتے ہو۔ یقین نہیں آتا۔ تمہاری خاطر میں اس سے بھی زیادہ سیریس ہو سکتا ہوں احمد ابھی ابھی تم نے مجھے کس نام سے پکارا تھا۔ کیا ڈیزی کہا تھا۔

ہاں ڈیزی کہا تھا۔ میرے پسندیدہ پھول کا نام۔ میں آج سے تمہیں [illegible]یزی کہہ کر ہی پکاروں گا۔

نہیں ابھی نہیں۔ شادی کے بعد جو مرضی نام دے لینا۔

اتنے میں ہانیہ چائے لے کر آگئی تو دونوں ذرا دور ہٹ کر بیٹھ گئے۔ چائے سے فارغ ہو کر عائزہ نیچے آئی۔ ماما اور پاپا سے ملی جو کمرے میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ [illegible] جان سے ملی جانے کی اجازت مانگی جو اس شرط پر ملی کہ اگلے اتوار کو وہ پھر آئے گی۔

☆☆☆

فائق احمد رزاقی کو اپنے پاپا پر فخر تھا کیوں کہ نہ ہوتا اس کے پاپا محمد احمد رزاقی، صرف بزنس سے بزنس تک کامیابی سے سفر کرنے والے، جوہر شناس، آگے بڑھنے والے، قدم روکنے والے اور کبھی روندنے والے ..... شجر سایہ دار لیکن کبھی بادشاہ تو کبھی بادشاہ بنا دینے والے۔ معمار تھے، مصور تھے یا فنکار .....

تب ہی تو کل کا لاابالی سا فائق اب ان کی نظروں میں معتبر ہوتا جا رہا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں اب سفر پر نکلتا ہوں تو مجھے پیچھے مڑ مڑ کر نہیں دیکھنا پڑتا کیونکہ فائق احمد رزاقی وہاں موجود ہوتا [illegible]۔ پاپا کے منہ سے فائق کی تعریف و توصیف سن کر ماما کی آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی تھی۔

آج پھر رات کے کھانے پر ہانیہ فائق سے نئے موبائیل کی ضد کر رہی تھی۔

ماما میں تنگ آگیا ہوں روز روز کی اس کی فرمائشوں سے ہانیہ کیوں بھائی کو تنگ کرتی ہو۔

ماما ایک ہی تو بہن ہوں اس کی ایک کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے تین چار ہوتیں تو پتہ نہیں کیا ہوتا ان کے ساتھ۔

تم تین چار پر بھاری ہو سمجھی۔ فائق نے لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچایا۔ تو بی جان کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

ارے تو تو ایسے ہاتھ نچا نچا کر باتیں کر رہا ہے جیسے گاؤں کی لڑاکا عورتیں لڑائی کے وقت کرتیں

ہیں۔اللہ بخشے ہمارے گاؤں میں میری ہمسائی ہوا کرتی تھی حلیمہ موچن وہ اسی انداز میں لڑتی تھی کسی عورت کی مجال نہیں تھی کہ اس کے آگے دم مارے۔

دادو پلیز۔فائق نے احتجاج کیا مثال دیتے وقت کچھ تو سوچا کریں یہ آپ نے میری مثال کس کے ساتھ جوڑ دے دی۔

اے لڑکے کسی جانور کے ساتھ تو نہیں دے دی وہ بے چاری انسان ہی تھی۔

بی جان سے کون جیت سکتا تھا۔جو فائق جیت جاتا اس تے بھی چپ میں ہی عافیت جانی۔

☆☆☆

رات کو فائق نے اسکائپ آن کر کے فہد سے بات شروع کی جو رات کے ایک بجے تک جاری رہی۔

ابے سنا کوئی آسٹریلیا کی میم وغیرہ پھنسی یا صرف کتابوں میں ہی جھک مار رہے ہیں۔

میں یہاں خوب عیش میں ہوں تو سنا پریم روگ کے روگی تیرا روگ کہاں تک بڑھا ہے۔فہد لحاظ کرنے والا کہاں تھا۔

یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ اب شادی کے سوا کوئی علاج نہیں واہ میرے مجنوں تو پھر کر لے شادی رکاوٹ کس بات کی ہے۔یار وہ بی اے فائنل ایئر میں ہے۔تین ماہ بعد اس کے پیپرز ہوں گے پھر شادی کی باری آئے گی۔

تو پھر اتنا اتاؤلا کیوں ہو رہا ہے صبر کر صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔فہد نے نصیحت کی۔

صبر ہی تو کر رہا ہوں۔فائق نے ٹھنڈی سانس بھری۔

ویسے یار میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا ہے۔تیری بورنگ لائف کو ذرا سا ٹوئسٹ مل جائے گا۔

وہ کیا۔فائق متجسس ہوا۔

اس کے بعد فہد نے اپنے آئیڈیا کی تفصیل بتائی۔جوں جوں وہ تفصیل بتاتا گیا فائق کی آنکھیں چمکتی گئیں۔

سنا کیسا ہے۔فہد نے داد چاہی۔یار آئیڈیا تو بہت اچھا ہے مگر دیکھنا کہیں مروانہ دینا۔اس کے مزاج کو تو تم جانتے ہی ہو۔کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ارے کچھ نہیں ہوگا۔تھوڑا تھرل پیدا ہوگا۔تھوڑا موسم تبدیل ہوگا بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔

تو پھر کل سے ہی پلان پر عمل کر ڈالوں۔فائق اجازت طلب کر رہا تھا۔

بالکل میرے شیر۔میرا آشیرباد تمہارے ساتھ ہے۔

بات ختم کرنے کے بعد بھی کافی دیر تک فائق بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔عائزہ پر اس بات کا کیا ردعمل ہوگا وہ سوچ سوچ کر مسکراتا رہا اور اندازے لگاتا رہا۔

☆☆☆

دوسرے دن اس نے آفس سے عائزہ کو فون کیا۔عائزہ جو ابھی ابھی کالج سے آئی تھی اس کی کال دیکھ کر خوش ہوگئی کیونکہ عموماً اس وقت اس کی کال نہیں آتی تھی۔

ہیلو ڈیزی۔ہاؤ آر یو؟

آئی ایم ویل۔خیریت

بس دل چاہ رہا تھا تم سے بات کرنے کو۔کیوں اچھا کیا نا۔ہاں ہاں بالکل مجھے اچھا لگا تم سے بات کر کے۔وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

اچھا یہ بتاؤ آج شام کو کیا کر رہی ہو۔

کچھ خاص نہیں۔گھر پر ہی ہوں۔

کیوں نہ آج آئس پارلر چلیں فائق نے پیشکش کی تو عائزہ کھل اٹھی۔

ہاں ٹھیک ہے میرا بھی دل چاہ رہا تھا کہیں گھومنے پھرنے کو۔

• تو پھر آٹھ بجے تک تیار رہنا میں آفس سے سیدھا تمہارے گھر آؤں گا۔ڈنر تمہارے ہاں کروں گا اس کے بعد گھومنے کے لئے جائیں گے۔ٹھیک ہے۔

اوکے۔وہ چہکی۔

اوکے۔بائے۔وہ فون بند کر کے مسکرانے لگا۔اب آئے گا مزا۔

☆☆☆

عائزہ نے ماما کو فائق کے آنے کے بارے میں بتایا تو وہ بھی خوش ہوگئیں۔منگنی کے بعد پہلی بار ہمارے گھر آ رہا ہے۔

کھانے میں خصوصی اہتمام ہونا چاہیے۔انہیں نے خانساماں کو کئی کھانے بنانے کا آرڈر دے دیا۔

رات کو پونے آٹھ بجے فائق آ گیا۔مسٹر دانیال اور ان کی بیگم نے والہانہ استقبال اپنے ہونے والے داماد کا کیا۔کھانے پر اتنا تکلف دیکھ کر فائق شرمندہ سا ہو گیا۔آنٹی آپ نے بہت زیادہ تکلف کیا۔میں اتنی چیزیں کیسے کھا سکتا ہوں۔

بیٹا تم نے کبھی خدمت کا موقع ہی نہیں دیا۔اب اتنے عرصے بعد آئے ہو تو دیکھو ہم کتنے خوش ہیں۔

ہاں ہاں فائق بیٹا تم اب ہمارے بیٹے ہو۔ ہمیں بیٹے کی کمی محسوس نہ ہونے دینا۔ مسٹر دانیال نے کہا تو فائق بول اٹھا' بالکل نہیں انکل۔ میں آپ کو کبھی بیٹے کی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گا۔

عائزہ مسکرا مسکرا کر ساری باتیں سنتی رہی۔ ویسے بھی ماما پاپا کے سامنے وہ فائق سے کم ہی بولتی تھی۔

کھانے کے بعد فائق نے عائزہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

چلیں۔"

عائزہ نے ماما کی طرف دیکھا تو ماما نے جواب دیا ہاں ہاں چلے جاؤ۔ ذرا گھوم پھر آؤ۔ عائزہ کافی دنوں سے گھر سے باہر نہیں نکلی۔

فائق نے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور عائزہ فرنٹ سیٹ پر اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔ وہ ریڈ شلوار قمیض میں بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔

وہ دونوں ایک خوبصورت سے آئس پارلر میں جا کر بیٹھ گئے۔

آئس کریم کھاتے ہوئے فائق سوچنے لگا کہ بات کیسے شروع کی جائے۔ پھر اس نے سوچا کہ بے چاری کو آئس کریم کھا لینے دوں یہ نہ ہو کہ آئس کریم بیچ میں ہی رہ جائے۔

آئس کریم ختم ہو گئی تو فائق نے بات کرنے کے لئے منہ کھولا۔ پھر کچھ سوچ کر بیرے کو دو ایپل جوس لانے کے لئے کہا۔

جوس آ گئے تو دونوں نے اپنا اپنا جوس پکڑ لیا۔

عائزہ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔

ہاں تو کرو ناں۔ وہ جوس ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بولی۔ میں چاہتا ہوں کہ شادی سے پہلے ہم دونوں کو اپنے اپنے ماضی کی ہر بات ایک دوسرے کو بتا دینی چاہیے۔ کچھ بھی چھپانا نہیں چاہیے۔ وہ بڑے گھمبیر لہجے میں بولا۔ تو عائزہ بے چین سی ہو گئی۔

میرا ماضی تو کھلی کتاب ہے۔ سکول کے دور سے تمہاری بہن ہانیہ کے ساتھ پڑھ رہی ہوں۔ میں ہر بات اس سے شیئر کرتی آ رہی ہوں۔ میرے پاس چھپانے کے لئے ایسا کچھ نہیں۔ وہ وضاحت دیتے دیتے روہانسی ہو گئی۔ دل میں سوچنے لگی اچانک فائق نے ایسی بات کیوں چھیڑی۔

مگر میرا ماضی کھلی ہوئی کتاب کی طرح نہیں ہے عائزہ میں ماضی میں کسی سے محبت کرتا رہا ہوں اور محبت بھی ایسی کہ اس کے بغیر زندہ رہنے کا تصور بھی محال تھا۔ اس کے لہجے کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

کیا..... عائزہ کو جوس کڑوا لگنے لگا کیا کہہ رہے ہو تم فائق۔ وہ دکھ سے بولی۔

میں سچ کہہ رہا ہوں عائزہ۔ میری پہلی محبت کوئی اور ہے۔ کون ہے وہ۔ اس کی آواز جیسے کنوئیں سے آئی۔

اگر تم اس سے ملنا چاہتی ہو تو میں اس سے تمہیں ملوا سکتا ہوں۔

کیا ابھی تک وہ تم سے ملتی ہے۔ عائزہ کی آنکھیں ڈبڈبائیں ہاں کبھی کبھی۔ وہ بھولپن سے بولا تو عائزہ سلگ اٹھی۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ فائق مجھے گھر جانا ہے۔

کیوں کیا ہوا۔ ابھی تو جوس بھی ختم نہیں ہوا۔

نہیں مجھے جلدی جانا ہے۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔

کیا ہوا طبیعت کو۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک تو بالکل ٹھیک تھی۔ اچانک کیا ہو گیا۔

تم جاتے ہو کہ نہیں۔ وہ دھاڑی۔ اگر نہیں تو میں ٹیکسی سے چلی جاتی ہوں۔

فائق فوراً اٹھ گیا۔ راستے میں بھی عائزہ چپ رہی۔ آنسو چھپانے کے لئے اپنا چہرہ کھڑکی کی جانب رکھا۔ فائق کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکراتا رہا۔ اسے اس کی حالت دیکھ کر افسوس تو ہو رہا تھا۔ مگر اس ڈرامے کو ادھورا بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس کا اینڈ کی مرضی کے بغیر کیسے کر سکتا تھا کیونکہ رائٹر اور ڈائریکٹر وہی تھا۔ عائزہ کے گھر کے آگے گاڑی روک کر اس نے ہارن دیا تو عائزہ نے گیٹ کھلنے کا انتظار بمشکل کیا۔

فائق نے عائزہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

دیکھو ڈیزی میری پہلی محبت جو بھی ہو۔ مگر دوسری اور آخری محبت تمہی ہو میں تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں بلیومی۔

اتنی دیر تک گیٹ کھل چکا تھا۔ عائزہ بغیر کسی بات کا جواب دیئے اندر دوڑتی چلی گئی۔

فائق نے ٹھنڈی سانس بھری اور گاڑی ڈیفنس کی طرف موڑ دی۔

☆☆☆

آج سارا دن فائق نے بے چینی سے گذارا تھا۔ آفس میں بھی مضطرب ہی رہا اور اب رات کا کھانا کھا کر لان میں بیٹھا سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ عائزہ نے سارا دن اس کی کوئی کال اٹینڈ نہیں کی تھی۔ گویا وہ اس سے ناراض ہو گئی تھی۔ اس کی ناراضگی فائق کی برداشت سے باہر تھی۔ وہ اسے ناراض یا اداس نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اب کیا کروں۔ وہ بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

اس فہد کے بچے نے مروا دیا۔ کہتا تھا کہانی میں ٹوئسٹ پیدا ہو گا۔ اب جا کر اس کے کان کھینچتا

ہوں۔ وہ اپنے کمرے میں جا کر فہد سے رابطہ کرنے لگا۔ رابطہ ہوتے ہی فہد نے پوچھا۔

بول میرے الو۔ کیسا رہا ناٹک۔ فہد نے ہانک لگائی الو تو تم نے واقعی مجھے بنایا ہے۔ فائق بھنا کر بولا۔

اب بنے بنائے کو کیا بنانا۔ فہد کی شوخی میں کوئی کمی نہ آئی۔ ابے پاجی عائزہ مجھ سے ناراض ہو گئی ہے۔ میرا فون تک نہیں سن رہی۔ اب اپنی شیطانی کھوپڑی استعمال کر کے مجھے بتا کہ میں کیا کروں۔ فائق رو دینے کو تھا۔

ارے میرے چاند رونا مت۔ مرد روتے ہوئے بڑے جوکر لگتے ہیں۔ وہ فائق کی بے بسی سے خوب حظ اٹھا رہا تھا۔

یہ سارا تمہارا کیا دھرا ہے۔ تمہارا آئیڈیا ایک دم فضول اور بوکس تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ اسے کیسے مناؤں۔ یار اسے بلا کر ساری صورت حال اس کے آگے رکھ دے۔ مگر کیسے بلاؤں۔ وہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ ملنے کیسے آئے گی۔

ہانیہ کے فون سے بات کر لے۔ فہد نے رائے دی۔

ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔ فائق مطمئن ہو گیا۔

عائزہ نے بھی سارا دن تڑپ کر گذارا تھا۔ کالج سے بھی چھٹی کر لی تھی۔ ماما پاپا سے یہ کہہ دیا تھا کہ طبیعت ٹھیک نہیں سارا دن کمرے میں بند فائق کی پہلی محبت کا سوگ مناتی رہی تھی۔ ہرجائی کہیں کا۔ ابھی تک اس کلموہی سے ملتا ہے۔ میں کیا کروں۔ ماما کو بتا دوں۔ انہیں سن کر کتنا دکھ ہوگا وہ تو فائق کو بڑا بھولا اور معصوم سمجھتی ہیں مگر ماما کو تو بتانا ہی پڑے گا کیونکہ میں ایسے دوغلے آدمی سے شادی نہیں کر سکتی۔ مکار۔ فریبی وہ منہ میں فائق کو گالیاں دے رہی تھی۔ غصے میں اس نے فائق کی کوئی کال رسیو نہیں کی تھی۔ وہ اٹھ کر ماما کو تمام بات بتانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اس کا موبائیل بجنے لگا۔ دیکھا تو ہانیہ کا نمبر تھا۔ ضرور کالج نہ آنے کا پوچھے گی۔ اس نے کال کاٹ دی۔ مگر بیل پھر سے ہونے لگی تو اس نے کال رسیو کر کے فون کان سے لگا لیا۔

ہیلو"۔

اس کی بھرائی ہوئی آواز سن فائق تڑپ گیا۔

ہیلو عائزہ" پلیز فون بند مت کرنا میں نے بڑی ضروری بات کرنی ہے تم سے۔

ہاں کہو۔" وہ ایک منٹ سوچنے کے بعد بولی۔

عائزہ تم مجھ سے ماڈل ٹاؤن پارک کے باہر ملو۔ کل ٹھیک پانچ بجے۔ میں پارکنگ میں اپنی بائیک پر بیٹھا تمہارا انتظار کروں گا۔ آؤ گی نا۔

نہیں فائق اب ملنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ہمارے راستے الگ ہو چکے ہیں۔ میں ماما پاپا سے بات کر کے یہ منگنی توڑ رہی ہوں۔ اس کی آواز جیسے گلے میں گھٹ کر رہ گئی۔ عائزہ پلیز اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے ایک دفعہ مجھ سے مل لو۔ پھر جو چاہے کرنا۔

دوسری طرف خاموشی تھی۔ فائق نے پھر بات شروع کی۔ ہمارے پیرینٹس کو بہت تکلیف ہوگی اگر یہ منگنی ٹوٹ گئی۔ تو کیا ہمیں تکلیف نہیں ہوگی۔ وہ حیرت سے بولی۔

ہمیں تو اتنی ہوگی کہ شاید جی نہ پائیں۔ ایک دوسرے کے بغیر۔ ہوں ڈرامے باز کہیں کا۔ عائزہ نے دل میں سوچا۔

عائزہ پلیز مجھے کل ملو۔ پھر جو بھی فیصلہ کرو گی مجھے منظور ہوگا۔

بولو آؤ گی نا۔ وہ لجاجت سے بولا۔

ٹھیک ہے۔ آ جاؤں گی مگر یہ ہماری آخری ملاقات ہوگی اگر تم ایسا چاہو گی تو ایسا ہی ہوگا۔ وہ دل میں ہنسا اور ہاں جب تک ہم مل کر ساری بات کلیئر نہیں کر لیتے اس وقت تک تم کسی سے کچھ نہیں کہو گی۔ کچھ نہیں بتاؤ گی۔

او کے؟ اس نے پوچھا۔

او کے۔ عائزہ نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

☆☆☆

دوسرے دن ٹھیک شام کے پانچ بجے فائق بائیک پر بیٹھا پارک کے گیٹ کے آگے عائزہ کا انتظار کر رہا تھا۔ عائزہ کا گھر پارک سے زیادہ دور نہ تھا۔ چند منٹ بعد عائزہ کی بلیک سوک آتی دکھائی۔ عائزہ خود ہی گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔

وہ گاڑی سے نکل کر اس کی طرف آنے لگی۔ اس نے وہی ریڈ سوٹ پہنا ہوا تھا جو اب ملگجا سا ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں رو رو کر سوج گئیں تھیں جبکہ ناک اور گال سُرخ ہو رہے تھے۔ اس وقت فائق کو پتا چلا کہ سوگوار حسن بھی اپنے اندر کتنی کشش رکھتا ہے۔ اس کا حسن سوگوار بھی غضب ڈھا رہا تھا۔ فائق اسے دیکھنے میں اس قدر محو تھا کہ جب وہ پاس آ کر کھڑی ہو گئی کہو کیا بات کرنی ہے۔ جلدی سے کہہ دو مجھے جانا ہے۔ وہ بے رخی سے بولی۔ تو تب فائق کی محویت ٹوٹی۔ وہ مسکرایا۔ چلی جانا اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ آج کون کم بخت تجھے جانے دے گا۔ وہ دل میں سوچ کر مسکرانے لگا۔

عائزہ میں نے آج تمہیں یہاں اپنی پہلی محبت سے ملوانے کے لئے بلایا ہے۔

تو کیا اسے بھی بلایا ہے۔

وہ تو پہلے سے میرے پاس کھڑی ہے اب تمہیں نظر نہیں آئی تو میں کیا کر سکتا ہوں۔

عائزہ پاگلوں کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگی مگر تمہارے پاس تو کوئی لڑکی نہیں کھڑی۔ سوائے میرے۔

عائزہ میں نے تمہیں جب اپنی پہلی محبت کے بارے میں بتایا تھا تو یہ کہا تھا کہ مجھے کسی لڑکی سے محبت تھی یا میں نے کسی لڑکی کا نام لیا تھا۔ ذرا سوچ کر بتاؤ۔ کیا مطلب محبت کسی لڑکی سے ہی ہو سکتی ہے اور کس سے ہو سکتی ہے۔ وہ ہونق بنی فائق کی طرف دیکھ رہی تھی۔

بالکل نہیں یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ محبت صرف لڑکی سے ہی ہوتی ہے۔ کیا چیزوں سے محبت نہیں ہو سکتی۔ یہ ہے میری پہلی محبت۔ میری اسپورٹس بائیک اس نے بائیک کی طرف اشارہ کیا۔

کیا.....عائزہ چلائی۔ تمہاری پہلی محبت یہ بائیک ہے۔

آف کورس.....فائق نے کندھے اچکائے۔

تم.....اس نے مکا ہوا میں لہرایا۔ جیسے فائق کو مارنے کا ارادہ ہو۔ پھر رک گئی مکے والا ہاتھ نیچے گرا کر رونا شروع کر دیا ارے یہ کیا کر رہی ہو۔ کوئی دیکھ لے گا۔ پبلک پلیس ہے بھئی۔ تم بہت برے ہو۔

وہ باقاعدہ روتے ہوئے بولی تو فائق اردگرد دیکھنے لگا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر پارک میں چلا گیا۔ وہاں ایک الگ تھلگ بینچ کر بیٹھ کر اسے چپ کروانے لگا۔

ڈیزی پلیز چپ کر جاؤ۔ یہ سب مذاق تھا۔

مذاق تھا.....کیا مذاق ایسا ہوتا ہے۔

میری جان پر بنی تھی اور تمہارے نزدیک صرف مذاق تھا۔

آئی ایم سوری۔ دیکھو میں کان پکڑ کر سوری کر رہا ہوں۔ فائق نے دونوں ہاتھوں سے کان پکڑ لئے۔

عائزہ نے فائق کو کان پکڑے دیکھا تو اس کا دل پسیجنے لگا۔ وعدہ کرو۔ آئندہ کبھی ایسا مذاق نہیں کرو گے۔

وعدہ پکا وعدہ۔ میرے باپ کی توبہ اگر کبھی ایسا مذاق کروں۔ پلیز اب مسکرا دو۔ اک بار مسکرا دو۔ اک بار مسکرا دو۔ وہ راگ الاپنے لگا تو عائزہ مسکرانے لگی۔

پھر بھی جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا ہے اس کا ہرجانہ تو تمہیں بھرنا پڑے گا۔

بندہ تاوان بھرنے کے لئے تیار ہے۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ تو پھر چلو مجھے اسی ڈھابے پر لے چلو۔ جہاں ہم نے لذیذ ترین سیخ کباب کھائے تھے۔

وہاں۔ اس وقت۔ چلو ابھی صرف چھ ہی تو بجے ہیں۔

تمہاری گاڑی میں چلتے ہیں۔ بائیک ادھر ہی کھڑی رہے گی۔

جی نہیں۔ تمہاری پہلی محبت یعنی میری سوتن پر ہی سواری کریں گے۔

یار اس بے زبان سے تو جیلس نہ ہو۔

ہر اس چیز سے جیلسی فیل کروں گی۔ جسے تم محبت کرو گے۔ باپ رے۔ یہ لڑکی تو جنونی نکلی۔

جو مرضی سمجھو۔

چلو تو پھر بائیک پر ہی چلتے ہیں۔

☆☆☆

ڈھابے کا مالک دونوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنا صافہ کندھے سے اتار کر ٹیبل صاف کی اور انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

کیا کھائیں پئیں گے۔ اس نے پوچھا۔

دس سیخ کباب اور تین نان لے آئیں۔ ساتھ کولڈ ڈرنکس بھی لے آئیں۔ فائق نے آرڈر دیا۔

ٹھیک ہے جناب پندرہ منٹ میں آپ کا آرڈر آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔

تھینک یو۔ وہ چلا گیا تو عائزہ پھر سے شروع ہو گئی۔ ویسے فائق تم اتنے ظالم ہو یہ مجھے پتہ نہ تھا۔ اس نے شکوہ کیا۔

اسی ظلم کی سزا تو بھگتنے آیا ہوں۔

کیا مجھے کباب کھلانا تمہارے نزدیک سزا ہے۔ وہ ہتھے سے اکڑ گئی۔

فائق کو بنا بنایا کھیل بگڑتا نظر آنے لگا تو وہ سٹپٹا گیا۔ یار تمہیں پتا تو ہے میں باتیں کرنے کے معاملے میں کتنا پھوہڑ ہوں۔ میری بات کا وہ مطلب نہیں ہوتا جو تم سمجھ لیتی ہو اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔

اچھا اچھا ٹھیک ہے بس بات کرنے سے پہلے ذرا سوچ لیا کرو۔ عائزہ کا موڈ پھر سے بحال ہونے لگا۔

اور پھر کھانا کھانے کے دوران وہ بلند بانگ قہقہے لگا رہی تھی۔

پلیز آہستہ ہنسو۔ ایک تو تم بہت اونچی آواز میں قہقہے لگاتی ہو۔ فائق اردگرد دیکھتے ہوئے بولا۔

ہاں تو ٹھیک ہے نا۔ مجھ سے نہیں گھٹ گھٹ کر ہنسا جاتا۔ انسان ہنسے تو کھل کر ہنسے ورنہ نہ ہنسے۔

عجیب فلسفہ ہے تمہارا۔ فائق بولا۔

کھانا کھانے کے بعد دونوں جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بل فائق پہلے ہی پلیٹ کے نیچے رکھ چکا تھا۔

ہوٹل کا مالک ان کے پاس مسکراتے ہوئے آ گیا۔ صاحب جی آتے رہا کریں۔ آپ دونوں کی جوڑی ماشاءاللہ بڑی خوبصورت ہے۔ آپ دونوں کو دیکھ کر زندگی خوبصورت لگنے لگتی ہے۔

شکریہ چاچا۔ ہم آتے رہا کریں گے۔ فائق نے چاچا سے ہاتھ ملایا اور بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔

عائزہ اس کے پیچھے بیٹھ کر چاچا کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگی۔ چاچا نے بھی مسکرا کر ہاتھ ہلایا اور نظروں سے اوجھل ہونے تک ہاتھ ہلاتا رہا۔

راستے میں فائق نے شرارت سے اچانک بائیک کو بریک لگائے۔ تو عائزہ بری طرح اس کے ساتھ چمٹ گئی۔

کیا کر رہے ہو فائق۔

کچھ نہیں۔ بس تمہارا خوبصورت لمس محسوس کر رہا ہوں۔ تم بھی تو دور دور ہو کر بیٹھتی ہو۔ جب میرے ساتھ بائیک پر بیٹھتی ہو تو میری کمر کے گرد بازو حائل کر کے بالکل میرے ساتھ لگ کر بیٹھا کرو۔

جتنے معصوم تم نظر آتے ہو اتنے ہے نہیں۔ وہ زیر لب مسکرائی۔ عائزہ نے بازو اس کی کمر کے گرد حائل کر دیا اور بالکل اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی پھر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ اب ٹھیک ہے۔

ہاں اب ٹھیک ہے۔ وہ خمار آلود لہجے میں بولا۔

عشق نے نکما کر دیا ورنہ

آدمی ہم بھی کام کے تھے۔

وہ گنگنانے لگا تو عائزہ نے سرشاری سے آنکھیں موند لیں اور سر اس کے کندھے پر ٹکا دیا۔ وہ دل میں دعا کر رہی تھی کہ کاش یہ سفر کبھی ختم نہ ہو اور وہ یونہی فائق کے کندھے پر سر رکھے بیٹھی رہے۔ مگر وہ سفر بہت جلدی ختم ہو گیا۔

ان کے آگے ایک لوڈر ٹرک جا رہا تھا وہ ٹرک اچانک بریک لگا کر ان کے آگے سے اوور ٹیک کر کے گذرنے لگا۔ اسے شاید دوسری سائیڈ والی سڑک پر جانا تھا۔

اس کے اچانک آگے آ جانے سے فائق بری طرح گھبرا گیا اس نے بریک لگائے مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔ بائیک کی سپیڈ کم ہوتے ہوتے بھی اتنی زیادہ تھی کہ وہ ایک دھماکے کے ساتھ ٹرک سے ٹکرائی۔ فائق اچھل کر سڑک پر گرا جبکہ عائزہ اڑتی ہوئی دونوں سڑکوں کے درمیان بنی ہوئی دیوار سے جا ٹکرائی۔ اس کے دماغ پر شدید چوٹ آئی تھی۔ اس شدید دماغی چوٹ سے وہ موقع پر ہی دم توڑ گئی جبکہ فائق ہوش و حواس سے بے گانہ خون میں لت پت سڑک کے بیچوں بیچ پڑا تھا۔ ٹرک ڈرائیور نے سچویشن دیکھی تو وہ ٹرک چھوڑ کر فرار

ہو گیا۔

کوئی خدا ترس انسان گاڑی پر وہاں سے گذرا۔ اس کی گاڑی کی ہیڈ لائٹس فائق اور عائزہ پر پڑیں تو اس نے گاڑی روک لی۔ نیچے اتر کر ان دونوں کی نبض چیک کی۔ ساتھ اس کا جوان بیٹا بھی گاڑی میں موجود تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ لڑکی جان کی بازی ہار چکی ہے جبکہ لڑکے کی سانسیں ابھی تک مدہم مدہم چل رہی تھیں۔ انہوں نے فائق کی جیب سے موبائیل فون نکال کر اس کے گھر اطلاع دی پھر ان باپ بیٹے نے فون کر کے ہاسپٹل سے ایمبولینس منگوائی جو پندرہ منٹ میں پہنچ گئی۔ وہ فائق اور عائزہ کو لے کر سرکاری ہسپتال روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

فائق کی فیملی کے لئے اس حادثے کی اطلاع بہت روح فرسا تھی۔

رزاقی صاحب اور ان کی بیگم اڑتے ہوئے ہاسپٹل پہنچے جہاں فائق زندگی اور موت کے درمیان جھول رہا تھا جبکہ عائزہ ابدی نیند سو رہی تھی۔ فائق بھی ہوش و حواس کی دنیا سے بہت دور تھا۔ اس کے منہ پر آکسیجن ماسک چڑھا ہوا تھا۔ اسے انتہائی نگہداشت میں رکھا گیا تھا۔ رزاقی صاحب اور فریحہ بیگم شیشے کے اس دروازے کے ساتھ چمٹے رو رہے تھے جس کے پار ان کا بیٹا زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا۔ دو تین ڈاکٹر اس کا چیک اپ کر رہے تھے۔ ساتھ ساتھ آپس میں کچھ تبصرہ بھی کر رہے تھے۔ ان کے ہونٹوں کی جنبش سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا مشکل تھا۔ ڈاکٹر کمرے سے باہر نکلے تو دونوں میاں بیوی ان کے پیچھے لپکے۔

ڈاکٹر ہمارا بیٹا بچ جائے گا نا۔ رزاقی نے پوچھا۔

اگر چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر ہوش میں آ گیا تو بچنے کے چانسز ہیں۔ ورنہ.....

ڈاکٹر تو یہ کہہ کر چلا گیا مگر ان دونوں کو سولی پر لٹکا گیا۔

فریحہ بیگم بلک بلک کر رونے لگیں۔ ان کو روتا دیکھ کر رزاقی صاحب بھی ہمت ہارنے لگے۔

فرحی چپ کر جاؤ۔ کچھ نہیں ہو گا ہمارے بیٹے کو۔

اگر میرے بیٹے کو کچھ ہو گیا تو میں زندہ نہ رہ سکوں گی۔

کچھ نہیں ہو گا۔ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ انشاءاللہ۔ پتہ نہیں وہ خود کو تسلی دے رہے تھے یا فریحہ کو۔

اسی وقت ان کے سیل فون کی بیل ہونے لگی۔ دوسری طرف دانیال صاحب بوکھلائے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

رزاقی صاحب مجھے ہانیہ نے فون پر اطلاع دی ہے کہ فائق اور عائزہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے کوئی خطرے والی بات تو نہیں۔

دانیال صاحب آپ جلدی سے ہاسپٹل آ جائیں۔ رزاقی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو دانیال صاحب ہسپتال کا نام پوچھنے لگے۔

نام پتا بتا کر انہوں نے فون بند کیا ہی تھا کہ ہانیہ کی کال آ گئی۔ ہاں ہانیہ۔

پاپا بھائی اور عائزہ کیسے ہیں۔ وہ رو رہی تھی۔

اچھے نہیں ہیں۔

پاپا آپ بتائیں کون سے ہاسپٹل میں ہیں ہم آ رہے ہیں۔

یہاں آ کر بھی کیا کر لوگی۔ گھر میں رہ کر دعا کرو۔

پاپا جی بی جان کی حالت بہت بری ہے۔ وہ فائق کو دیکھنے کے لئے تڑپ رہی ہیں۔

اچھا ان کو لے کر اشرف کے ساتھ آ جاؤ۔

☆☆☆

ہسپتال میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ جب مسٹر دانیال اور مسز دانیال کو پتہ چلا کہ ان کی جیتی جاگتی، ہنستی کھیلتی بیٹی اب لاش میں تبدیل ہو چکی ہے۔ ان دونوں میاں بیوی کی حالت بڑی قابل رحم تھی۔ وہ مارے صدمے کے پچھاڑیں کھا کھا کر بین کر رہے تھے۔ ان کی آہ و زاری سن سن کر بی جان، ہانیہ اور فریحہ و رزاقی سبھی بلند آواز میں رو رہے تھے۔ ان کو دیکھ کر وہاں کافی لوگ اکٹھا ہو گئے تھے اور انہیں تسلیاں دے رہے تھے۔ ہسپتال کے عملے کا ایک وارڈ بوائے وہاں آیا۔ اس نے دانیال صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ سائن کر کے ڈیڈ باڈی لے جا سکتے ہیں۔

ڈیڈی باڈی کا سن کر وہ ایک مرتبہ پھر پچھاڑیں کھانے لگے۔ کس کی ڈیڈ باڈی۔ میری بیٹی کی باڈی کیسے ڈیڈ ہو سکتی ہے۔ وہ تو روتے ہوئے کو ہنسا دیتی تھی۔ اب کیسے ہم سب کو روتا ہوا دیکھ کر چپ ہے۔ اٹھاؤ اس، اسے بتاؤ اس کا پاپا کتنا دکھی ہے۔ میری بیٹی، میری جان ہے۔ جان چلی گئی تو میں کیسے زندہ رہ پاؤں گا۔ ان کی گریہ زاری سن کر ہر آنکھ اشک بار تھی۔ مگر موت کے سامنے کس کی چلی ہے جو ان کی چلتی۔ موت تو ہمیشہ سے بے رحم ہے۔ سفاک ہے۔ موت تو زندگی کی وہ تلخ حقیقت ہے جسے ہر کسی کو ماننا پڑتا ہے۔

☆☆☆

رزاقی صاحب کی تمام فیملی عائزہ کی لاش کے ساتھ ان کے گھر گئے۔ عائزہ کے پاپا کی حالت بہت بری تھی۔ رزاقی صاحب نے ان سے نمبر پوچھ پوچھ کر ان کے عزیز و اقارب کو عائزہ کی موت کی اطلاع دی۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ ابھی صبح ہونے میں چار گھنٹے باقی تھے۔ جنوری کی یہ ٹھٹھرتی ہوئی

رات ان پر بہت بھاری گذر رہی تھی۔ سب رو رہے تھے اور کبھی ایک دوسرے کو تسلیاں بھی دے رہے تھے۔ وقت تھا کہ گذرنے کا نام نہ لے رہا تھا۔ ہر کوئی غم و الم کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔

سچ کہتے ہیں۔ خوشیوں بھرا وقت کیسے گذر جاتا ہے پتہ بھی نہیں چلتا۔ جبکہ دکھ بھرے وقت کی ایک ایک گھڑی صدیوں پر محیط ہو جاتی ہے۔ ان غم زدہ لوگوں کے لئے بھی یہ رات بہت لمبی ہو گئی تھی۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے اس رات کی کبھی صبح نہیں ہونے والی بی جان رونے کے ساتھ ساتھ منہ میں کچھ پڑھ رہی تھیں۔ مسز دانیال گہرے صدمے سے نیم جاں سی لگ رہیں تھیں کبھی رونے لگتیں تو کبھی کرب سے آنکھیں موند لیتیں۔ دانیال صاحب کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو گئیں تھیں۔ آنکھوں کے پپوٹے سوج گئے تھے ان کے چہرے پر وحشت سی برس رہی تھی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے بعد وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے۔ کبھی اپنے بال نوچنے لگتے۔ تو کبھی عائزہ کے چہرے پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگتے۔ اس کو پکارتے میری بیٹی میں تمہیں کیسے مناؤں۔ پاپا کی جان، پاپا تمہارے بغیر زندہ نہ رہ سکے گا۔ میری زندگی، میری کل کائنات، میری دنیا تم سے ہے مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ پلیز مان جاؤ۔ دیکھو تم جو مانگو گی میں تمہیں لے کر دوں گا کیا چاہیے ایک بار پاپا کے کان میں بتا دو۔ اٹھ جاؤ میری گڑیا۔ اتنی ناراضگی اچھی نہیں ہوتی۔ ان کے بین سن سن کر سب پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ آخر خدا خدا کر کے سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ سات بجے تک مہمان آنا شروع ہو گئے۔ رزاقی نے دانیال صاحب سے جنازے کا ٹائم پوچھا۔ مگر وہ جواب دینے کی بجائے حیران نظروں سے ان کی طرف دیکھتے چلے گئے۔ پھر رزاقی صاحب نے ان کی بیگم سے کہا۔

بھابھی، بھائی صاحب کچھ بتانے کی حالت میں نہیں ہیں آپ ہی بتائیں جنازے کا کیا وقت رکھا جائے۔

بھائی صاحب دس بجے کا وقت رکھ لیں۔ عائزہ کی ماما نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس کے بعد رزاقی صاحب نے مہمانوں کے بیٹھنے کے لئے دریاں اور قالین وغیرہ منگوائے۔

نو بجے تک جیسمین ولا مہمانوں سے کھچا کھچ بھر گیا تھا اس قیامت کی موت پر ماتم بھی قیامت جیسا تھا۔ عائزہ کی پھوپھیاں اور خالائیں اس کا ماتھا چومتیں۔ وہ سب شدت غم سے تڑپ رہی تھیں۔ ان کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ عائزہ کو اٹھا کر بٹھا دیں۔ سوا نو بجے میت کو غسل کے لئے لے جایا گیا۔

اور پھر ٹھیک دس بجے عائزہ کفن پہنے، پھولوں کا زیور پہنے رخصتی کے لئے بالکل تیار تھی۔ اس کے خوبصورت چہرے پر بلا کا نور برس رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سکون کی چادر اوڑھے میٹھی نیند سو رہی ہو۔ مرد حضرات جنازہ اٹھانے کے لئے آگے بڑھے تو عورتیں دھاڑیں مار کر میت سے لپٹ گئیں۔ رزاقی صاحب بھی سر پر رومال باندھے میت اٹھانے والوں میں شامل تھے۔ وہ چارپائی اٹھانے کے لئے جھکے تو دانیال

بولے یار میری بیٹی نے تو رخصت ہو کر تمہارے گھر جانا تھا تم اسے کون سے گھر میں لے کر جا رہے ہو۔

رزاقی صاحب کا یہ سن کر ضبط ٹوٹ گیا۔ وہ بھی بلند آواز میں رونے لگے۔ کلمہ شہادت کی آواز بلند ہوئی۔ پھر عائزہ چار کندھوں پر سوار ہو کر ڈولی کی بجائے چارپائی پر پیا کے گھر کی بجائے قبرستان کو سدھاری۔

جنازہ اٹھانے سے پہلے رزاقی صاحب نے فون کر کے کھانا آرڈر کر دیا تھا۔ پھر رزاقی صاحب نے بشیر بابا اور اشرف کی ڈیوٹی لگا دی کہ جیسے ہی کھانا آئے مہمانوں کو کھانا کھلانا شروع کر دیا جائے۔

تدفین سے فارغ ہو کر تمام مہمانوں کو کھانا کھلا کر اب رزاقی صاحب اور ان کی فیملی نے بیگم دانیال سے جانے کی اجازت چاہی کیونکہ دانیال صاحب اس وقت نیند کے انجکشن کے زیر اثر سو رہے تھے۔ بیگم فریحہ اور بی جان نے بیگم دانیال کو تسلی تشفی دی اور فائق کی حالت کے پیش نظر جانے کی اجازت مانگی۔

آپ لوگ جائیں۔ جا کر فائق کو دیکھیں۔ ہمارے ساتھ تو جو ہونا تھا ہو چکا۔ تقدیر کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے۔ وہ چاروں اب گاڑی میں بیٹھے ہاسپٹل کی طرف رواں دواں تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں فائق کے دوست ہمہ وقت اس کے پاس رہے تھے۔ پوری رات اور پورا دن رزاقی صاحب وقتاً فوقتاً فون کر کے فائق کی کنڈیشن کے متعلق پوچھتے رہے تھے مگر ابھی تک کوئی بہتری نہیں ہوئی تھی۔ وہ ویسے ہی بے حس و حرکت پڑا تھا۔ زندگی اور موت کے درمیان رسہ کشی جاری تھی۔ جیت کس کی ہونی تھی یہ کوئی نہ جانتا تھا۔

☆☆☆

وہ ہاسپٹل پہنچے تو فائق بدستور آئی سی یو میں تھا اور اب ڈاکٹر بھی اس کے متعلق زیادہ پر امید نظر نہ آ رہے تھے۔ ہر گذرتے لمحے کے ساتھ ساتھ ان کی مایوسی میں اضافہ ہو رہا تھا اور پھر اس وقت امید کی کرن چمکی جب سارے مایوسی کے اندھیرے میں بھٹک رہے تھے جب ڈاکٹر نے باہر آ کر بتایا کہ مریض کو ہوش آ رہا ہے۔ اس نے ایک دو دفعہ آنکھیں جھپکائیں ہیں مگر پھر غنودگی میں چلا جاتا ہے امید ہے صبح تک مکمل ہوش آ جائے گا۔ ڈاکٹر نے یہ خوشخبری سنائی تو گویا مردوں میں جان پڑ گئی۔ بی جان جو مصلے بچھائے گڑگڑا کر خدا سے پوتے کی زندگی مانگ رہیں تھیں اب پھر سے سجدے میں گر کر شکریہ ادا کر رہی تھیں۔ اپنے پیارے معبود کا جو ہر شے پر قادر ہے۔ وہ جو چلتے دریاؤں کا رخ موڑ سکتا ہے اس کے ہاں تو کچھ بھی ناممکن نہیں۔ ہانیہ اور بیگم فریحہ بھی ایک دوسرے کے ساتھ لپٹیں خوشی سے رو رہی تھیں۔ مسٹر رزاقی بھی ہاتھ جوڑے اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ مر مر کر جینا کسے کہتے ہیں وہ آج سمجھے تھے۔ رات دس بجے تک ڈاکٹر فائق کی کنڈیشن سے خاصے مطمئن نظر آ رہے تھے۔ دل کی دھڑکن بھی اب معمول کے مطابق دھڑک رہی تھی۔ فائق کا ایک دوست ندیم ان کی طرف آیا۔

انکل آپ لوگ گھر جا کر آرام کریں ہم لوگ یہاں فائق کے پاس ہیں نا آپ بالکل بے فکر ہو کر جائیں۔

ہاں صاحب جی آپ لوگ جائیں اب فکر کرنے والی کوئی بات نہیں۔ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں صبح تک ہوش آ جائے گا انشاء اللہ اشرف نے بھی ڈھارس دی اور فائق کے پاس رہنے کی آفر بھی کی تو وہ لوگ گھر جانے کے لئے تیار ہو گئے۔

گھر پہنچ کر وہ اپنے اپنے بستر پر گرے تو مارے تھکاوٹ کے سب کا برا حال تھا۔ گرتے ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گئے۔

☆☆☆

رات کو نیند پوری ہوئی تو دوسرے دن سبھی اپنے آپ کو فریش محسوس کر رہے تھے۔ بیگم فریحہ نے اٹھ کر ناشتہ تیار کروایا۔

سب نے خاموشی سے ناشتہ کیا اور ہاسپٹل جانے کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہاں واقعی خوشخبری ان کی منتظر تھی۔ فائق کو ہوش آ گیا تھا اور وہ انہیں دیکھ کر فوراً پہچان بھی گیا تھا مگر ابھی بولنے میں بہت نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ بی جان نے فائق کا ماتھا چوما اور اسے بولنے سے منع کیا۔ پتر ابھی بولنے کی کوشش نہ کر تکلیف ہو گی دماغ پر زور پڑے گا۔

فائق کمزور سی آواز میں کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا ساتھ اشارے بھی کر رہا تھا۔ بیگم فریحہ نے سمجھنے کی بڑی کوشش کی مگر ان کے پلے کچھ نہ پڑا تو انہوں نے ہانیہ سے کہا تو کوشش کر سمجھنے کی۔ فائق کیا کہنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہانیہ نے بھائی کے چہرے پر جھکتے ہوئے پوچھا۔

بھائی آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ پھر اس نے اپنا کان فائق کے ہونٹوں سے لگایا تو ہانیہ کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ وہ سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی اس کے چہرے سے بے پناہ کرب جھلک رہا تھا۔ بیگم فریحہ سب کچھ سمجھ کر بھی پوچھنے لگیں۔

کیا کہہ رہا ہے۔؟

بھائی پوچھ رہا ہے کہ عائزہ کیسی ہے ہانیہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

ابھی اس کو حقیقت کے متعلق معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ فریحہ نے سرگوشی کی۔

فائق بیٹا۔ عائزہ بالکل ٹھیک ہے اس کو معمولی چوٹ آئی تھی۔ وہ ڈسچارج ہو کر گھر چلی گئی ہے۔ بیگم فریحہ نے فائق کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا تو وہ مطمئن ہو گیا۔ اتنے میں ڈاکٹر آ گیا۔

مسکراتے ہوئے بولا۔ رزاقی صاحب آپ کو بیٹے کی زندگی مبارک ہو مگر ابھی آپ لوگ اسے زیادہ ڈسٹرب نہ کریں۔ آپ تو جانتے ہیں شدید دماغی چوٹ نے زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا کر دیا تھا۔ زیادہ بولنے سے ان کے ذہن پر دباؤ پڑے گا۔

ابھی تھوڑی دیر بعد ان کو آپریشن تھیٹر میں لے جایا جائے گا۔ جہاں ان کی ٹانگ کی ہڈی جوڑی جائے گی۔ ایک بازو میں بھی فریکچر ہو گیا ہے۔ اس کو جوڑ کر اس کی بینڈیج بھی کر دی جائے گی۔ آپ لوگ جا کر کمرہ بک کروائیں۔ مریض کو آپریشن کے بعد سیدھا کمرے میں لایا جائے گا۔

ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب رزاقی صاحب ڈاکٹر کی خوش اخلاقی سے بہت متاثر ہوئے۔

انہوں نے ہاسپٹل کے وی آئی پی کمروں میں سے ایک کمرہ بک کروایا جہاں ہر آسائش موجود تھی۔

وہ سب اب کمرے میں بیٹھے فائق کا انتظار کر رہے تھے۔ دو گھنٹے بعد اسٹریچر پر فائق کو لایا گیا اس کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا اور وہ پھر سے بے ہوش پڑا تھا۔

میل نرسوں نے اسے اسٹریچر سے اٹھا کر بیڈ پر لٹایا اور رزاقی صاحب سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

ان کو بے ہوش کر کے ان کی ہڈیوں کو جوڑا گیا ہے اب تھوڑی دیر لگے گی ہوش میں آنے کے لئے ان کو مکمل آرام کرنے دیں۔

رزاقی صاحب بیٹے کے پاس کھڑے چپ چاپ اس کے زرد چہرے کو دیکھ رہے تھے اور من میں سوچ رہے تھے۔ میرے پیارے بیٹے تو کب صحت یاب ہو کر میرے سینے سے لگے گا اور پاپا کہہ کر پکارے گا۔ بیگم فریحہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ اپنی نم آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے پونچھنے لگے۔

حوصلہ کریں اگر آپ حوصلہ ہار گئے تو ہمارا کیا بنے گا ویسے بھی اب ہمارا بیٹا خطرے سے باہر ہے۔

اور پھر واقعی فائق خطرے کی حدود سے باہر نکلتا چلا گیا۔

ہر گذرتے دن کے ساتھ وہ تیزی سے روبہ صحت ہونے لگا اور ہر گذرتے لمحے کے ساتھ ساتھ عائزہ کو دیکھنے کی ضد بھی زور پکڑنے لگی۔ سبھی ٹال مٹول کرتے کرتے اور اسے تاویلیں دیتے دیتے تھک گئے تھے۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس جھوٹ کو کیسے چھپایا جائے۔

اس دن بھی وہ بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ بی جان اس کے پاس بیٹھی چمچ سے دلیا کھلا رہیں تھیں جبکہ ہانیہ اور بیگم فریحہ صوفے پر بیٹھیں اس کی باتوں کے جواب صرف ہوں یا ہاں میں دے رہی تھیں کیونکہ اس کی زیادہ باتوں کا تعلق عائزہ سے جڑا تھا۔

بس دادو اب اور نہیں اس نے ہاتھ سے بی جان کو روک دیا۔

ارے بیٹا بس دو چمچ ہی تو رہ گئے ہیں جلدی سے کھا لے میرے چاند۔ بی جان نے بچوں کی طرح پچکارا تو وہ مسکرانے لگا۔

بی جان اب میں بڑا ہو چکا ہوں اس نے گویا بی جان کو یاد کروایا۔

تو جتنا بھی بڑا ہو جائے میرے لئے بچہ ہی رہے گا۔ بی جان پیار سے دلیں اور دلیے والا برتن بیڈ کی سائیڈ پر رکھ دیا۔

ماما آج پاپا نہیں آئے۔ فائق کو جیسے اچانک یاد آیا۔ ہاں بیٹا۔ وہ آپ سے ایک ہفتے سے فیکٹری نہیں گئے تھے آج گئے ہیں کہہ رہے تھے کام کا کافی حرج ہو چکا ہے۔ عرفان صاحب زندہ ہوتے تو کسی بات کی ٹینشن نہ ہوتی۔ ماما ایک بات کی سمجھ نہیں آتی۔ آپ سب کہتے ہیں کہ عائزہ ٹھیک ہو کر گھر جا چکی ہے۔ تو پھر وہ یا اس کی فیملی سے کوئی بھی مجھے دیکھنے ہاسپٹل کیوں نہیں آیا۔ عائزہ نے تو فون تک نہیں کیا اس کی بے رخی سمجھ سے باہر ہے۔

جب گھر جاؤ گے اس سے ملو گے تب پوچھ لینا۔ بیگم فریحہ اسے بہلانے کی ناکام کوشش کر رہیں تھیں۔ وہ جوں جوں اسے بہلاتیں وہ توں توں مچلتا۔ وہ باتیں کر رہے تھے کہ دروازہ کھلا سبھی اس طرف دیکھنے لگے۔ دانیال صاحب اور ان کی بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔ بیگم فریحہ کو اپنی ساری محنت رائگاں ہوتی نظر آئی۔ ان دونوں میاں بیوی کے چہرے ستے ہوئے تھے ان چند دنوں میں دونوں مرجھا کر رہ گئے تھے۔ ان کے پیچھے ان کا ڈرائیور تھا جس نے ہاتھ میں فروٹ کے بھرے ہوئے شاپر اٹھا رکھے تھے۔ ڈرائیور فروٹ رکھ کر چلا گیا تو بیگم دانیال نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پھولوں کا بوکے فائق کو دیتے ہوئے اس کے سر پر پیار کیا۔

کیسے ہو بیٹا۔ انہوں نے ملائمت سے پوچھا۔

بالکل ٹھیک ٹھاک ان ڈاکٹر لوگوں نے زبردستی باندھ رکھا ہے۔ وہ بات تو ان سے کر رہا تھا مگر اس کی متلاشی نگاہیں دروازے پر جمی تھیں جیسے اسے کسی کے آنے کا انتظار ہو۔

دانیال صاحب نے بھی فائق سے ہاتھ ملایا اور خیریت دریافت کی۔

جب دونوں میاں بیوی صوفوں پر بیٹھ گئے تو فائق کا صبر ختم ہو گیا۔

آنٹی عائزہ کیوں نہیں آئی۔

اس کے سوال پر دونوں میاں بیوی کے چہروں پر ایک سایہ سا لہرایا۔ بیگم دانیال بے اختیار فائق کی طرف دیکھنے لگیں پھر اس کی متجسس نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے بیگم فریحہ کی جانب دیکھنے لگیں۔

بیگم فریحہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ان سے سچ نہ بتانے کی التجا کی۔

فائق یہ ساری صورت حال بغور دیکھ رہا تھا اسے اچانک کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔

عائزہ کی ماما نے فوراً بات بنائی۔

بیٹا عائزہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی ورنہ وہ ضرور آتی ویسے بھی اسے ہاسپٹل جانے سے الرجی ہے وہ کہتی ہے۔ دوائیوں کی سمیل اس کے دماغ کو چڑھ جاتی ہے۔ یہ کہتے کہتے بیگم دانیال کی آنکھیں چھلک اٹھیں جنہیں چھپانے کے لئے وہ ایکسکیوزمی کہتے ہوئے واش روم میں چلی گئیں۔ دانیال صاحب بھی بڑی مشکل سے ضبط کئے بیٹھے تھے۔

دس منٹ بعد بیگم دانیال واش روم سے باہر آئیں تو ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

ماحول ایک دم بوجھل سا ہو گیا۔ فضا پر سوگواری چھا گئی۔ سب خاموش بیٹھے اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ فائق بھی گہری سوچ میں غرق تھا۔ شک تو مجھے شروع دن سے ہو گیا تھا کہ مجھ سے کچھ چھپایا جا رہا ہے مگر آج تو یقین ہو گیا ہے۔ کیا عائزہ فزیکلی طور پر ان فٹ ہے۔ کیا وہ معذور ہو گئی ہے ہو سکتا ہے اس کی ٹانگ وغیرہ کٹ گئی اور اس لئے میرا سامنا کرنے سے کترا رہی ہے اور یہ سب لوگ مجھے صدمے سے بچانے کے لئے جھوٹ پر جھوٹ بولے چلے جا رہے ہیں۔ شاید یہ سب میری محبت کی گہرائی کو ناپ ہی نہیں پائے۔ وہ اس وقت چونکا جب عائزہ کی ماما جانے کی اجازت مانگ رہی تھیں۔ وہ دونوں میاں بیوی چلے گئے تو فائق گہری نظروں سے ماں کی طرف دیکھنے لگا۔ بیگم فریحہ اس کی اس طرح دیکھنے پر بوکھلا گئیں۔ ہانیہ میں باہر سے چکر لگا کر آتی ہوں ان کے باہر جانے کے بعد فائق نے بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ جو بھی ہے ایک دو دن میں کھل کر سامنے آ جائے گا وہ سوچنے لگا۔

☆☆☆

آج فائق بڑا خوش دکھائی دے رہا تھا کیونکہ آج ڈاکٹر نے اسے گھر جانے کی خوشخبری سنائی تھی اس کی ٹانگ اور بازو پر ابھی پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ وہ اس نے ایک ہفتے بعد آ کر کٹوانا تھا۔ سر میں اٹھتی ٹیسیں اب بالکل ختم ہو گئیں تھیں۔ رزاقی صاحب نے جا کر ہاسپٹل کا بھاری بھرکم بل بھرا اور اب وہ سامان باندھے تیار بیٹھے تھے۔ اشرف سامان اٹھا اٹھا کر گاڑی کی ڈگی میں رکھ رہا تھا۔ رزاقی صاحب ڈرائیونگ سیٹ پر جبکہ فائق ان کے برابر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ہانیہ اور بیگم فریحہ پیچھے بیٹھ گئیں۔ آج بی جان نہیں آئیں تھیں۔ وہ گھر پر رہ کر فائق کا انتظار کر رہیں تھیں۔ رزاقی صاحب نے اشرف کو کرایہ دیا اور کہا کہ رکشے سے گھر آ جانا۔

گھر کے دروازے پر پہنچ کر ہارن کی آواز سن کر بشیر بابا نے گیٹ کھولا تو ان کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ پورچ میں گاڑی آ کر رکی۔ فائق گاڑی سے اترا تو بشیر بابا بے اختیار فائق سے لپٹ گیا پھر اس نے

فائق کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

فائق بابا کیسے ہیں آپ۔

میں تو بالکل ہٹا کٹا ہوں آپ کے سامنے ہوں آپ سنائیں بشیر بابا۔ اب تو راتوں کو کھانسی تنگ نہیں کرتی۔ ارے بیٹا۔ اب اس عمر میں کھانسی نے تنگ نہیں کرنا تو کس نے کرنا ہے وہ ہنستے ہوئے بولے۔

وہ اندر لاؤنج میں پہنچے جہاں بی جان صوفے پر بیٹھیں تسبیح پر کچھ پڑھ رہی تھیں۔ فائق کو دیکھ کر ان کے چہرے پر رونق آ گئی۔ فائق کے قریب آ کر منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے اس پر پھونکیں مارنے لگیں پھر سب لاؤنج میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

ساجدہ چائے بنا لاؤ سب کے لئے۔ بیگم فریحہ نے آواز دی تو ساجدہ دوڑی دوڑی آئی۔ فائق کا حال احوال پوچھنے لگی۔ میں بالکل ٹھیک ہوں ساجدہ تم سناؤ اب تو تمہارے چھوٹے کو نظر نہیں لگتی۔ فائق کی بات سن کر سبھی زیر لب مسکرانے لگے۔

اکثر لگ جاتی ہے چھوٹے صاحب مگر میں بی جان سے دم کروا لیتی ہوں۔ بی جان کے دم میں بڑا اثر ہے۔ جی۔ اچھا اچھا۔ اب جلدی سے چائے بنا لاؤ اور ساتھ بسکٹ اور نمکو بھی لے آؤ۔

اچھا وہ کچن میں چلی گئی تو ہانیہ اور فائق ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔

چائے پینے کے بعد فائق نے اپنے کمرے میں جانا چاہا تو بیگم فریحہ نے سختی سے منع کر دیا۔

ڈاکٹروں نے تمہیں تین ماہ تک سیڑھیاں چڑھنے اور اترنے سے منع کیا ہے۔ تمہارے لئے میں نے مہمانوں والا کمرہ تیار کروا دیا ہے۔ تمہاری ہر چیز تمہیں اسی کمرے میں ملے گی۔ آج سے یہی تمہارا کمرہ ہے۔ اوکے تو پھر میں اپنے نئے کمرے میں جا رہا ہوں وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''فائق''

''جی ماما''

بیٹا تمہیں زیادہ سے زیادہ آرام کرنا ہے۔ فضول سوچوں سے خود کو بچانا ہے۔

جی ماما'' وہ کچھ سمجھا کچھ نہ سمجھا۔

وہ کمرے میں چلا گیا تو وہ سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

اب مزید عائزہ کی موت کو فائق سے نہیں چھپا سکتے۔

ہانیہ تم مناسب موقع دیکھ کر فائق کو حقیقت سے آگاہ کر دو۔

نو ماما۔ مجھ میں ہمت نہیں اسے بتانے کی۔ بتانا تو پڑے گا ایک دن تو اسے حقیقت کا سامنا کرنا

پڑے گا۔ رزاقی صاحب نے بھی تائید کی۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ فائق نے ہانیہ کو آواز دی جاؤ جا کر بات سنو اس کی۔ اور اگر کوئی سوال کرے تو جواب میں صرف سچ بولنا۔ بیگم فریحہ دل پر پتھر رکھ کر بولیں۔ آنے والے وقت کا سوچ کر ان کا دل ہول رہا تھا۔ وہ جانتیں تھیں کہ عائزہ کی موت کی روح فرسا خبر فائق پر کیسی قیامت ڈھائے گی مگر وہ سب بے بس اور لاچار تھے۔ اب مزید اس کو جھوٹ سے بہلا نہیں سکتے تھے۔ ہانیہ آہستگی سے دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کھڑکی کے پاس کھڑا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

بھیا آپ نے بلایا تھا۔

وہ چونکا۔ ہاں بیٹھو۔ مجھے تم سے کچھ باتیں پوچھنی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم ان کا ٹھیک ٹھیک جواب دو گی۔

پوچھیں" ہانیہ کی آواز لرز رہی تھی۔

فائق بالکل اس کے سامنے آ بیٹھا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا گڑیا مجھے بالکل سچ سچ بتاؤ۔ عائزہ کیسی ہے۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ مجھ سے کوئی بات چھپائی جا رہی ہے۔ فائق کی بات سن کر ہانیہ پریشان ہو گئی۔ سچ بتانے کے لئے نہ تو اس کے پاس الفاظ تھے اور نہ حوصلہ۔ وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگی۔ فائق بغور اس کو دیکھ رہا تھا۔

دیکھو۔ مجھے یقین ہے کہ اس حادثے کے نتیجے میں اس کے ساتھ کوئی بڑی ٹریجڈی ہو گئی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے جسم کا کوئی حصہ کھو چکی ہو۔ مجھے تمہاری زبان سے صرف سچ سننا ہے۔ پلیز بتاؤ مجھے۔

کیا تم سچ سن سکو گے۔

بالکل سن سکوں گا۔ نہ صرف سنوں گا بلکہ ہمت سے برداشت کروں گا کیا تمہیں اپنے بھائی پر یقین نہیں۔

تو پھر سنو بھائی۔ ہانیہ دل کڑا کر کے بولی۔ عائزہ اب اس دنیا میں نہیں رہی۔ وہ ہم سب کو چھوڑ کر چلی گئی ہمیشہ کے لئے یہ کہتے ہوئے ہانیہ رونے لگی۔

یہ سن کر فائق جیسے پتھر کا ہو گیا اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے یہی سب سنا ہے۔

کیا کہہ رہی تم۔ اسے اپنی آواز اجنبی لگی۔ کہہ دو کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ وہ سرگوشی میں بولا پھر یکدم چلا کر بولا کہہ دو یہ سب جھوٹ ہے۔"

فائق دیوانہ وار چلانے لگا تو ہانیہ ڈر کے باہر بھاگی۔ بی جان، بیگم فریحہ اور رزاقی صاحب پہلے

سے متوقع صورت حال کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ وہ بھی فائق کے کمرے کی طرف دوڑے وہ سب اندر داخل ہوئے تو فائق گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہا تھا۔ وہ قالین پر دوزانو بیٹھا اپنے بال نوچ رہا تھا۔

رزاقی صاحب نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پکڑے۔ بیگم فریحہ اور بی جان بھی اس سے لپٹ کر رونے لگیں۔ ہانیہ ایک طرف کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کا جان سے پیارا بھائی زندگی کے بہت بڑے صدمے سے دوچار تھا۔ اس کے پیارے اس کے لئے رو رہے تھے۔ اس کی تکلیف کو محسوس کر رہے تھے مگر اس کے دکھ کو بانٹ نہیں سکتے تھے۔ اذیت کا یہ پہاڑ اس اکیلے نے سر کرنا تھا۔ وہ کافی دیر تک اونچی آواز میں روتا رہا۔ اب اس کے رونے میں وہ شدت نہ رہی تھی۔ رونا پہلے سسکیوں اور پھر ہچکیوں میں بدل گیا۔ سب اس کے آس پاس بیٹھے اسے چپ کروا رہے تھے۔ ہانیہ دودھ کا گلاس لے کر آؤ بھائی کے لئے۔ فریحہ نے حکم دیا۔

جی ماما کہتی ہوئی وہ چلی گئی تو بیگم فریحہ نے فائق کی دوائیاں نکالیں جو اس نے سونے سے پہلے کھانی تھیں۔ ان میں نیند کی گولی بھی شامل تھی۔ ہانیہ دودھ لے کر آئی تو فریحہ نے فائق کو زبردستی دودھ کے ساتھ دوائی کھلائی پھر اسے بیڈ پر لٹا کر کمبل اوڑھا دیا۔

بیٹا غم اور خوشی دونوں زندگی کا حصہ ہیں ان سے فرار ممکن نہیں۔ تمہیں جینا ہے، خوش رہنا ہے ہمارے لئے سن رہے ہو نا۔ بیگم فریحہ نے شفقت سے پوچھا۔

فائق نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر چند لمحوں بعد آنکھیں موند لیں اس کو سوتا دیکھ کر سب کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

دوسرے دن فائق نیند کی گولیوں کے زیر اثر دن چڑھے تک سوتا رہا۔ بیگم فریحہ اور بی جان دو تین مرتبہ اس کے کمرے میں جھانک چکیں تھیں۔

فائق کی آنکھ کھلی تو اس کی نظر سیدھی چھت پر جا ٹھہری۔ یہ آج ہاسپٹل کمرا اتنا خوبصورت کیسے ہو گیا وہ سوچتے ہوئے اٹھ بیٹھا پھر اطراف میں دیکھ کر اسے یاد آیا کہ وہ اپنے گھر رات گذار چکا ہے پھر اسے گذری ہوئی رات کی ہر بات یاد آنے لگی۔

کس طرح وہ خوش خوش گھر آیا تھا۔ عائزہ سے ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے کیسے کیسے پروگرام بنا رکھے تھے۔ کس طرح ہانیہ نے اسے عائزہ کی موت کی خبر سنائی تھی۔ کیسے وہ دھاڑیں مار کر رو رہا تھا۔ وہ ساری باتیں اسے ایک خواب کی مانند یاد آنے لگیں۔ جوں جوں سوچتا گیا اس کی آنکھیں چھلکتی گئیں۔ کاش

کہ یہ سب ایک ڈراؤنا خواب ہی ہوتا۔ میرے جاگنے کے ساتھ ہی یہ خواب ٹوٹ جاتا اور میرے اردگرد خوشیوں کا ہجوم ہوتا اور میں پھر سے اس ہجوم میں کھو جاتا۔ وہ جب سے پیدا ہوا تھا۔ ہمیشہ خوشیوں اور بے فکری کے جھولے میں جھولا تھا۔ غم اور دکھ کیسے ہوتے ہیں۔ وہ قطعی لاعلم تھا۔ صدمہ ملا بھی تو ایسا کہ اس صدمے کی آگ میں اس کی روح تک جھلس گئی۔ وہ خود کو اس کربناک حقیقت کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہیں کر پا رہا تھا۔

میں نے تو عائزہ کے بغیر زندہ رہنے کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ میری زندگی تھی، میری جان تھی، میری روح تھی۔ شاید میں اس کے بغیر جی نہ سکوں۔ یقیناً میں اس کے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گا۔ وہ سوچتا گیا اور روتا گیا۔

پھر وہ باقاعدہ ہچکیوں کے ساتھ گھٹنوں میں منہ دے کر رونے لگا۔ اچانک اس کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا تو وہ سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔

اس کی دھندلائی ہوئی آنکھوں کے سامنے اس کا خالہ زاد فرحان کھڑا تھا۔ وہ غمزدہ چہرہ لئے اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

حوصلہ کر میرے یار۔ وہی ہوتا ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے میں جانتا ہوں یہ رسمی کلمات ہیں ہر فوتگی پر یہی جملے کہے جاتے ہیں مگر میرے بھائی ان کلمات سے ہی مرنے والے کے لواحقین صبر پاتے ہیں۔ یہی کلمات کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہیں۔ یہی کلمات دکھی دلوں کو ڈھارس دیتے ہیں۔ اٹھو ہاتھ منہ دھو لو باہر امی، ابو اور رمشا تمہیں یاد کر رہے ہیں۔ تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اٹھو۔ اس نے فائق کو بازو سے پکڑ کر بستر سے نکالا۔ میں باہر جا رہا ہوں فریش ہو کر جلدی سے آ جاؤ فائق ہاتھ منہ دھو کر آئینے کے سامنے کھڑا کنگھی کر رہا تھا اس نے اپنے عکس کو غور سے دیکھا۔

کیا یہ وہی فائق احمد رزاقی ہے۔ جو بیس بائیس دن پہلے لاابالی اور کھلنڈرا سا نوجوان ہوا کرتا تھا۔ بات بے بات قہقہے لگانا ہر بات کو مذاق میں اڑانا اس کا شیوہ تھا۔ سیریس ہونا تو اسے آتا ہی نہ تھا۔ ان بیس دنوں میں کیا سے کیا ہو گیا۔ زندگی روٹھ گئی زندگی سے جڑی ہر خوشی روٹھ گئی۔ وہ اپنی ویران آنکھیں اور اجاڑ شکل دیکھنے لگا جس پر بیس دنوں کی بڑھی ہوئی شیو اب داڑھی کی شکل اختیار کر گئی تھی۔

فائق احمد رزاقی کہاں گیا تمہارا وہ خوبصورت چہرہ جس پر خون لالی کی شکل میں جھلکتا تھا جس کی آنکھوں میں شرارت ناچتی تھی جس کے ہونٹوں پر ہنسی تھرکتی تھی۔

فائق'' باہر سے ماما کے پکارنے کی آواز آئی تو وہ خیالات کی دنیا سے باہر آیا۔ کنگھی رکھی اور

بیساکھی کے سہارے باہر آ گیا۔ اس کی بائیں ٹانگ اور بایاں بازو ابھی تک پلاسٹر میں جکڑے تھے۔

باہر آیا تو آنٹی شگفتہ اور ان کی فیملی لاؤنج میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اسے دیکھ کر آنٹی شگفتہ اس کی طرف بڑھیں اور اس کے سینے سے لگ کر رونے لگیں وہ چپ چاپ بت بنا کھڑا رہا وہ پیچھے ہٹیں تو وہ جا کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

کیسے ہو اب فائق بیٹا۔ اس کے خالو پوچھنے لگے۔

ٹھیک ہوں انکل وہ مختصر جواب دے کر پھر سے خاموش ہو گیا۔ پھر رمشا نے خیریت پوچھی:

اس نے اثبات میں سر ہلا کر جواب دیا۔

میں اور تمہاری آنٹی ہاسپٹل آئے تھے۔ حادثے کا سن کر اس وقت تم بے ہوش پڑے تھے۔ چھٹی نہیں ملی تھی لہٰذا دوسرے دن ہی واپس چلے گئے تھے۔ آج بھی ہفتے کی چھٹی لے کر آئے ہیں صبح اتوار ہے کل پچھلے پہر روانہ ہو جائیں گے۔

فائق خاموشی سے سنتا رہا۔ اس نے نہ تو ہمیشہ کی طرح ان سے مزید رہنے کی ضد کی اور نہ کسی اور بات میں دلچسپی ظاہر کی۔ وہ چپ بیٹھا سر جھکائے اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔

ماحول کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہو رہا تھا۔ سب فائق کو دیکھ کر دکھی ہو رہے تھے۔ اچانک رزاقی صاحب نے ماحول کی گھمبیرتا کم کرنے کے لئے کہا۔ بیگم جلدی سے ناشتہ لگواؤ۔ بھوک سے دم نکلا جا رہا ہے مہمان بھی بغیر ناشتے کے گھر سے نکلے ہیں۔ ہمارا نہیں تو کچھ ان کا ہی خیال کر لو۔

آج فائق کی پسند کا ناشتہ بنا ہے۔ آلو کے پراٹھے ہے نا فائق بی جان نے دلاسے پوچھا تو فائق خالی خالی نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگا جیسے نظروں سے کہہ رہا ہو کہ میرے لئے اب پسند یا ناپسند کوئی معنی نہیں رکھتے بی جان اس کی آنکھوں کا خالی پن دیکھ کر کٹ سی گئیں۔ اپنی آنکھوں کی نمی چھپانے کے لئے کچن کی طرف چل دیں۔ میں ساجدہ سے کہتی ہوں جلدی جلدی پراٹھے تیار کرے۔ ناشتہ سب نے خاموشی سے کیا۔ بی جان کے انتہائی اصرار کے باوجود فائق آدھے پراٹھے سے زیادہ نہ کھا سکا۔ یہی پراٹھے وہ عام دنوں میں دو یا تین بھی کھا لیتا۔ ناشتے کے بعد وہ بیساکھی پکڑے اٹھ کھڑا ہوا۔ بیٹا چائے تو پی لو۔ نہیں ماما! مجھے طلب نہیں ہے۔

کہاں جا رہے ہو چلو باہر لان میں بیٹھ کر دھوپ سینکتے ہیں فرحان نے کہا۔

نہیں میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں میری طبعیت ٹھیک نہیں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ وہ چلا گیا تو سب پھر سے افسردہ ہو گئے۔

سمجھ میں نہیں آتا اسے نارمل لائف کی طرف کیسے لاؤں ۔ بیگم فریحہ فکرمندی سے بولیں۔

وقت ہر زخم کا مرہم ہوتا ہے اسے سنبھلنے کے لئے وقت درکار ہے اس کے لئے یہ صدمہ بالکل نیا ہے رزاقی صاحب بولے۔

یہ عمر بڑی جذباتی ہوتی ہے بچے اس عمر میں، خوشی ہو یا غم دونوں کو زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ شگفتہ نازنے بھی رائے دی۔

دو دن بعد مہمان رخصت ہو گئے ان دو دنوں میں فائق نے بہت کم ان لوگوں کا سامنا کیا۔ زیادہ تر کھانے کے وقت اپنی شکل دکھاتا۔ کھانا بھی برائے نام کھاتا اور پھر کمرے میں بند ہو جاتا ۔ فرحان نے بڑی کوشش کی اس کا دل بہلانے کی اس سے بات چیت کرنے کی مگر وہ اس کی چپ کا تالا نہ توڑ سکا۔ فرحان اس سے باتیں کرتا اور وہ چپ چاپ دیکھتا رہتا۔ کئی بار فرحان کو شک گذرتا کہ وہ اس کی باتیں سن ہی نہیں رہا بلکہ اس کا ذہن کہیں اور ہے کئی دفعہ وہ مایوس ہو کر بات ادھوری چھوڑ دیتا ۔ وہ تب بھی نہ پوچھتا کہ پھر کیا ہوا۔ ان کے چلے جانے کے بعد فائق نے بالکل خود کو کمرے میں بند کر لیا۔ اکثر اپنے کمرے کا دروازہ بھی لاک رکھتا۔ گھر میں ایک عجیب سے سناٹے کا راج تھا۔ مسٹر رزاقی صبح دفتر چلے جاتے ہانیہ کالج چلی جاتی بیگم فریحہ بھی کسی نہ کسی سوشل ایکٹیویٹی کے سلسلے میں باہر چلی جاتیں۔ ایسے میں بی جان پورے گھر میں بولائی بولائی پھرتیں۔ دن میں کئی دفعہ فائق کے دروازے کے ہینڈل کو گھماتیں۔ لاک لگا دیکھ کر واپس آ جاتیں۔ فائق کے بازو اور ٹانگ سے اب پلاسٹر اتر چکا تھا اور اب ساجدہ کا شوہر باقاعدگی سے دو ٹائم اس کی ٹانگ اور بازو کی مالش کرنے آتا۔

رات کو کھانے کی میز پر فائق سر جھکائے پلیٹ میں چمچ چلا رہا تھا رزاقی صاحب اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

فائق اب کیسے ہو انہوں نے پوچھا۔

وہ چونک کر پاپا کی طرف دیکھنے لگا ۔ ٹھیک ہوں پاپا۔

بیٹا اس حادثے کو گذرے دو ماہ ہو چکے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ تم اب بالکل صحت یاب ہو چکے ہو میں چاہتا ہوں تم پھر سے میرے ساتھ دفتر جانا شروع کر دو۔ اس طرح تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔ سارا سارا دن کمرے میں بند ہو کر اسے کبھی بھی بھلا نہ سکو گے۔

ویسے بھی بیٹا مرنے والے کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ یہی اصول فطرت ہے بیگم فریحہ نے بھی لقمہ دیا۔

آئی ایم سوری پاپا۔ ابھی مجھے سنبھلنے کے لئے وقت چاہیے ابھی میں کچھ بھی نہ کر سکوں گا۔

ٹھیک ہے بیٹا مگر اس سچویشن سے نکلنے کی کوشش کرو۔ ضرور کروں گا پاپا مگر ابھی نہیں۔

☆☆☆

مگر ہوا اس کے بالکل برعکس فائق نے عائزہ کو بھلانے کی کوشش ہی نہیں کی وہ اسے ہر لمحہ یاد کرتا۔ اس کے غم کو سینے سے لگائے رکھتا اور اس غم کی دل و جان سے حفاظت کرتا اور پھر اسے اس غم سے عشق ہو گیا۔ یہ غم اسے دنیا کی تمام خوشیوں سے پیارا لگنے لگا جو کوئی بھی اسے یہ غم بھلانے کی نصیحت کرتا وہ اسے اپنا دشمن نظر آتا۔ وہ عائزہ کی ہر یاد کو، ہر بات کو، ہر ادا کو سنیت سنیت کر رکھتا۔ اکیلے میں وہ اس کے تصور میں آتی اور وہ اس سے ڈھیروں باتیں کرتا۔ عائزہ کی یادیں اسے اپنی زندگی کی متاع لگتیں اس دن بھی وہ اکیلا بیٹھا یادوں میں کھویا ہوا تھا جب بی جان اس کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔ وہ خاموشی سے انہیں دیکھنے لگا ۔ وہ بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

بیٹا آخر کب تک سوگ مناؤ گے اللہ اور اس کے نبی ﷺ نے بھی تین دن سے زیادہ سوگ منانے کی اجازت نہیں دی۔

بی جان آپ تو کہا کرتیں تھیں کہ خدا کسی کو اس کی برداشت سے زیادہ نہیں آزماتا تو پھر مجھے میری برداشت سے زیادہ کیوں آزما رہا ہے اس نے بی جان کے آگے گویا شکوہ کیا۔

نہیں میرے بچے ایسا نہیں کہتے اللہ تو ستر ماؤں سے زیادہ شفیق ہے اس کی دی ہوئی ہر آزمائش کو خندہ پیشانی سے قبول کرنا چاہیے۔

فائق بی جان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ بی جان اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیرنے لگیں۔ اسے سکون ملنے لگا۔ اس نے آنکھیں موند کر بی جان کو پکارا۔

بی جان''

ہوں'' بی جان نے انگلیاں پھیرتے ہوئے ہنکارا بھرا۔

بی جان اللہ نے زندگی جیسی پیاری چیز بنا کر پھر موت کیوں بنائی۔

زندگی کی بقاء کے لئے موت کا وجود ناگزیر ہے میرے سوہنے رب کا ہر فیصلہ انسانوں کی بہتری کے لئے ہوتا ہے ویسے بھی سانس اور ساتھ ٹوٹنے کیلئے ہی بنے ہیں ۔ بی جان نے سادہ سے الفاظ میں زندگی کا سارا فلسفہ اس کے آگے رکھ دیا تو وہ حیرت سے آنکھیں کھول کر بی جان کے مہربان چہرے کو دیکھنے لگا۔

☆☆☆

بعض زخم وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مندمل ہو جاتے ہیں اور بعض زخم ناسور بن جاتے ہیں۔

جن سے ہر وقت گندا مواد رستا رہتا ہے فائق کے دل پر لگا زخم بھی اب ناسور بن گیا تھا جو اسے اندر ہی اندر مارے ڈال رہا تھا۔ اس زخم سے اٹھتیں ٹیسیں اسے اذیت سے بے حال کر دیتیں مگر اس اذیت اور تکلیف میں بھی وہ ایک انوکھی لذت محسوس کرتا۔

جیسے ہیروئین کا عادی جانتا ہے کہ ہیروئین کا نشہ اسے تباہی کی طرف لے جا رہا ہے اسے دیمک کی طرح اندر سے کھوکھلا کر رہا ہے مگر پھر بھی وہ ہیروئین کا نشہ کر کے ایک انوکھی لذت اور سرور کشید کرتا ہے بالکل ایسے ہی فائق جانتا تھا کہ یہ غم اسے گھن کی طرح چاٹ رہا ہے مگر پھر بھی وہ اس غم کو سینے سے لگائے بیٹھا تھا۔ نہ وقت پر کھاتا اور نہ سوتا۔ پہننے اوڑھنے کا اسے کوئی ہوش نہ تھا۔ دو دو ہفتے شیو نہ کرتا ے رزاقی صاحب زیادہ اصرار کرتے تو پھر مجبوراً شیو کر کے نہا لیتا ے ورنہ سر جھاڑ منہ پہاڑ بنائے پڑا رہتا رزاقی صاحب زبردستی ایک دن آفس لے گئے تو دوسرے دن اس نے آفس جانے سے صاف انکار کر دیا۔

پاپا پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ مجھ سے کچھ نہیں ہوتا۔ کیسے چھوڑ دوں تمہیں تمہارے حال پر۔ کیا تم نہیں جانتے تم میرے لئے کیا ہو۔ میری اربوں کی جائیداد کے اکلوتے وارث ہو۔ میری خوشیوں اور خواہشوں کا محور ہو کس بات کی سزا دے رہے ہو ہم سب کو۔ چھ ماہ ہو گئے ہیں اس لڑکی کو مرے ہوئے وہ تو مر چکی ہے ہمیں اس کے ساتھ کیوں زندہ درگور کر رہے ہوے رزاقی صاحب کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو گیا۔ آواز رندھ گئی اور وہ صوفے پر گر کر ہانپنے لگیے ہانیہ فوراً پاپا کے لئے پانی لے آئی بی جان اپنے بیٹے کی بے چارگی پر رونے لگیں۔ بیگم فریحہ اٹھ کر رزاقی صاحب کے پاس آ بیٹھیں۔

آپ اپنا بلڈ پریشر کیوں ہائی کر رہے ہیں۔ اس بے حس کے لئے۔ اس پر کچھ اثر ہونے والا نہیں۔ یہ اب ہمارا وہ فائق نہیں رہا جو ہماری ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتا تھا۔ بیگم فریحہ بھی رونے لگیں۔

فائق سر جھکائے مجرم بنا بیٹھا تھا۔ جانتا تھا ساری تکلیفیں اسی کی وجہ سے ہیں۔ وہ اپنے پیاروں کو روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ جو اس سے چاہ رہے تھے وہ بھی اس کے بس میں نہ تھا۔ وہ اتنا خود غرض کبھی نہ تھا مگر اب ہو گیا تھا۔ وہ اپنی ذات میں گم ہو کر بہت پر سکون تھا۔ بیرونی دنیا کے ہنگاموں سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا۔ دنیاداری میں اب کوئی دلچسپی اسے نظر نہ آتی تھی۔ کبھی اس کا دل چاہتا یہ محل اور شان و شوکت چھوڑ کر اپنے کپڑے پھاڑ کر کسی ویرانے میں جا نکلے۔ جہاں کوئی اسے تنگ نہ کرے۔ وہ ہو اور اس کی تنہائی ہو یا پھر اس کے ہمراہ عائزہ کی خوبصورت یادیں ہوں۔

وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ تو بی جان بولیں۔ پتہ نہیں ہمارے گھر کو کس کی نظر لگ گئی۔

وہ کمرے میں جا کر بیڈ پر گر کر رونے لگا۔

یا اللہ مجھے موت دے دے۔ میری زندگی صرف ایک بوجھ بن کر رہ گئی ہے۔ مجھ سے اب یہ بوجھ نہیں اٹھایا جاتا۔

میری وجہ سے میرے پیارے اتنے پریشان ہیں۔ مر جاؤں گا تو ایک دفعہ رو دھو کر صبر کر لیں گے۔

کافی دیر رونے کے بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گیا پھر موبائیل پر کھینچی ہوئی عائزہ کی تصویریں دیکھنے لگا۔ ہر تصویر میں وہ حسن کا لازوال شاہکار دکھائی دے رہی تھی۔

سب کہتے ہیں تمہیں بھول جاؤں۔ تمہیں بھول جاؤں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں سانس لینا تو بھول سکتا ہوں مگر تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ عائزہ کی تصویر کو چوم کر پھر سے لیٹ گیا۔

☆☆☆

اگلے دو ماہ میں فائق کی حالت مزید ابتر ہو گئی۔ اس نے سگریٹ پینے شروع کر دیئے۔ شروع میں تو سادہ سگریٹ چوری چھپے پیتا پھر آہستہ آہستہ بھری ہوئی سگریٹ پینے لگا۔ چرس سے بھری ہوئی سگریٹ اسے تھوڑی دیر کے لئے ہر دکھ درد سے بے گانہ کر دیتی۔ اس کا پورا وجود کیف و سرور میں جیسے ہوا کے دوش پر تیرنے لگتا۔ خود فراموشی کی کیفیت میں سارا سارا دن پڑا رہتا۔ اس کی یہ حالت زیادہ دیر تک رزاقی صاحب کی تجربہ کار نگاہوں سے چھپ نہ سکی اور بالآخر یہی ان کی موت کا سبب بھی بنی۔

اس رات رزاقی صاحب آفس سے آئے۔ فریش ہو کر کھانے کی میز پر بیٹھے تو فائق غیر حاضر تھا۔ وہ پہلے بھی اکثر غیر حاضر ہوتا تھا تو رزاقی صاحب خود جا کر اسے بلا لاتے یا پھر ہانیہ کو بھیجتے اس رات بھی وہ اسے لانے کے لئے اس کے کمرے کی طرف گئے۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اندر کمرے میں زیرو واٹ کا بلب جل رہا تھا۔ فائق بیڈ پر آڑھا ترچھا اسویا ہوا تھا۔ کمرے میں سگریٹ کی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ رزاقی صاحب بھنوئیں سکیڑ کر بو سونگھنے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ کیسی بو ہے۔ وہ خود سے بولے کیونکہ یہ صرف سگریٹ کیے دھویں کی بو نہ تھی۔ رزاقی صاحب اس بات سے لاعلم تھے کہ فائق نے سگریٹ نوشی شروع کر دی ہے۔ ہانیہ کی زبانی جب انہوں نے یہ خبر سنی تھی تو انہیں بہت دکھ ہوا تھا مگر اب کوئی اور ناگوار بو انہیں پریشان کر رہی تھی۔ انہیں کوئی شک گذرا اور وہ اس کے کمرے کی تلاشی لینے لگے اور آخر انہیں وہ مطلوبہ چیز بیڈ کے دراز میں پڑی مل گئی۔ وہ خاصی مقدار میں چرس تھی۔ چرس دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے۔ وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ان کا ہونہار بیٹا اب نشہ کرنے لگا ہے۔ ان کے سر پر تو گویا آسمان گر پڑا تھا۔ ان کو اپنا وجود بے جان سا محسوس ہو رہا تھا۔ انہوں نے فائق کے چہرے پر گہری نظر ڈالی اور تاسف سے سر ہلا کر باہر آ گئے۔ کیا ہوا آیا نہیں۔ بیگم فریحہ نے پوچھا۔

وہ سو رہا تھا میں نے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ اصل بات چھپا گئے۔

کھانا کھاتے ہوئے بیگم فریحہ نے رزاقی صاحب کا جائزہ لیا۔ آپ کھانا کیوں نہیں کھا رہے۔ پریشان دکھائی دے رہے ہیں کیا بات ہے۔

کچھ نہیں۔ آج بھوک نہیں ہے۔ دفتر میں پارٹی کے ساتھ کھانا کھا لیا تھا۔ میں اب آرام کرنا چاہوں گا۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ بی جان انہیں جاتا ہوا غور سے دیکھ رہیں تھیں۔ انکے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو آخری مرتبہ دیکھ رہی ہیں۔

ان کے جانے کے بعد ان تینوں سے بھی زیادہ کھانا نہ کھایا گیا۔ بس گذارہ کر کے باری باری اٹھنے لگیں۔ بیگم فریحہ کچن کے کاموں سے فارغ ہو کر کمرے کی طرف جانے لگیں تھیں کہ لاؤنج میں رکھا فون چنگاڑنے لگا۔ وہ وہیں صوفے پر بیٹھ کر فون سننے لگیں۔ دوسری طرف ان کی ہمشیرہ شگفتہ ناز تھیں۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک ان سے فون پر بات کرتی رہیں پھر اپنے کمرے میں آئیں۔ دیکھا کہ رزاقی صاحب کمبل اوڑھے گہری نیند سو رہے ہیں۔ ان کے چہرے پر بلا کا سکون تھا۔

اس نے آہستگی سے لائٹ بند کر دی تھی تا کہ ان کی نیند میں کوئی خلل نہ پڑے اور خود بھی اپنی سائیڈ پر آ کر لیٹ گئیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھی سو گئیں۔ رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ ان کی اچانک آنکھ کھل گئی، کمرے میں موت جیسی خاموشی تھی۔ وہ بے چین ہو کر اٹھ بیٹھیں۔ کچھ ایسا ہے جو ہٹ کر ہے۔ ان کی چھٹی حس انہیں کسی گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی۔ مگر وہ سمجھ نہیں پا رہیں تھیں۔ وہ سمجھ گئیں کہ کون سی بات غیر معمولی ہے۔ کمرے میں پھیلا ہوا سکوت غیر معمولی تھا کیونکہ مسٹر رزاقی سوتے ہوئے خراٹے لیتے تھے جو بیگم فریحہ کو بعض اوقات بہت ناگوار گذرتے تھے مگر آج ان کا خراٹے نہ لینا ان کو ڈرا رہا تھا۔ اس نے بازو سے شوہر کو ہلایا۔

"سنیئے۔"

ان کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی تو وہ فکر مند ہو کر اٹھیں انہوں نے لائٹ جلائی۔ دیکھا تو رات کے چار بج رہے تھے شوہر کے پاس آئیں تو وہ بدستور اسی پوزیشن میں سو رہے تھے۔

جس پوزیشن میں رات کو بیگم فریحہ نے دیکھا تھا۔

اس نے پھر انہیں جھنجھوڑا۔ اٹھیئے"

جب وہ ٹس سے مس نہ ہوئے تو بیگم فریحہ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھا جہاں زندگی کے کوئی آثار نظر نہ آئے ان کے دل کی دھڑکن جانے کب سے تھم چکی تھی۔ بیگم فریحہ چیختی چلاتی ہوئیں باہر کی جانب

بھاگیں۔ پورا گھر ان کی ہذیانی چیخوں سے لرزنے لگا۔ ان کی چیخ و پکار سن کر سبھی اپنے کمروں سے نکل کر ان کی طرف لپکے۔ وہ لاؤنج میں کھڑی چلا رہی تھیں۔

ماما کیا ہوا۔ فائق اور ہانیہ نے بیک آواز میں پوچھا۔ کسی بڑی گڑبڑ کا احساس ان کو ہو چکا تھا۔

تمہارے پاپا.....

کیا ہوا پاپا کو۔ وہ گھبرا گئے۔ بی جان نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھ لیا۔

تمہارے پاپا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ وہ بلند آواز میں روتی ہوئی بولیں تو بی جان وہیں صوفے پر گر گئیں۔ دونوں بہن بھائی باپ کے کمرے کی طرف بھاگے جا کر پاپا کو جھنجھوڑنے لگے۔

پاپا اٹھیں۔ پلیز اٹھ جائیں میں کل سے آپ کے ساتھ آفس جاؤں گا۔ آپ کی ہر بات مانوں گا۔ پلیز مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ فائق باپ سے لپٹا گڑگڑا رہا تھا۔ ہانیہ باپ کے پاؤں پکڑے رو رہی تھی۔ بیگم فریحہ باہر لاؤنج میں کھڑی رو رہی تھیں۔ انہوں نے بی جان کی حالت دیکھی تو بی جان سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ بی جان بھی سکتے سے باہر آ گئیں۔ وہ بھی بہو سے لپٹ کر گریہ زاری کرنے لگیں۔ دونوں میں لاکھ اختلاف سہی مگر یہ دکھ دونوں کا سانجھا تھا۔ دونوں کی دنیا اجڑ گئی تھی۔ یہ ہنگامہ سن کر باہر سے بشیر بابا، ساجدہ اور اس کا میاں بھی دوڑے ہوئے آئے۔

اپنے صاحب کی موت کا سن کر سارے ملازمین بھی رونے لگے۔ خاصی دیر رونے کے بعد بیگم فریحہ نے فائق سے کہا کہ تمام عزیز و اقارب کو فون کر کے اطلاع دے دو۔ پھر انہوں نے فائق کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ فائق ہمت سے کام لو اب انتظامات تمہیں ہی سنبھالنے ہیں۔ اس گھر کی اور کاروبار کی ہر ذمہ داری تمہارے کندھوں پر آ پڑی ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ پھر سے رونے لگیں۔ فائق بھی ان سے لپٹ کر رونے لگا۔

ماما میں بہت برا ہوں میں نے پاپا کو بہت دکھ دیئے ہیں۔ اب میں ویسا ہی کروں گا جیسا پاپا چاہتے تھے میں ہر ذمہ داری پوری کروں گا۔ ہانیہ بھی آ کر بھائی سے لپٹ گئی۔

صبح ہونے تک گھر مہمانوں سے بھر گیا۔ جنازے کا وقت ظہر کی نماز کے فوراً بعد کا رکھا گیا۔ فائق خود کو سنبھال چکا تھا۔ وہ ہر کام اپنی نگرانی میں کروا رہا تھا۔ فرحان کے ہوتے ہوئے اسے بڑی ڈھارس ملتی تھی۔ پھر جب وہ اپنے پیارے پاپا کو لحد میں اتار کر گھر آیا تو اس کی ہمت پھر سے جواب دینے لگی۔ یار فرحان سب مہمانوں کو اپنی نگرانی میں کھانا کھلاؤ کوئی بھی کھانا کھائے بغیر نہ جائے۔ میں ذرا اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔

تم کسی بات کی کوئی فکر نہ کرو۔ میں ہوں نا۔ مگر فائق اس وقت تمہارا باہر لان میں مہمانوں کے پاس بیٹھنا بہت ضروری ہے۔ لوگ افسوس کے لئے آ رہے ہیں۔ خالو جان کی کتنی جان پہچان تھی۔ سارا شہر آئے گا۔ تمہیں تین چار دن تک مہمانوں کے پاس بیٹھنا پڑے گا۔

اچھا.....وہ سوچتے ہوئے بولا۔ ٹھیک ہے تم کھانا کھلاؤ سب کو میں آدھا گھنٹہ بعد کمر سیدھی کر کے آتا ہوں۔

''اوکے۔''

☆☆☆

دوسرے دن شام تک سارے مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ ان میں عائزہ کے والدین بھی شامل تھے۔ اب صرف شگفتہ ناز اور ان کی فیملی رہ گئے تھے۔ تیسرے دن شام کو وہ لوگ بھی رخصت ہو گئے۔ رمشا کو وہ ہانیہ اور بیگم فریحہ کی دلجوئی کے لئے چھوڑ گئے۔

باپ کی وفات کے ایک ہفتے بعد فائق نے آفس جانا شروع کر دیا۔ وہ باپ کی زندگی میں انہیں جو تکلیفیں دے چکا تھا۔ اب ان کے مرنے کے بعد اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ وہ اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھائے گا تو اس کے پاپا کی روح کو سکون ملے گا۔ فائق کی مثال اسی مریض جیسی تھی جس کے دماغ پر چوٹ لگی تو اس کی یادداشت چلی گئی پھر تھوڑے عرصہ بعد اسی جگہ چوٹ لگی تو اس کی یادداشت واپس آ گئی۔ ٹھیک اسی طرح وہ اپنی زندگی کے پہلے بڑے صدمے سے دوچار ہوا تو ہوش وحواس گنوا بیٹھا۔ پھر اس صدمے سے بڑا صدمہ ملا تو پہلے صدمے کو بھول گیا۔ اب وہ جان چکا تھا کہ زندگی صرف پھولوں کی سیج نہیں۔ یہاں قدم قدم پر کانٹوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے اور یہ کہ موت ایک ایسی تلخ حقیقت ہے جس کا سامنا ہر صورت کرنا پڑتا ہے۔

☆☆☆

فائق کے بدلتے رویئے نے بیگم فریحہ کو سنبھلنے میں بڑی مدد دی۔ ان کا دکھ ایسا تھا جس کا کوئی مداوہ نہ تھا۔ شریک سفر بیچ سفر میں ساتھ چھوڑ جائے تو مسافر اکیلا زندگی کے صحرا میں بھٹکتا رہ جاتا ہے۔ رات کی تنہائی میں خالی بیڈ انہیں کاٹنے کو دوڑتا۔ وہ رزاقی صاحب کے سونے والے حصے پر پیار سے ہاتھ پھیرتی رہتیں۔ رزاقی صاحب نے ان سے لو میرج کی تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ رزاقی صاحب نے حق الفت ادا کر دیا۔ پوری زندگی بیگم فریحہ کی ناز برداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور بیگم فریحہ بھی ان کی محبت میں پور پور ڈوبی رہتیں۔

نہ صرف انہیں ٹوٹ کر چاہتی رہیں بلکہ ان سے ریلیٹڈ ہر رشتے کو عزت واحترام دیا۔ کہتے ہیں نا کہ محبوب کی ہر چیز پیاری لگتی ہے۔ یہ ان سے محبت ہی تو تھی کہ ساری عمر بی جان کے ناروا رویہ کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتی رہیں مگر کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائیں۔ ہانیہ کو پاپا کی موت کا صدمہ بھلانے میں رمشا نے اہم کردار ادا کیا۔ وہ سارا دن اسے چھوٹی چھوٹی دلچسپ باتوں میں الجھائے رکھتی۔ شام کو فائق آفس سے آتا تو وہ اپنی فیملی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گذارتا۔ ہانیہ اور بیگم فریحہ تو سنبھل رہیں تھیں مگر بی جان کی صحت تیزی سے گر رہی تھی۔ انہوں نے کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ فائق رات کو اصرار کر کے تھوڑا بہت کھلا دیتا۔ وگرنہ وہ سارا سارا دن کمرے میں بند ہو کر بیٹے کو یاد کر کے روتی رہتیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک

تیسرا حصہ

رات بی جان کو سوتے ہوئے فالج کا اٹیک ہوا۔ اٹیک بائیں سائیڈ پر ہوا تھا۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ بی جان نے دائیں ہاتھ سے سرہانے رکھی ہوئی بیل بجائی جو فائق نے ان کے بیڈ کے پاس لگوادی تھی کہ انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ سردی میں خود اٹھ کر باہر نہ آئیں۔ ملازم خود ان کے پاس آ کر ان سے ان کی ضرورت کے متعلق پوچھیں۔

بیل کی آواز باہر لاؤنج میں آئی تو اس وقت فائق ہانیہ اور رمشا لاؤنج میں بیٹھے لڈو کھیل رہے تھے۔ گیم اب اختتامی مراحل میں تھی۔ فائق نیند کے مارے جمائیاں لے رہا تھا وہ جان چھڑا رہا تھا کہ کب لڈو کی باری ختم ہو اور وہ جا کر کمرے میں بیڈ پر جا گرے بیل کی آواز لاؤنج میں گونجی تو فائق اٹھ کھڑا ہوا میں جا کر پتا کرتا ہوں۔ بی جان کو لگتا ہے کچھ چاہیے۔ وہ بی جان کے کمرے میں گیا تو دیکھا کہ بی جان کا پورا جسم اکڑا ہوا ہے اور ان کا منہ بھی ایک سائیڈ سے ٹیڑھا ہو رہا تھا۔ ان کے منہ سے غوں غاں کی آوازیں نکل رہیں تھیں۔ فائق ان کی حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔ فوراً دوڑ کر ماما کو جگایا وہ ابھی ابھی سوئیں تھیں۔ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔

ماما دادو کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ان کا پورا جسم بے حس ہو گیا ہے۔ چہرہ بھی ٹیڑھا ہو گیا ہے اور وہ بول بھی نہیں پا رہیں۔ فائق کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ پاپا کے بعد اب وہ دادی کو نہیں کھونا چاہتا تھا۔ بیگم فریحہ نے جوتا پاؤں میں ڈالا، مثال کندھوں پر لپیٹتی ہوئیں بی جان کے کمرے کی طرف دوڑیں۔

فائق نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کی۔ بی جان کو اٹھا کر پچھلی سیٹ پر ڈالا۔ ڈرائیونگ سیٹ خود سنبھالی اور بیگم فریحہ اس کے ساتھ بیٹھ گئیں۔

پندرہ بیس منٹ بعد وہ شہر کے مہنگے ترین ہاسپٹل میں پہنچ گئے۔ فائق نے ایمرجنسی میں بی جان کو چیک کروایا۔ ڈاکٹروں نے اچھی طرح چیک اپ کر کے بتایا کہ فالج کا بہت شدید اٹیک ہوا ہے۔

ڈاکٹر صاحب خطرے کی تو کوئی بات نہیں نا۔ میری دادو ٹھیک ہو جائیں گی نا۔ فائق روہانسا ہو کر ڈاکٹر سے پوچھ رہا تھا۔

خطرے کی بات تو ہے۔ بائیں سائیڈ پر اٹیک ہوا ہے۔ دوسرا اٹیک جان لیوا بھی ہو سکتا ہے۔ دوسرا اٹیک ہونے کے چانسز بہت زیادہ ہیں۔ ڈاکٹر کی صاف گوئی فائق کی سماعت پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔ وہ

سر جھکائے رونے لگا تو ڈاکٹر نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنا رٹا رٹایا جملہ دہرایا۔ تسلی رکھیں ہو سکتا ہے وہ ٹھیک ہو جائیں۔ ڈاکٹر چلا گیا تو فائق وہیں ایک بینچ پر ڈھے سا گیا۔ اس کی ماما اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

حوصلے سے کام لو فائق۔

کہاں سے لاؤں اتنا حوصلہ ماما۔ کیا ساری آزمائشیں سارے دکھ ہمارے لئے ہی رہ گئے ہیں۔ خوشیاں تو جیسے روٹھ گئیں ہیں ہم سے۔ وہ روتے ہوئے بولا تو اس کی ماما بھی رونے لگی پھر آنسو پونچھ کر بولی۔

چلو فائق اٹھو بی جان کے پاس جا کر بیٹھتے ہیں۔

میری ہمت نہیں پڑتی ماما۔ بی جان کو اس حالت میں کبھی نہیں دیکھا۔ کتنی بے بسی اور بے چارگی ہے ان کے چہرے پر۔ وہ تو دوسروں پر رعب جماتی تھیں۔ ہر کوئی ڈرتا تھا ان سے اور آج اس قدر مجبور ہیں کہ کسی کو پکار بھی نہیں سکتیں۔

فائق۔ ان کے پاس چلتے ہیں۔ بیگم فریحہ کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ان کے پاس زیادہ وقت نہیں۔

وہ دونوں ایمرجنسی وارڈ میں ان کے بیڈ کے پاس پڑے ہوئے بینچ پر بیٹھ گئے۔ بی جان کی آنکھیں اس وقت بند تھیں اور ان کے بازو پر ڈرپ چڑھی ہوئی تھی۔

فائق نے ان کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے پکارا۔

''بی جان''

دوسری تیسری مرتبہ پکارنے پر بی جان نے آہستگی سے آنکھیں کھول دیں۔

بی جان آپ کیا محسوس کر رہی ہیں۔ پلیز مجھے بتائیں۔ وہ روتے ہوئے ان کا ہاتھ چومنے لگا۔

بی جان اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ انہوں نے اپنے دائیں ہاتھ سے کچھ اشارے کئے اور منہ سے بھی غیر مبہم آوازیں نکالیں۔

بیگم فریحہ نے بھی آگے بڑھ کر پوچھا۔ بی جان مجھے بتائیں کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔

مگر بی جان کی ہیجانی کیفیت ان کی سمجھ میں نہ آئی۔

مجھے لگتا ہے بی جان تکلیف محسوس کر رہیں ہیں۔ میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتا ہوں۔ فائق ڈاکٹر کو بلانے کیلئے کھڑا ہوا تو بی جان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا جیسے اسے جانے سے روک رہی ہوں۔ وہ رک گیا۔ بی جان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ فائق انہیں روتا دیکھ کر تڑپ اٹھا۔

بی جان۔ میں کتنا بدنصیب اور بے بس ہوں کہ آپ کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

اچانک بی جان کا جسم اینٹھنے لگا جیسے کوئی دورہ پڑا ہو۔

فائق ڈاکٹر، ڈاکٹر چلاتا ہوا دوڑا۔ ڈاکٹرز فوراً بھاگے بھاگے آئے۔ آپ لوگ فوراً باہر چلے جائیں لگتا ہے فالج کا دوسرا اٹیک ہوا ہے۔ ڈاکٹرز اور نرسوں نے بی جان کو گھیرے میں لے لیا اور وہ دونوں ماں بیٹا شکستہ قدموں سے باہر کوریڈور میں رکھی ہوئی بینچ پر آ کر بیٹھ گئے۔

دونوں کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہ بچا تھا۔ دونوں کے کان ڈاکٹروں کے قدموں کی آہٹ پر لگے تھے جب دروازہ کھلتا دونوں سہم جاتے۔ دونوں کسی بھی خبر سننے کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کر چکے تھے اور پھر وہ خبر ان تک آ ہی گئی۔ جب ڈاکٹر نے ان کے پاس آ کر کہا۔

آئی ایم سوری۔ مسٹر فائق۔

فائق ماں سے لپٹ کر اونچی آواز میں رونے لگا۔ آج اس سے وہ شجر سایہ دار چھن گیا تھا جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر وہ دنیا کے تمام مصائب و آلام کی حدت کو بھول جاتا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ آج یتیم ہو گیا ہو۔

☆☆☆

صبح سحری کے پانچ بجے وہ ڈیڈ باڈی ہاسپٹل کی ایمبولینس میں ڈال کر گھر لائے تو گھر میں ایک کہرام بپا ہو گیا۔ ساجدہ، ہانیہ اور رمشا ان کے انتظار میں لاؤنج میں بیٹھیں کوئی وظیفہ پڑھ رہی تھیں۔ ان کو جب پتہ چلا کہ بی جان وفات پا چکیں ہیں تو ان کی چیخوں سے در و دیوار لرزنے لگے۔ ہانیہ تو دادی سے لپٹی بری طرح پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ بشیر بابا بھی بری طرح رو رہے تھے۔ فائق کبھی دادی کا منہ چومتا تو کبھی ہاتھ چومتا۔

دادو آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پاپا کے جانے کے بعد ہمیں اکیلے چھوڑ کر چلی گئیں۔ وہ بلک رہا تھا۔ تڑپ رہا تھا، بکھر رہا تھا۔ مگر کوئی سمیٹنے والا نہ تھا اس سے پیار کرنے والیاں اس کی محبوب ہستیاں ایک ایک کر کے اس کو چھوڑے جا رہی تھیں۔ بیٹے کے جانے کے ٹھیک ایک ماہ بعد ٹھیک اسی دن کو بی جان اپنے بیٹے کے پاس چلیں گئیں۔ ایک سال میں اس گھر نے تین تین اموات کا صدمہ سہا تھا۔

☆☆☆

بی جان کی وفات کے بعد رزاقی ہاؤس پر سوگواریت کی ایسی چادر تنی جو کوشش کے باوجود بھی اتر نہ سکی۔

فائق کو تو ایک مستقل چپ لگ گئی تھی۔ انتہائی ضرورت کے تحت بولتا وگرنہ بات کرنے سے اجتناب ہی کرتا۔ ویسے اس کی روٹین لائف بالکل سیٹ تھی۔ سگریٹ نوشی اس نے کب کی ترک کر دی تھی۔ اپنے پاپا کی وفات کے تیسرے دن اس نے خود سے جب وعدہ کیا تھا کہ پاپا کے خوابوں کو پورا کرے گا۔ تب

اس نے سگریٹ توڑ کر ڈسٹ بن میں پھینک دیئے تھے۔ ساتھ ہی چرس بھی پھینک دی تھی۔ اس کے بعد وہ ایسی خرافات سے دور ہی رہا تھا۔ اب وہ بظاہر ایکٹیو اور صحت مند دکھائی دیتا تھا۔ اپنا ہر کام وقت پر بڑی مستعدی سے انجام دیتا تھا۔ پہننا، اوڑھنا، کھانا پینا سب ٹھیک تھا۔ بس چپ کا ایسا روزہ رکھ لیا تھا۔ جو کبھی کبھار ہی افطار ہوتا۔ ہنسنا تو دور کی بات وہ تو مسکرانے سے بھی اجتناب برتتا تھا۔ کبھی وہ اپنے پاپا سے کہتا تھا کہ پاپا آپ مسکراتے وقت کنجوسی سے کیوں کام لیتے ہیں۔ اب وہی فائق احمد رزاقی ہفتوں بعد مسکراتا اور اگر کبھی غلطی سے مسکراتا بھی تو فوراً ہونٹ سکوڑ لیتا جیسے مسکرانا کوئی سنگین جرم ہو۔

وہ فائق نہ جانے کہاں کھو گیا تھا جو بات بے بات قہقہے بکھیرتا تھا۔ اور ہر بات کو مذاق میں اڑا دیتا تھا اس کی جگہ ایک سوبر اور سنجیدہ سے فائق نے لے لی تھی۔ اس متانت نے اس کی شخصیت کو ایک عجیب سا وقار بخش دیا تھا۔ اس کی قد آور اور پروقار پرسنالٹی سامنے والے پر سحر سا پھونک دیتی۔

فائق احمد رزاقی میں ہر وہ خوبی پیدا ہو گئی تھی جو کبھی اس میں سرے سے ناپید تھی۔ وہ صبح سویرے اٹھتا نماز فجر کی ادائیگی کرتا۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتا۔ پھر صبح کی واک کے لئے نکل جاتا واپس آتا نہا کر ناشتہ کرتا اور پورے نو ساڑھے نو دفتر کے لئے گھر سے نکل جاتا۔

پورا آفس سٹاف اس سے انتہائی خوش تھا اور اس کے وقت پر دفتر آنے کی وجہ سے تمام اسٹاف وقت کا پابند ہو گیا تھا۔ اس لگی بندھی روٹین پر چلتے چلتے فائق کبھی کبھی خود کو کوئی روبوٹ محسوس کرتا۔ اس کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد رہ گیا تھا۔ کام، کام اور صرف کام۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کا کاروبار پوری دنیا میں پھیل گیا۔ اب ان کا مال دنیا کے ہر ملک میں ایکسپورٹ ہوتا۔ اس نے کام کو اتنی وسعت دے دی تھی کہ سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اس نے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے دفتر کا اور فیکٹریوں کا عملہ بھی بڑھا لیا تھا۔

اب وہ زیادہ تر کاروباری ٹور پر بیرون ممالک کے دورے پر رہتا۔ پاکستان میں کم اور باہر کے ممالک میں اس کا وقت زیادہ گذرتا۔ ہر ملک سے واپسی پر ماما اور ہانیہ کیلئے ڈھیروں شاپنگ کرتا۔ ہانیہ تو تھینک یو کہہ کر چیزیں قبول کر لیتی مگر ماما ہر دفعہ منع کر دیتیں۔ ویسے بھی اب انہوں نے اپنا لائف اسٹائل بالکل چینج کر دیا تھا۔ ہمیشہ فل آستین کے بازو پہنیں۔ نماز پنجگانہ کا اہتمام کرتیں۔ سر پر ہمیشہ دوپٹہ رکھتیں۔ خود بخود ان کے دل میں مذہب سے لگاؤ پیدا ہوتا چلا گیا۔ محمد احمد رزاقی کی وفات کے بعد وہ کئی عمرے اور ایک حج بھی ادا کر چکی تھیں۔ عمرے تو وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ کرتی رہیں مگر حج انہوں نے فائق اور ہانیہ کے ساتھ ادا کیا۔

گویا انہوں نے اپنے محبوب شوہر کی وفات کے بعد دنیا تیاگ کر اللہ سے لو لگا لی تھی۔

☆☆☆

آج ناشتے کی ٹیبل پر فائق اور اس کی ماما ناشتہ کر رہے تھے۔ ہانیہ ناشتہ کر کے یونیورسٹی جا چکی تھی۔ وہ ایم اے کے فائنل ایئر میں تھی۔ وہ یونیورسٹی اشرف ڈرائیور کے ساتھ جاتی اور واپسی پر لینے کے لئے بھی وہی جاتا۔ وہ اس گھر کا پرانا اور قابل اعتماد ملازم تھا۔ ویسے بھی اس گھر کا ہر ملازم سالوں پرانا اور وفادار تھا۔ یہاں روز روز ملازم بدلنے کا رواج نہ تھا اور ملازم بھی اس گھر کو اپنا گھر سمجھتے اور ہر دکھ تکلیف خود پر محسوس کرتے۔

فائق بیٹا۔ تم سے کچھ ضروری باتیں کرتی ہیں۔

کہیں ماما۔ میں سن رہا ہوں۔

آج تمہارے پاپا کی تیسری برسی ہے۔ سوچ رہی ہوں تمہارے پاپا اور بی جان کی روحوں کے ایصال ثواب کے لئے ایدھی سنٹر کے بچوں کے لئے کھانا بجھوادوں۔ بریانی کی پکی پکائی دیگیں منگوالیتی ہوں۔

اچھا خیال ہے۔ کتنے پیسے چاہئیں۔ وہ اپنا بٹوا نکالتا ہوا بولا۔

پیسے ہیں میرے پاس۔ جتنے پیسے تم دیتے ہو اتنے میں خرچ تھوڑے کر سکتی ہوں پڑے رہتے ہیں۔

تو خرچ کیا کریں نا۔ ڈھیر ساری شاپنگ کیا کریں۔ وہ نرمی سے بولا۔

نہیں بیٹا۔ ہر چیز سے دل اچاٹ ہو گیا۔ اب تو ضرورت کے تحت ہی شاپنگ کرتی ہوں۔ شوقیہ شاپنگ کرنا تو اب فضول خرچی لگتا ہے۔

بس یہی ضروری بات تھی جو آپ نے کرنی تھی۔

نہیں جو ضروری بات کرنی ہے وہ ابھی باقی ہے۔

تو وہ بھی کر دیں۔

نہیں۔ وہ بات بیٹھ کر تسلی سے کریں گے۔ شام کو ذرا جلدی آ جانا پھر میرے کمرے میں بیٹھ کر سکون سے بات کریں گے۔ وہ مسکرائیں۔

ماما آپ تو تجسس پیدا کر رہیں ہیں۔ اب میں شام تک یہی سوچوں گا۔ آخر کون سی بات ہے۔

اچھا ہے نا۔ سارا دن اندازے لگاتے رہنا۔

او کے ماما۔ اللہ حافظ۔

فی امان اللہ۔

وہ پورچ میں کھڑی اپنی بلیک مرسڈیز میں بیٹھا تو بشیر بابا نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور پھر گیٹ کھول دیا۔

وہ گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔ اس نے اپنے لئے الگ سے ڈرائیور نہیں رکھا تھا۔

اسے اپنی گاڑی خود ڈرائیو کرنا پسند تھا۔ راستے بھر میں وہ یہی سوچتا رہا کہ ماما نے شام کو کون سی ضروری بات کرنی ہے۔ شام کو دیکھیں گے۔ اس نے سر جھکا۔

آفس کے ہال میں داخل ہوا تو راستے میں آتے ہوئے لوگوں کے سلاموں کے جواب سر کی جنبش سے دیتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہوا۔

وہ اپنی چیئر پر بیٹھا تو اس نے چیئر گھما کر اپنے کمرے کے ساتھ متصل کیبن میں جھانکا۔ اس کے دفتری کمرے کے ساتھ ایک چھوٹا سا کیبن متصل تھا۔ ان دونوں کمروں کی درمیانی دیوار شیشے کی تھی جس کی وجہ سے دونوں طرف کے فریقین ایک دوسرے کو با آسانی دیکھ سکتے تھے۔

اس نے دیکھا کہ مسز ہادیہ اپنی سیٹ پر بیٹھیں کام کر رہی ہیں۔ مسز ہادیہ چالیس بیالیس سال کی ایک خوش اخلاق عورت تھیں۔ ان کے میاں دبئی میں کسی فیکٹری میں سپروائزر تھے۔ وہ محض شوقیہ کام کرتیں تھیں۔ ان کے تین بیٹے تھے جو اب کافی بڑے ہو چکے تھے۔ ان میں سے دو کالج میں جبکہ تیسرا میٹرک میں پڑھ رہا تھا۔

فائق نے انٹرکام کان سے لگایا۔

مسز ہادیہ پلیز کم ان۔

یس سر۔ یہ کہہ کر وہ اندرونی دروازے سے فائق کے کمرے میں آ گئیں۔ مسز ہادیہ کے کیبن کے دو دروازے تھے۔ ایک دروازہ ہال کمرے میں کھلتا تھا جہاں دوسرا اسٹاف بیٹھتا تھا جبکہ دوسرا دروازہ فائق کے کمرے میں کھلتا تھا۔ فائق وقتاً فوقتاً انہیں ڈکٹیشن کے لئے اپنے کمرے میں بذریعہ فون بلاتا رہتا تھا اور کبھی کبھار وہ خود بھی اٹھ کر مسز ہادیہ کے پاس کوئی بات سمجھانے کیلئے پہنچ جاتا۔ ان دونوں کا آنا جانا اس اندرونی دروازے کے راستے ہوتا تھا جو شیشے کی دیوار میں شیشے سے ہی بنا ہوا تھا۔

پلیز بیٹھئے مسز ہادیہ۔

تھینک یو۔ سر۔ یہ کہہ کر مسز ہادیہ فائق کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئیں۔

مسز ہادیہ آپ نے ڈیمانڈ کی ہے کہ کام زیادہ ہونے کی وجہ سے ایک اور لیڈی ورکر رکھی جائے جو آپ کے ساتھ بیٹھ کر آپ کے کام کو بانٹ سکے۔

یس سر۔ بے شک میرا سارا کام کمپیوٹر پر ہی ہوتا ہے مگر سر ہمیں کوئی ایسی لڑکی چاہئے جس نے ایم کام کیا ہو۔ ہمیں فنانس ڈیپارٹمنٹ کے لئے ایک خاتون اسسٹنٹ کی ضرورت ہے۔ میں نے سادہ بی اے کیا ہے اس لئے مجھے کامرس سے متعلق چیزیں سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ مجھے امید ہے آپ میرا نقطہ نظر

اور ضرورت دونوں سمجھ گئے ہوں گے۔ مسز ہادیہ نے اتنی تفصیل سے سمجھایا کہ فائق واقعی سمجھ گیا۔

ٹھیک ہے۔ میں آج ہی ندیم صاحب کو کہے دیتا ہوں کہ وہ اخبار میں اشتہار دے دیں۔ اس اشتہار کے نتیجے میں ایم کام لڑکیاں خود ہی رابطہ کرلیں گی۔

☆☆☆

رات کے کھانے سے فارغ ہو کر بیگم فریحہ اپنے کمرے میں چلیں گئیں فائق بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ ساجدہ ان دونوں کی چائے وہیں لے آئی۔

بیگم فریحہ نے چائے کی چسکی لی اور بولیں۔

فائق تم ماشاءاللہ سے اب چھبیس سال کے ہو گئے ہو۔

ہانیہ بھی پچیس کی ہونے کو ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ تم دونوں کی شادیاں کردوں اور اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ تمہاری خالہ شگفتہ دو تین مرتبہ ہانیہ کا ہاتھ مانگ چکی ہیں۔ حتمی فیصلہ تو تم ہی کرو گے۔

مجھے تو اس رشتے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ فرحان انجینئر بن چکا ہے۔ ٹھیک ٹھاک کماتا ہے۔ اس کا فیوچر برائٹ ہے۔ پھر میرے پاس جو کچھ ہے وہ ہانیہ کا بھی تو ہے۔ فائق کی باتیں سن کر بیگم فریحہ کو بیٹے پر بہت پیار آیا۔ خدا تمہیں لمبی زندگی اور ڈھیروں خوشیاں عطا کرے میرے بچے۔ وہ دل میں بیٹے کو دعائیں دینے لگیں۔

تو پھر انہیں ہاں کردوں۔

ہاں ہاں نہ صرف ہاں کردیں بلکہ منگنی کی تیاریاں بھی کریں میری ایک ایک بہن ہے۔ کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔ پیسے کی پرواہ بالکل نہ کریں اور ہاں منگنی کے ساتھ ہی شادی کی ڈیٹ بھی فکس کردیں گے۔ اس کے ایم اے کے امتحانات کے فوراً بعد شادی کردیں گے۔

بالکل ٹھیک ہے۔ ایسے ہی کریں گے۔ بیگم فریحہ نے بھی تائید کی۔ مگر بیٹا میں چاہتی ہوں کہ تم دونوں بہن بھائی کی شادی ایک ساتھ کردی جائے۔

نہیں ماما۔ ابھی صرف ہانیہ کی شادی ہوگی۔ وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

فائق میں تمہاری خوشیاں دیکھنا چاہتی ہوں۔ تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ تمہیں پھر سے ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتی ہوں۔ بیگم فریحہ کی آواز بھر آ گئی۔

ماما۔ فائق ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ابھی صرف ہانیہ کی شادی کریں گے اس کے بعد آپ جیسا کہیں گی ویسا ہی ہوگا۔

اگر تم کہو تو تمہارے لئے رمشا کی بات کروں۔ گھر کی بچی ہے۔ دیکھی بھالی ہے۔ باجی چاہ رہیں ہیں کہ رمشا کی شادی بھی فرحان کے ساتھ کردیں۔

ماما۔ میں شادی کروں گا۔ ضرور کروں گا مگر رمشا سے تو کبھی نہیں۔ وہ میرے لئے بالکل ہانیہ جیسی ہے جب کبھی شادی کا موڈ ہوا۔ یا کوئی من کو بھائی تو سب سے پہلے آپ کو بتاؤں گا۔

پرامس۔

پکا پرامس

☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں جا کر کپڑے تبدیل کر کے بیڈ پر لیٹ گیا۔ ماما نے اس سے شادی کی بات کر کے اس کے دل کے سوئے ہوئے تار پھر سے جگا دیے تھے۔ اس نے دراز کھولا اور اس میں سے عائزہ کی ڈھیروں تصویریں نکال کر بیڈ پر ڈھیر کردیں وہ ملکہ حسن ہر تصویر میں غضب ڈھا رہی تھی۔ کہیں مسکرا رہی تھی تو کہیں منہ بسورے ناراضگی دکھا رہی تھی۔ اس کی ہر بات نرالی اور ہر ادا دلکش تھی۔

کوئی تم جیسا کیسے ہو سکتا ہے ڈیزی۔ تم دنیا میں ایک ہی تھی۔ کوئی دوسرا تمہارے جیسا کبھی نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی تمہاری جگہ لے سکتا ہے۔ پھر فائق برسوں پہلے کہا گیا وہ شعر دہرانے لگا جو اس نے کبھی فون پر عائزہ سے کہا تھا اور وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی تھی۔

دل بھی اک ضد پر اڑا ہے کب سے

بس وہی چاہیے، اس کے جیسا بھی نہیں

☆☆☆

علینہ کے ابو اخبار چھوڑ کر باہر گئے تو علینہ نے جھٹ سے اخبار پکڑ کر ورق گردانی شروع کردی۔ وہ پچھلے ایک ہفتے سے ضرورت برائے ملازمت کے اشتہارات دیکھ رہی تھی مگر کوئی ڈھنگ کی نوکری نظر سے نہیں گذری تھی۔ آج بھی وہ یونہی سرسری نظر ڈال کر اخبار رکھنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اس کی نظر ایک اشتہار پر آ کر ٹھہر گئی۔ اس نے دوبارہ پڑھا کسی انٹرنیشنل کمپنی کو ایم کام پڑھی خاتون چاہیے تھی جو کمپیوٹر کا استعمال بھی بخوبی کر سکتی ہو۔ پرکشش تنخواہ کے علاوہ پک اینڈ ڈراپ کی سہولت بھی موجود تھی۔

یہاں ٹرائی کرتی ہوں۔ اگر یہ نوکری مل گئی تو مزا آ جائے۔ وہ منہ میں بڑبڑائی۔ اسے ویسے بھی اپنے آپ سے باتیں کرنے کی عادت تھی۔

رابی' اس نے چھوٹی بہن کو پکارا۔ وہ ہاتھ پونچھتے ہوئے کچن سے برآمد ہوئی۔

کیا بات ہے آپی کیوں اتنا شور مچا رہیں ہیں۔

یہ دیکھو کتنی اچھی جاب کی آفر آئی ہے۔ وہ خوش ہو کر بتا رہی تھی۔

افوہ ابھی آپ نے اشتہار پڑھا ہے۔ نوکری ملنا یا نہ ملنا تو بعد کی بات ہے۔ آپ تو ایسے خوش ہو رہیں ہیں جیسے نوکری آپ کو واقعی مل گئی ہو۔

کیا تمہیں اپنی بہن کی قابلیت پر کوئی شک ہے۔ یقیناً یہ نوکری مجھے ہی ملے گی۔ لکھ لو یہ بات۔

اب آپ اوور کونفیڈینس ہو رہی ہیں جو کہ اچھی بات نہیں۔ چھوٹی بہن نے نصیحت کی تو وہ چڑ گئی۔

اچھا زیادہ دادی اماں بننے کی کوشش نہ کرو۔ یہ بتاؤ امی کہاں ہیں۔

امی پڑوس والی خالہ بشریٰ کے ہاں گئی ہیں۔

اچھا یہ تو بتائیں انٹرویو کے لئے کب بلایا ہے کمپنی والوں نے۔ رابی نے پھر سے وہی ٹاپک چھیڑا۔

بارہ نومبر کو صبح دس بجے بلایا ہے۔ پرکشش سیلری کے ساتھ کنویئنس بھی مہیا کر رہے ہیں۔ بس اللہ کرے یہ جاب مل جائے۔

رات کو کھانے پر علینہ نے اس کمپنی کے دیئے گئے اشتہار کا ذکر ابو سے کیا تو انہوں نے بھی اس کمپنی کی نیک نامی اور اچھی شہرت کو دیکھتے ہوئے بخوشی انٹرویو کے لئے جانے کی اجازت دے دی۔ بس اتنا کہا کہ فیصل کو ساتھ لے جانا ٹھیک ہے ابو۔ وہ سعادت مندی سے بولی۔ فیصل اس کے چھوٹے بھائی کا نام تھا۔ اس کی امی نے بھی اس کے لئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

یہ علی رضا بٹ کا گھرانہ تھا۔ تعلیم یافتہ اور مہذب۔

علی رضا ایسے ہی تھے جیسے عام طور پر کشمیری ہوتے ہیں۔ خوب گورے چٹے سرخ اور سفید رنگت کے مالک خوش شکل اور خوش اخلاق انسان تھے۔ ان کی بیگم عائشہ بیگم بھی بہت خوبصورت تھیں۔ جوانی میں تو انتہائی حسین تھیں۔ مگر بڑھاپے میں بھی ان کا رنگ و روپ دیکھ کر چاند سورج شرماتے تھے۔ دونوں میاں بیوی کی بے مثال خوبصورتی ان کی اولاد میں بھی نظر آتی تھی۔ سارے بچے انتہائی خوبصورت اور دلکش نقوش کے مالک تھے۔ ان کے چھ بچے تھے۔ بڑا بیٹا افضل جو مکان کے اوپری پورشن میں اپنے تین بچوں اور بیوی کے ساتھ خوش و خرم زندگی گذار رہا تھا۔ اس سے چھوٹی دو بیٹیاں فاخرہ اور وجیہ۔ ان دونوں کی شادیوں کے فرض سے بھی سبکدوش ہو چکے تھے۔ وہ دونوں بھی اپنی اپنی سسرال میں مطمئن زندگی گذار رہیں تھیں۔

ان سے چھوٹی علینہ جو حال ہی میں ایم کام کر کے اب گھر میں بیٹھی نوکری کے لئے اشتہارات دیکھتی رہتی تھی۔ اس سے چھوٹی رابعہ جسے سب پیار سے رابی کہتے تھے۔ وہ تھرڈ ایئر کی طالبہ تھی۔ رابعہ سے دو

سال چھوٹا فیصل تھا جو اب فرسٹ ایر کا طالب علم تھا۔

مسٹر علی رضا اور ان کی وائف خود بھی پڑھے لکھے تھے۔ وہ لڑکیوں کے نوکری کرنے کے بالکل خلاف نہیں تھے بلکہ وہ لڑکیوں کی جاب کرنے پر ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ مسٹر علی رضا نے خود بھی تمام عمر جاب ہی کی تھی۔ وہ بطور کیشئر بنک میں ملازم بھرتی ہوئے تھے اور اب دو سال پہلے مینجر کی سیٹ سے ریٹائرڈ ہوئے تھے۔ وہ مالی طور پر خوشحال تھے۔ تمام بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلا کر ان کو اپنے قدموں پر کھڑا کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے بیٹی یا بیٹے میں کوئی فرق روا نہ رکھا۔ سب سے بڑا بیٹا افضل اسے ایم بی اے کروا کر ایک بینک میں اچھی پوسٹ پر ملازمت دلا دی تھی۔ اس کی پے اتنی اچھی تھی کہ وہ احسن طریقے سے اپنے بیوی بچوں کے اخراجات پورے کر رہا تھا۔

اس سے چھوٹی فاخرہ، اس نے بھی ایم اے انگلش کر رکھا تھا۔ اسے ایک کالج میں لیکچرار کی جاب مل گئی تھی۔ اس کو دو تین سال جاب کرتے ہوئے ہو گئے تھے جب اس کی شادی ہوئی تھی۔ شادی کے بعد بھی اس نے اپنے سسرال کی مرضی سے جاب جاری رکھی تھی۔ اب زمانہ بدل گیا تھا۔ کمانے والی بہو کو سسرال میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ نوکری کرنے والی لڑکیوں کے زیادہ اچھے رشتے آتے ہیں۔ اس سے چھوٹی وجیہ نے ایم بی بی ایس کیا تھا اور اس کی شادی بھی ایک ڈاکٹر ہوئی تھی اور اب دونوں میاں بیوی نے مل کر ایک کلینک کھولا ہوا ہے جو بہت اچھا چل رہا ہے۔

☆☆☆

آج کا دن اس کے لئے بڑا اہم تھا۔ وہ فوراً بستر پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ نہا دھو کر ناشتہ کر کے ساڑھے نو بجے وہ بالکل تیار تھی۔ اس کی پھرتیاں دیکھ دیکھ کر عائشہ بیگم مسکرا رہیں تھیں۔

چلو فیصل چلیں۔ اچھا امی خدا حافظ دعا کیجئے گا۔

وہ چھوٹے بھائی کے پیچھے بائیک پر بیٹھی تو خود بھی راستہ بھر دعائیں مانگتی گئی۔

مطلوبہ پتے پر آفس میں پہنچی تو وہاں بارہ لڑکیاں پہلے سے موجود تھیں۔ اسے ملا کر تیرہ ہو گئیں۔ یہاں آ کر اس کا حد سے بڑھا ہوا اعتماد ڈانواں ڈول ہونے لگا۔

پھر انہیں ایک چھوٹے سے کیبن میں باری باری لے جایا گیا جہاں ایک خوش شکل خاتون بیٹھی ان سے ان کے کوائف پوچھتیں۔ تعلیمی قابلیت پوچھتیں اور پھر انہیں باہر بھیج دیتیں۔ وہ خاتون مسز ہادیہ تھیں۔ سب لڑکیوں سے اس نے ان کے کوائف وغیرہ لے کر اندرونی دروازے سے فائق کے سامنے جا رکھے۔ فائق نے سب کے بائیو ڈیٹاز دیکھے۔ ان میں سے تین لڑکیوں کو سلیکٹ کیا جن کے نمبرز سب سے ہائی

ایسٹ تھے۔

مسز ہادیہ۔"

یس سر۔"

ان تینوں کو باری باری میرے پاس بھیج دیں۔ باقی سب کو فارغ کر دیں۔ وہ جا سکتی ہیں۔

ٹھیک ہے سر۔

مسز ہادیہ نے نو لڑکیوں کو بھیج دیا اور مطلوبہ تین لڑکیوں کو روک لیا۔ انہیں بتایا کہ ان کا انٹرویو کمپنی کے مالک خود لیں گے۔ ان تین لڑکیوں میں علینہ بھی شامل تھی۔

اب دوسری لڑکی اندر جا چکی تھی۔ پہلی باہر آ کر بیٹھ چکی تھی۔

علینہ کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ دس منٹ بعد وہ لڑکی بھی باہر آ گئی۔ اب علینہ کی باری تھی۔ اس لڑکی نے بیٹھتے ہوئے اشارہ کیا۔ علینہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنا کھویا ہوا اعتماد بحال کیا۔ خود کو سمجھایا کہ نوکری ہی تو ہے ملی تو ٹھیک نہ ملی تو کوئی بات نہیں۔ یہ کوئی زندگی موت کا سوال تھوڑا ہی ہے۔ وہ پر اعتماد قدموں سے چلتی ہوئی آفس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ آفس کی اندرونی آرائش دیکھ کر وہ مرعوب سی ہو گئی۔ باس کی کرسی پر ایک خوبصورت ہینڈسم سا نوجوان بیٹھا کسی فائل میں کھویا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر اسے خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کمپنی کا مالک کوئی ادھیڑ عمر کا بڈھا کھوسٹ ہو گا مگر یہ تو بہت گریس فل پرسنالٹی کا مالک۔ مرد کم اور لڑکا زیادہ لگ رہا تھا۔

باس نے اس کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے بھی کوئی نوٹس نہ لیا تو وہ خود ہی بولی۔ سر"

پلیز بیٹھئے۔ اس نے نظریں اٹھاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا وہ تھینک یو کہتے ہوئے بیٹھ چکی تھی مگر فائق نے جو نظریں اٹھائیں تو وہ اٹھیں ہی رہ گئیں۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ حیرت کے مارے اس کا منہ بھی تھوڑا کھل گیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا پوائنٹر بھی ٹیبل پر گر گیا۔ آنکھیں جیسے علینہ پر جم کر رہ گئیں۔

علینہ اس صورت حال سے گھبرا گئی۔ وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگی۔ بڑا بدتمیز انسان ہے۔ کسی لڑکی کو دیکھنے کی تمیز بھی نہیں۔

وہ دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

فائق کے منہ سے حیرت سے ڈوبی آواز برآمد ہوئی۔

"ڈیزی"

جی" نو سر۔ میرا نام علینہ ہے۔

علینہ" اس نے زیر لب یہ نام دہرایا مگر تم تو ڈیزی ہو تم علینہ کیسے ہو سکتی ہو وہ جیسے اپنے آپ سے بولا۔

جی سر۔ آپ نے کچھ کہا۔

نہیں۔ فائق جیسے ہوش میں آ گیا۔ تم جاؤ باہر۔ میں ابھی رزلٹ بتا دیتا ہوں۔

او کے سر۔ وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ فائق نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ ہو بہو عائزہ کی کاپی۔ شکلوں میں اتنی مماثلت کبھی نہیں دیکھی۔ اس نے پاس پڑا پانی کا گلاس اٹھایا اور غٹا غٹ پی گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے حواس قابو میں آئے تو وہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا۔ اس نے مسز ہادیہ کو بلایا۔

جی سر۔"

مسز ہادیہ۔ ان تینوں لڑکیوں میں سے علینہ کو سلیکٹ کر لیں اسے اس کی سیلری اور کام سمجھا دیں۔ اسے کہیں کہ وہ کل سے کام پر آ سکتی ہے۔

جی سر۔ سر آپ کی طبعیت تو ٹھیک ہے۔ پیشانی پر پسینہ چمک رہا ہے۔

ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔

مسز ہادیہ نے باہر جا کر علینہ کو بتایا کہ وہ سلیکٹ ہو چکی ہے باقی دو امیدوار جا سکتی ہیں۔

مس علینہ آپ میرے کیبن میں آئیں اور اپنا اپائنٹ منٹ لیٹر لے لیں۔ آپ کی سیلری اور دوسری سہولیات کا پیکج آپ کے اپائنٹ منٹ لیٹر میں ہو گا۔ آپ کل سے جوائن کریں گی۔ مگر یاد رکھیئے۔ آپ تین مہینے کی آزمائشی مدت کے لئے رکھی گئیں ہیں۔ آپ کی کنفرمیشن آپ کی کارکردگی پر منحصر ہو گی۔

انشاء اللہ میڈم میں کنفرم بھی ہوں گی۔ وہ اعتماد سے بولی۔ ڈیٹس دی ول۔ وہ مسکرائیں۔ آپ کو مبارک ہو۔

☆☆☆

وہ گھر پہنچی تو مارے خوشی کے اس کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ دوڑ کر ماں سے لپٹ گئی۔

امی مجھے جاب مل گئی اس کی آواز خوشی سے کانپ رہی تھی۔ ارے لڑکی۔ پیچھے ہٹو۔ چھری ہے میرے ہاتھ میں کہیں لگ نہ جائے اس کی امی پالک کاٹ رہیں تھیں۔ ہنس کر بولیں۔

امی آپ کو خوشی نہیں ہوئی۔ وہ پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

فٹ سے شکوے شکایتیں کرنے بیٹھ جاتی ہو۔ بھلا مجھے کیوں خوشی نہیں ہو گی۔ تم بتاؤ کیسا آفس تھا۔

کیسے لوگ تھے۔

امی آفس تو اتنا شاندار تھا کہ پوچھیں مت اور کام بھی زیادہ مشکل نہیں لگتا، مجھے یقین ہے کہ جلدی ہی سیکھ جاؤں گی۔

اور باس۔؟ امی نے سوال کیا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

باس..... باس بھی بہت اچھے ہیں۔

کیا بات ہے آپی بڑا سوچ کر جواب دیا ہے۔ رابی نے بات نوٹ کر لی تھی۔

آپی اب آپ کی طرف پارٹی تو بنتی ہے نا۔ فیصل بولا۔ جب پہلی تنخواہ ملے گی تو جو چاہو گے کھلاؤں گی۔

☆☆☆

علینہ کو دیکھنے کے بعد سارا دن فائق ڈسٹرب رہا۔ اس کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ عجیب سی سچوئیشن پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اپنے دل کی حالت کسی سے بیان نہیں کر سکتا تھا۔ اس لڑکی کی صورت حیرت انگیز طور پر عائزہ سے ملتی ہے۔ کمال ہے۔ ایسا تو صرف فلموں میں دیکھا تھا۔ حقیقت میں بھی کئی لوگوں کی مشابہت دوسروں سے کافی حد تک مل جاتی ہے مگر اتنی زیادہ تو کبھی کسی کی کسی سے نہیں ملتی۔ وہی ناک نقشہ، وہی رنگ روپ، وہی قد بت صرف آنکھوں کا فرق تھا۔ عائزہ کی آنکھیں بلیک تھیں اور اس حساب سے اس کے بال بھی کالے تھے جبکہ علینہ کی آنکھیں براؤن اور بال سنہری مائل براؤن تھے۔ یا اللہ یہ کیا ماجرہ ہے۔ اس کو میرے سامنے لانے میں تیری کون سی مصلحت پوشیدہ ہے۔ وہ سر پکڑے بیٹھا سوچوں کے بھنور میں پھنسا ہوا تھا جب مسز ہادیہ نے آ کر گلا کھنکھارا۔

وہ چونک کر دیکھنے لگا۔

سر اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ایک بات کہوں۔

کہیں۔ پلیز۔

سر آپ گھر تشریف لے جایں۔ آپ کی طبیعت یقیناً ٹھیک نہیں۔ جا کر آرام کریں۔ اعتدال سے زیادہ کام بھی انسان کو تھکا دیتا ہے۔

مسز ہادیہ کا مشورہ فائق کو اچھا لگا۔ وہ واقعی سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہا تھا اور اسے اس وقت آرام کی ضرورت تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا جانے کے لئے۔

مسز ہادیہ میں جا رہا ہوں۔ پیچھے سے تمام معاملات سنبھال لیجئے گا۔

شیور سر۔" اس نے اپنا کوٹ اٹھایا۔ دوسرے ہاتھ میں بریف کیس پکڑا۔ جانے کے لئے قدم اٹھائے تو مسز ہادیہ نے پکارا۔

سر"

یس۔"

اگر صبح تک آپ خود کو بالکل فریش محسوس کریں تو آفس آ جائیں ورنہ ایک چھٹی کرنے سے کوئی خاص حرج نہیں ہوگا۔ وہ مسکرائیں۔

اوکے۔ وہ آفس سے باہر نکل گیا۔

صبح تو بالکل ٹھیک تھے۔ دوپہر سے اچانک پتہ نہیں کیا ہو گیا۔ مسز ہادیہ سوچتے ہوئے اپنے کیبن میں چلیں گئیں۔

☆☆☆

فائق گھر پہنچا تو بیگم فریحہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

فائق بیٹا کیا بات ہے آج اتنی جلدی کیسے آ گئے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری۔

ماما۔ ڈونٹ وری۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس سر میں درد تھا اس لئے گھر آ گیا۔

چلو تم اپنے کمرے میں جاؤ میں ہانیہ کے ہاتھ چائے بنوا کر بھیجتی ہوں۔ چائے کے ساتھ کوئی پین کلر گولی کھا لینا اور گھنٹہ دو گھنٹے کے لئے سو جاؤ۔

ہانیہ یونیورسٹی سے آ گئی ہے اسے نے پوچھا۔

ہاں ابھی ابھی آئی ہے کمرے میں گئی ہے۔

ٹھیک ہے میں اپنے روم میں جا رہا ہوں۔

اور ٹھیک پندرہ منٹ بعد ہانیہ چائے کا مگ اٹھائے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

وہ بیڈ پر لیٹا سوچوں میں گم تھا۔

بھائی سر میں زیادہ درد ہے تو سر دبا دوں۔ ہانیہ نے پوچھا۔

نہیں۔ دبانے کی ضرورت نہیں بس تم تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

ہانیہ بھی سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

ہانیہ۔ ماما نے تم سے کوئی بات کی ہے۔ وہ چائے کا مگ اٹھاتے ہوئے بولا۔

کون سی بات بھائی۔ وہ سمجھتے ہوئے بھی انجان بنی۔

شگفتہ آنٹی تمہارا ہاتھ مانگ رہی ہیں۔فرحان کے لئے۔ ماما نے تم سے تمہاری رائے نہیں پوچھی۔

پوچھی تھی۔ بھائی۔

تم نے کیا جواب دیا تھا ذرا میں بھی تو سنوں۔ فائق کے لہجے میں تھوڑی شوخی تھی۔

بھلا مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے وہ جھجکتے ہوئے بولی اگر آپ نے اور ماما نے فیصلہ کرلیا ہے تو میں کیوں رد کروں۔

نہیں کوئی ضروری نہیں اگر تمہیں فرحان پسند نہیں تو ہم آنٹی شگفتہ کو ناں بھی کر سکتے ہیں۔تمہاری نظر میں کوئی ہے تو تم مجھ سے کہہ سکتی ہو۔تم جانتی ہو نا کہ ہم پہلے اچھے دوست ہیں اور پھر بہن اور بھائی کا رشتہ آتا ہے۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے بھائی آپ نے جو سوچا ہے میرے لئے وہی ٹھیک ہے۔ ہانیہ لاکھ آزاد خیال سہی مگر بھائی کے سامنے یہ بات نہ کہہ سکی کہ وہ فرحان کو پسند کرتی ہے اور وہ بھی اسے پسند کرتا ہے۔

تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی۔ فائق چائے پیتا رہا اور ہانیہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔

ہانیہ ایک بات کہوں۔ فائق بولا۔

جی بھیا۔کہیں۔

کیا مرنے کے بعد کوئی زندہ ہوسکتا ہے۔

یہ کیا کہہ رہے ہیں بھائی مرنے کے بعد کوئی کیسے زندہ ہوسکتا ہے۔

اگر میں کہوں کہ میں نے ایک مرے ہوئے انسان کو آج پھر سے زندہ دیکھا ہے۔تو۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے آپ یقیناً مذاق کر رہے ہیں یہ صرف فلموں میں ہوتا ہے۔ایک جنم کے بعد دوسرا جنم۔حقیقت میں ان چیزوں کا کوئی وجود نہیں۔ ہانیہ نے اس بات کو بہت لائٹ لیا۔

تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو اِن سب باتوں کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں مگر جو میں بتانے جا رہا ہوں وہ بالکل حقیقت ہے۔ میرے آفس میں ایک لڑکی آئی تھی جاب کے سلسلے میں اسے دیکھ کر میں تو جیسے اپنے حواس کھو بیٹھا۔ نہ جانے وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی۔ یقین کرو چند لمحوں کے لئے میں بالکل سشدر رہ گیا تھا۔

اچھا۔ایسی کیا بات تھی اس لڑکی میں جو میرے بھائی کی یہ حالت ہوگئی۔ ہانیہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

وہ جانتی تھی کہ فائق کسی لڑکی کو نظر بھر کر دیکھتا تک نہیں امپریس ہونا تو دور کی بات تھی۔

وہ لڑکی ہو بہو عائزہ کی ڈپلی کیٹ کاپی تھی۔ فائق خلاؤں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ بالکل سیم ٹو سیم۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ہانیہ بھی حیران ہوئی۔

ایسا ہی ہوا ہے۔اتنی گہری مشابہت کہ میں بھی ایک منٹ کے لئے دھوکہ کھا گیا یہاں تک کہ اس کو عائزہ کہہ کر پکارا۔

بھائی۔آپ نے تو مجھے تجسس میں مبتلا کر دیا اب اس لڑکی کو دیکھنا پڑے گا۔کیا آپ نے اس کو جاب کے لئے سلیکٹ کرلیا ہے۔ کیسے سلیکٹ نہ کرتا۔ عائزہ کا روپ لے کر میرے سامنے آئی تھی۔ وہ مسکرایا۔

چلو شکر ہے آپ کے دل پر جمی برف بھی پگھلنا شروع ہوئی۔تم غلط سمجھ رہی ہو بے شک اس کی شکل عائزہ سے ملتی ہے مگر وہ عائزہ نہیں ہے۔

☆☆☆

علینہ اور رابعہ ایک کمرے میں ایک بیڈ پر سوتیں تھیں دونوں بہنیں ایک دوسرے کی گہری دوست بھی تھیں۔ ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کرتیں۔آج بھی دونوں کمبل میں گھسی سونے کی تیاریاں کر رہیں تھیں۔

رابی ’’علینہ نے آہستگی سے پکارا تو رابی بند آنکھیں کھول کر بہن کی طرف دیکھنے لگی۔

رابی۔ نئے آفس میں ویسے تو ہر چیز ٹھیک تھی مگر باس کا رویہ کچھ عجیب سا تھا۔

کیا مطلب۔رابی پوری طرح ایکٹو ہوگئی۔

مطلب یہ کہ.....اس نے مجھے دیکھا تو دیوانوں کی طرح دیکھتا چلا گیا۔پلکیں تک جھپکانا بھول گیا۔

اتنا بڑا آدمی ہو کر اتنا گھٹیا پن کیسے دکھا سکتا ہے۔رابی غصے سے بولی۔ ویسے عمر کیا تھی اس کی۔

عمر تو زیادہ نہیں تھی۔ بالکل جوان ہے بلکہ نوجوان ہے زیادہ سے زیادہ چھبیس یا ستائیس کا ہوگا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اونچی دکان اور پھیکا پکوان۔ دولت بھی ان بدکردار لوگوں کے کردار پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔رابی نے پھر زہر انڈیلا۔اسے دولت مندوں سے خدا واسطے کا بیر تھا۔نہیں رابی۔ مجھے لگتا ہے ہم دونوں غلط سمجھ رہیں ہیں میں نے ٹھنڈے دماغ سے وہی سین پھر ذہن میں دہرایا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس کی نظروں میں ہوس نہیں تھی بلکہ کچھ اور تھا وہ سوچتے ہوئے بولی۔

کچھ اور تھا۔رابی حیرت سے بولی۔ یہ کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔ وہ مجھے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی برسوں پرانی گمشدہ چیز اچانک آنکھوں کے سامنے آجائے یا پھر کوئی کھو گیا ہو اور اس کے دوبارہ ملنے کی کوئی امید نہ ہو اور وہ پھر سے سامنے آجائے۔ کچھ ایسی کی حالت تھی۔اس کی۔

پتہ نہیں تم کیا کہہ رہی ہو میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کوئی مرد کسی لڑکی کو گھورتا ہے تو کس نیت سے گھورتا ہے سبھی جانتے ہیں۔ تم پتہ نہیں کیا دلیلیں دے رہی ہو۔

اچھا ٹھیک ہے۔ رات کافی زیادہ ہوگئی ہے اب سو جاتے ہیں۔ باس کا کردار جو بھی ہوگا ایک ہفتے کے اندر اندر سامنے آ جائے گا۔ اس نے کوئی غلط حرکت کی تو نوکری چھوڑ دوں گی۔ وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی اور دونوں بہنوں نے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

دوسرے دن فائق آفس میں گیا تو مسز ہادیہ کے کیبن میں علینہ کی ٹیبل بھی سیٹ ہو چکی تھی۔ اس کی ٹیبل پر کمپیوٹر اور دوسری چیزیں بھی موجود تھیں۔ علینہ اپنی ٹیبل پر بیٹھی تھی اور مسز ہادیہ پاس کھڑی اسے کچھ سکھا رہیں تھیں۔ فائق اپنی چیئر پر بیٹھا شیشے کی دیوار کے پار انہی کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے انٹرکام کا بٹن دبایا۔ مسز ہادیہ نے فون سنا تو فائق نے کہا۔

مسز ہادیہ۔ علینہ کو میرے پاس بھیج دیں۔

جی سر۔"

ایک دو منٹ کے بعد علینہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

فائق نے نظریں اٹھائیں تو فوراً جھکا لیں۔ وہ جان بوجھ کر اس کی طرف دیکھنے سے احتراز کر رہا تھا۔ مبادا وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے۔

بیٹھئے پلیز۔ فائق نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

علینہ بیٹھ گئی تو فائق نے پوچھا۔

مسز ہادیہ کے ساتھ بیٹھ کر آپ کو کام کرنے پر کوئی اعتراض تو نہیں۔

نہیں سر۔ وہ بہت اچھی ہیں۔ بہت تعاون کر رہی ہیں میرے ساتھ۔ وہ خوش دلی سے بولی۔

گڈ۔ فائق بولا۔

مس علینہ۔

جی سر۔

میں اپنے کل والے بی ہیور کے لئے آپ سے سوری کہوں گا۔ کون سا بی ہیور سر۔ علینہ انجان بنی۔

کسی کو بلا جواز دیکھتے رہنا بھی بدتمیزی کے زمرے میں آتا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ میری ایک عزیزہ جو کہ وفات پا چکیں ہیں۔ ان کی شکل ہو بہو آپ سے ملتی تھی اسی لئے آپ کو دیکھ کر میں تھوڑی دیر

کے لئے حواس باختہ ہو گیا تھا۔

کوئی بات نہیں سر۔ ایسا ہو جاتا ہے کبھی کبھی اس وضاحت کے بعد علینہ کا دل بھی صاف ہو گیا۔

سر۔ بس۔ اب میں جاؤں۔

جی جی بالکل۔ آپ جا سکتی ہیں۔ اگر کسی چیز کی ضرورت پڑے تو بلا جھجک کہہ دیجئے گا۔

ضرور سر۔ وہ مسکرائی۔ وہ جانے کیلئے چلنے لگی تو پھر رک گئی۔

سر۔ ایک بات پوچھوں۔

پوچھیئے۔"

سر۔ آپ کی جو عزیزہ وفات پا چکیں ہیں کیا وہ آپ کو بہت عزیز تھیں۔

یہ سوال سن کر فائق گڑبڑا گیا۔ جی.....جی ہاں۔

وہ چلی گئی مگر فائق کی دنیا زیروزبر کر گئی۔ تم کیا جانو لڑکی کے وہ مرنے والی میرے لئے کیا تھی۔ میری جان تھی۔ میری زندگی تھی۔ میرا سب کچھ تھی۔

فائق کی نظریں شیشے کے اس پار دیکھنے لگیں۔ علینہ پلکیں جھکائے کسی فائل کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے پنک سوٹ پہن رکھا تھا اور پنک دوپٹے کو سر پر لپیٹ رکھا تھا۔ پنک دوپٹے کے ہالے میں اس کا شاداب چہرہ بھی پنک گلاب ہی لگ رہا تھا۔ فائق نے اس کو دیکھنا شروع کیا تو پھر نظریں ہٹانا بھول ہی گیا۔

کس قدر معصوم اور پاکیزہ چہرہ ہے۔

علینہ کو کام کرتے ہوئے اپنے چہرے پر کسی کی نگاہوں کی تپش محسوس ہو رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے اپنا شک دور کرنے کی خاطر شیشے کی دیوار کی طرف دیکھا تو فائق کو اپنی طرف دیکھتے پایا اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھر آئے۔

فائق اپنی چوری پکڑنے جانے پر خجل سا ہو گیا۔ فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اپنے سامنے کوئی فائل کھول لی۔ اسے خود پر غصہ آ رہا تھا۔ کیوں تھرڈ کلاس لوگوں کی طرح ایکٹ کر رہا ہوں جب سے یہ لڑکی آئی ہے کیوں میرے حواس پر چھا رہی ہے۔ اس نے دل میں تہیہ کر لیا کہ اب خود پر کنٹرول رکھوں گا۔ کوئی بھی ایسی ویسی حرکت نہیں کروں گا جس کی وجہ سے میرا امیج خراب ہو۔ ایک بجے سے دو بجے تک وقفہ ہوتا تھا۔ اس ایک گھنٹے میں اسٹاف لنچ وغیرہ کرتا تھا۔ آفس کی عمارت کے ساتھ ہی بہترین کینٹین بنائی گئی تھی۔ جہاں نہایت ارزاں ریٹ میں بہترین کھانا ملتا تھا چاہے کوئی وہاں جا کر کھائے یا اپنی اپنی سیٹ پر منگوائے۔

مسز ہادیہ اور علینہ نے بھی دو پلیٹ بریانی اور دو کولڈ ڈرنکس وہیں منگوا لیں۔

فائق بھی لنچ کرنے کے لئے باہر جا چکا تھا۔

مسز ہادیہ اور علینہ کھانے کے ساتھ ساتھ باتوں میں بھی مشغول تھیں۔ دونوں نے اپنا اپنا تفصیلی تعارف کروایا۔ ایک دوسرے کے حالات زندگی جانے۔ ان کی خوبصورت دوستی کا آغاز پہلے دن سے ہو چکا تھا۔ مسز ہادیہ واقعی ایک خوش اخلاق اور ملنسار خاتون تھیں۔ وہ علینہ کے والدین کی سوچ کے متعلق جان کر بہت حیران بھی ہوئیں اور خوش بھی۔

میڈم ایک بات پوچھوں۔ علینہ مسز ہادیہ کو میڈم کہہ کر ہی مخاطب کرتی تھی۔

ہاں پوچھو۔

آپ کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے یہاں کام کرتے ہوئے۔

تقریباً چار سال۔ ایک سال فائق صاحب کے والد صاحب کے انڈر کام کیا تھا۔ اللہ مغفرت کرے۔ وہ بھی بہت شفیق انسان تھے۔ اب تین سال ہونے کو آ رہے ہیں فائق کے ساتھ کام کرتے ہوئے۔ یہ بھی بہت نائس انسان ہیں۔ دفتر کا ماحول کیسا ہے۔ اس نے پھر کریدا۔

بھئی جب مالک اتنے شریف اور مہذب ہیں تو کسی ملازم کی کیا مجال ہے کہ وہ کسی غیر اخلاقی حرکت یا بدتمیزی کا مظاہرہ کرے۔

مسز ہادیہ کا یہ اعتماد دیکھ کر علینہ بھی چپ ہو گئی۔

☆☆☆

دوسرے دن علینہ اپنی سیٹ پر بیٹھی کام کر رہی تھی کہ اسے پھر وہی کل والا احساس ہوا کہ اسے کوئی دیکھ رہا ہے۔ اس نے فٹ سے فائق کی طرف دیکھا تو وہ فائل میں کھویا ہوا تھا۔ اسے اپنی سوچ پر شرمندگی ہوئی۔ وہ پھر سے کام میں مگن ہو گئی۔ بال بال بچا ہوں۔ فائق گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اب میں پورا دن اس لڑکی کی طرف نہیں دیکھوں گا لیکن خود سے کئے گئے اس وعدے پر وہ زیادہ دیر ڈٹ نہ سکا۔ بڑی مشکل سے اس نے پندرہ بیس منٹ نکالے اور نگاہ پھر سے وہاں جا ٹکی۔ وہ اس کو چوری چوری دیکھنا چاہتا تھا مگر اس لڑکی کی کامن سینس غضب کی تھی۔ یونہی وہ اسے دیکھتا وہ فٹ سے نظریں اٹھا کر دیکھنے لگتی۔ اس پر اسے شرمندگی سے دوچار ہونا پڑتا۔

آخر کیا ہے اس کے چہرے میں جو میں دیوانوں کی طرح اس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ خود پر جھنجلایا۔

فائق احمد رزاقی۔ یہ چہرہ کوئی عام چہرہ نہیں۔ یہ چہرہ تمہاری محبت، جان سے پیاری محبوبہ کے چہرے سے گہری مشابہت رکھتا ہے۔ اس لئے تم اس چہرے کو بار بار دیکھنا چاہتے ہو۔ اسے دل میں بسانا

چاہتے ہو۔ اس کی پرستش کرنا چاہتے ہو۔ اس کے اندر سے یہ آوازیں آنے لگیں تو اس نے آنکھیں بند کر کے کرسی سے ٹیک لگا لی۔

علینہ نے کام کرتے ہوئے کن انکھیوں سے فائق کی طرف دیکھا تو وہ آنکھیں بند کئے کرسی پر جھول رہا تھا۔ کوئی اندرونی کرب اس کے چہرے پر جھلک رہا تھا۔

پتہ نہیں اس بندے کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ علینہ اس کی طرف دیکھ کر سوچنے لگی۔

میڈم"

ہوں۔

ایک بات پوچھوں۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

پوچھو۔ مسز ہادیہ اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

یہ جو ہمارے باس ہیں۔ مسٹر فائق کریکٹر وائز کیسے ہیں۔

مسز ہادیہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ کیا مطلب۔

مطلب یہ کہ مجھے ان کا کردار ٹھیک نہیں لگتا۔ کچھ مشکوک سا لگتا ہے۔ علینہ نے رازداری سے دھیمی آواز میں بتایا۔

میڈم ہادیہ نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی کو دبایا۔ دیکھو تم نے انکشاف تو بڑا زبردست کیا ہے اب اس کی وضاحت بھی دینی پڑے گی مگر ابھی نہیں کام کے وقت باتیں کرنا الاؤڈ نہیں۔ تم پوری بات تفصیل کے ساتھ مجھے بریک کے وقت بتانا۔ اوکے۔

اوکے۔ علینہ نے سعادت مندی سے سر ہلایا اسے میڈم ہادیہ بڑی اپنی اپنی سی لگنے لگیں تھیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ مسز ہادیہ سے سب کہہ دے۔

بالآخر بریک ہو گئی۔ فائق اٹھ کر باہر چلا گیا تو مسز ہادیہ نے پوچھا۔ ہاں اب بتاؤ کیا کہہ رہی تھی۔ مسز ہادیہ مسکرا رہیں تھیں۔

میڈم بات یہ ہے کہ پھر علینہ نے ان دونوں میں پیش آنے والے حالات و واقعات ان کے گوش گذار دیئے۔

واقعی.....اب کہ وہ واقعی حیران ہوئیں۔ مجھے فائق سے اس رویئے کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

میں تو خود حیران ہوں اور اب موصوف مجھے چوری چوری دیکھتے ہیں مگر جب میں نظریں اٹھاتی ہوں تو گھبرا کر دائیں بائیں جھانکنے لگتے ہیں۔

مجھے تو یہ کوئی اور ہی معاملہ لگتا ہے۔مسز ہادیہ نے تجسس پھیلایا وہ کیا۔علینہ نے پوچھا۔

پہلی نظر کی محبت۔وہ تمہیں دیکھتے ہی اپنا دل ہار بیٹھے ہیں۔مسز ہادیہ بڑی دور کی کوڑی لائیں۔

کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔علینہ یہ سن کر لال ہوگئی یہ سب کتابی باتیں ہیں۔

تم ہو ہی اتنی خوبصورت۔کوئی بھی دیکھے تو لٹو ہو جائے۔

میڈم۔اب آپ تنگ کر رہی ہیں۔علینہ مصنوعی ناراضگی سے بولی۔چلو آج کینٹین میں چل کر کھانا کھاتے ہیں۔آدھا وقت تو باتوں میں گذر گیا۔مسز ہادیہ نے کہا تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

اس سے اگلے دن بھی وہی آنکھ مچولی جاری رہی۔کبھی وہ فائق کی چوری پکڑ لیتی تو کبھی فائق صاف بچ جاتا مگر اس صورت حال میں علینہ خود کو ان کمفرٹیبل محسوس کرتی۔وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگتی۔

اس مسئلے کو حل کرنا چاہیے۔یہ صاحب اسی طرح مجھے گھورتے رہے تو میں کام کرنے سے رہی۔آج بریک ٹائم میڈم سے بات کروں گی۔وہ دل ہی دل میں سوچتی رہی۔بریک ہونے کی دیر تھی کہ وہ شروع ہوگئی۔

میڈم آپ ایسا کریں۔اپنی ٹیبل میری ٹیبل سے بدل لیں مطلب یہ کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی جگہ پر بیٹھ جاتی ہیں۔

ایسا کیا ہوگیا۔مسز ہادیہ کو اندازہ تھا کہ وہ کیا کہنے والی ہے۔

وہی مسئلہ۔فائق صاحب مجھے چوری چوری دیکھتے ہیں اس نے رونی صورت بنائی۔تو مسز ہادیہ ہنس پڑیں۔

تو دیکھنے دو تمہارا کیا جاتا ہے۔

میڈم۔پلیز بی سیریس۔مجھ سے ایسے کام نہیں ہوگا۔

بھئی دیکھو۔میری بات کو غلط نہ سمجھنا۔اگر وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے تم سے شادی کرنا چاہے تو اس میں حرج کیا ہے۔راج کروگی۔راج۔

میڈم یہ ناممکن ہے۔وہ ہائی کلاس کا ایک رئیس زادہ اور میں مڈل کلاس کی ایک عام سی گھریلو لڑکی۔ہمارا اور ان کا کوئی جوڑ میل نہیں۔یہ لوگ ہم جیسی لڑکیوں سے شادی نہیں کرتے صرف ٹائم پاس کرتے ہیں۔علینہ کسی خوش فہمی کو دل میں جگہ دینا نہیں چاہتی تھی۔

تمہارا خیال غلط بھی تو ہوسکتا ہے۔سارے لوگ ایک جیسے تو نہیں ہوتے۔ہمارے آفس میں کتنی لڑکیاں کام کرتی ہیں اور ان میں سے کئی کافی خوبصورت بھی ہیں مگر باس نے کبھی کسی لڑکی کو نظر اٹھا کر نہیں

دیکھا۔آخر تم میں کوئی تو خاص بات ہوگی۔جو وہ تمہیں دیوانہ وار دیکھتے ہیں۔وہ پھر سے شوخ ہوئیں۔تو علینہ دانتوں سے اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔

اچھا بتاؤ کیا کھانا ہے۔یہیں منگوا لیتے ہیں۔

☆☆☆

آج علینہ گھر پہنچی تو دونوں آپیاں بمع اپنے بچوں کے گھر میں موجود تھیں۔رابی بہنوں اور بھانجوں کی خدمتوں میں مصروف تھی۔امی اور ابو اپنے نواسوں اور نواسیوں کے لاڈ پیار میں لگے ہوئے تھے جبکہ فاخرہ اور وجیہہ اپنے اپنے سسرالیوں کے عادات اطوار پر روشنی ڈال رہی تھیں۔علینہ گھر میں داخل ہوئی تو بچوں کی فوج اس سے لپٹ گئی۔وہ بھی باری باری سب بچوں کو پیار کرنے لگی۔

ارے علینہ اچھی جاب کیا مل گئی تمہارا دماغ تو ساتویں آسمان پر پہنچ گیا ہے۔فاخرہ نے شکایت کی۔

وہ کیسے۔علینہ بہن سے لپٹتے ہوئے بولی۔

وہ ایسے کہ نہ کبھی ملنے آئی نہ کبھی فون کیا۔اب ایسی بھی کیا مصروفیت۔

آپی آئی ایم سوری۔واقعی کافی دنوں سے مصروفیت ہی اتنی رہی ہے کہ فون کرنے کا بھی ٹائم نہیں ملا۔صبح صبح آفس کو جاتی ہوں شام چھ بجے آفس آف ہوتا ہے۔گھر تک آتے آتے ساڑھے چھ بج جاتے ہیں پھر کپڑے چینج کر کے امی کا تھوڑا ہاتھ بٹاتی ہوں پھر رات کا کھانا کھا کر رات کو ہی برتن دھو کر بیڈ روم کا رخ کرتی ہوں اور پھر جب بیڈ پر گرتی ہوں تو صبح تک کوئی ہوش نہیں رہتا۔کئی دفعہ تو کوئی دفتری فائل بھی گھر لے آتی ہوں جو سونے سے پہلے دیکھتی ہوں۔

بھئی تم نے تو وضاحت کے نام پر پورا لیکچر دے ڈالا۔فاخرہ اب لاجواب ہو رہی تھی۔

اب آئندہ آپی علینہ کی نیت پر کوئی شک نہ کرے۔رابی پکوڑے اور چائے لے کر آئی تو اس نے آتے آتے لقمہ دیا۔

چائے کے ساتھ پکوڑوں نے خاصا لطف دیا۔علینہ کی تو ساری تھکاوٹ بہنوں اور ان کے بچوں کو دیکھ کر اتر گئی۔

رات کو علینہ سونے کے لئے لیٹی تو اس کے ذہن میں مسز ہادیہ کا جملہ گونجنے لگا۔

کہیں فائق صاحب تمہیں دل ہی دل میں پسند تو نہیں کرنے لگے۔کیا ایسا ہوسکتا ہے۔وہ سوچنے لگی۔پھر اس نے سر جھٹکا ایسا کبھی نہیں ہوسکتا اس جیسے آدمی کیلئے لڑکیوں کی کیا کمی۔ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی اس کی طرف مائل ہوسکتی ہے۔اس کی زندگی میں شامل ہوسکتی ہے۔میرے جیسی معمولی لڑکی میں اسے کیا

دلچسپی ہو سکتی ہے مگر اس کا میری طرف والہانہ دیکھنا اس بات کے پیچھے بھی ضرور کوئی راز پوشیدہ ہے اور اس بات کا میں ضرور کھوج لگاؤں گی۔

دوسرے دن وہ اپنے کیبن میں بیٹھی معمول کے مطابق کام کر رہی تھی۔ صبح آتے ہی انہیں بذریعہ میل کام کا مینول جاتا تھا اور وہ سارا دن اسی کے مطابق کام کرتیں تھیں۔ درمیان میں اضافی کام آتا تو اسے بھی نمٹاتیں جاتیں تھیں۔ دفتر کا ماحول علینہ کو بہت پسند تھا۔ پورا دفتر سنٹرلی اے۔سی تھا۔ جگہ جگہ منرل واٹر کے کولر لگے ہوئے تھے۔ چائے اور کافی کی مشینیں بھی لگی ہوئی تھیں۔ لنچ پسند کا کینٹین سے آتا تھا جس کا دل چاہتا دفتر میں کھا لیتا ورنہ کینٹین میں چلا جاتا مگر ساتھ ہی کام کا شیڈول بھی بہت سخت تھا۔ صبح نو سے ایک بجے اور دوپہر دو سے شام چھ بجے تک انہیں فرصت کے بہت کم لمحات میسر آتے جن میں وہ دونوں آپس میں بات چیت کر سکتیں۔ ٹھیک چھ بجے چھٹی ہو جاتی اور جیسے ہی وین میں جانے والی خواتین کی تعداد پوری ہو جاتی۔ ڈرائیور گاڑی نکال لیتا تھا۔ ساڑھے چھ بجے تک وہ گھر آ جاتی تھی۔

شروع شروع میں اسے یہ روٹین سخت لگی تھی مگر چند ہفتے بعد وہ اس روٹین کی عادی ہو گئی اور پھر اسے کام کرنے میں مزا آنے لگا۔ کام پر مکمل دسترس حاصل کرنے کے بعد وہ کام پر حاوی ہونے لگی اور نئے نئے مسائل کا حل خود ہی تلاش کرنے لگی۔ شاید اسی لئے تین مہینے ہوتے ہی اسے کنفرمیشن مل گئی۔ اور پھر اس کی تنخواہ میں بھی پورے تیس فیصد کا اضافہ ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کمپنی اس سے پوری طرح مطمئن تھی۔ اور اس کے کام سے خوش تھی۔

دفتر کا ماحول فائق کے حکم سے ایسا بنا دیا گیا تھا کہ کوئی بھی مرد کسی لڑکی یا عورت سے بے تکلف ہونے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہر کوئی اپنے کام سے کام رکھتا تھا کیونکہ ماضی میں بعض مردوں کو جو عورتوں کا احترام نہیں کرتے تھے اور ان سے منفی تعلق قائم کرنا چاہتے تھے۔ بلا تردد فارغ کر دیا گیا قطع نظر اس کے کے وہ کمپنی کے لئے کتنے کارآمد تھے۔ اس کے بعد سے رنگین مزاج لوگ مزید محتاط ہو گئے اور جو اچھی فطرت کے تھے۔ انہوں نے دفتر کے ماحول کو مزید بہتر بنایا۔

فائق نے بھی اب خود پر کافی حد تک قابو پا لیا تھا۔ اب وہ بلا ضرورت علینہ کی طرف دیکھنے سے اجتناب ہی برتتا تھا۔ ہاں کبھی کبھار غیر ارادی طور پر نظریں اٹھ جاتیں تو وہ بعد میں خود کو سرزنش کرتا۔ علینہ بھی اب اس کی نظروں کی عادی ہو گئی تھی۔ اب فائق کے دیکھنے سے نہ تو وہ جز بز ہوتی اور نہ ہی ناگواری محسوس کرتی وہ جان گئی کہ فائق بری فطرت کا مالک نہیں بلکہ اس کے ساتھ کوئی نفسیاتی مسئلہ ہے۔ اب کیا مسئلہ ہے یہ وہ جان نہیں پا رہی تھی اور پھر آخر ایک دن وہ جان ہی گئی کہ فائق جیسا مہذب اور سلجھا ہوا انسان کیوں اسے

دیوانہ وار دیکھتا رہا ہے۔

اس دن بھی وہ معمول کے مطابق اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھیں کام کر رہی تھیں۔ مسز ہادیہ کسی فائل میں مصروف تھیں جبکہ علینہ کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہی تھی کہ اس کی نظر فائق کے کیبن کی طرف چلی گئی جہاں ایک لڑکی کھڑی فائق سے ہنس ہنس کر بات کر رہی تھی۔ علینہ کی خوبصورت انگلیاں کی بورڈ پر چلتے چلتے رک گئیں۔ وہ پر تجسس نگاہوں سے اس لڑکی کی طرف دیکھنے لگی اچانک وہ لڑکی اسی کی طرف دیکھنے لگی۔ علینہ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر گڑبڑا گئی اور پھر سے کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس نے پھر کن اکھیوں سے دیکھا تو وہ لڑکی فائق کے ساتھ انہی کے کیبن کی طرف آ رہی تھی۔ علینہ نروس ہونے لگی۔ پتہ یہ کون ہے۔ فائق سے اس کا کیا رشتہ ہے جو بھی ہو مجھے کیا۔ اتنے میں وہ دونوں ان کے کیبن میں اندرونی دروازے کے ذریعے داخل ہوئے۔ مسز ہادیہ بھی چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

ہیلو ایوری باڈی۔ فائق نے انہیں متوجہ کیا۔

اڑاز مائی لولی سسٹر۔ ہانیہ۔

ہیلو' ہانیہ نے مسکراتے ہوئے علینہ سے ہاتھ ملایا اس کی نگاہیں جیسے علینہ کے چہرے پر جم کر رہ گئیں تھیں۔ اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات تھے جنہیں وہ چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ ہانیہ یہ ہمارے آفس کی نئی ورکر مس علینہ۔ کہنے کو تو تین مہینے پہلے ان کا تقرر ہوا ہے مگر اپنی قابلیت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ اسی بنا پر اس آفس میں ایک سٹرانگ جگہ بنا چکی ہیں۔ تھینک یو سر۔ فائق کی تعریف اسے بہت اچھی لگی۔

اور یہ مسز ہادیہ۔ ہماری ایک سینئر اور قابل ورکر ہیں۔

شکریہ سر۔ مسز ہادیہ بھی خوشدلی سے بولیں۔

آپ کی بڑی تعریف سنی ہے بھائی سے۔ وہ مخاطب تو مسز ہادیہ سے تھیں مگر اس کی نگاہ کا مرکز ابھی تک علینہ ہی تھی۔ چند منٹ کے بعد دونوں بہن بھائی اپنے آفس میں چلے گئے۔

وہاں دس پندرہ منٹ ہانیہ بیٹھی پھر چلی گئی۔ ان دس پندرہ منٹوں میں بھی ہانیہ نے متعدد بار علینہ کی طرف دیکھا تھا۔ ان دونوں بہن بھائیوں کا رویہ علینہ کو الجھن میں مبتلا کر رہا تھا مگر وہ چپ رہنے پر مجبور تھی۔ وہ کیسے ان سے پوچھ سکتی تھی کہ وہ اسے اتنا کیوں دیکھتے ہیں۔

اس دن شام کو وہ گھر پہنچی تو خود بھی آئینے کے سامنے کھڑی اپنے چہرے کو دیکھتی رہی۔ آخر کیا بات ہے۔ کون سی خاص چیز ہے میرے چہرے میں۔ ان لوگوں نے تو مجھے بھی نفسیاتی مریضہ بنا دینا ہے کیا کروں جاب چھوڑ دوں۔ نہیں اتنی اچھی جاب ملی ہے۔ جب تک شادی نہیں ہوتی کرتی رہوں گی۔ اس نے فیصلہ

کیا آپ بھی پابندی سے نماز پڑھتیں ہیں۔

نہیں۔کبھی کبھار ڈنڈی مار جاتی ہوں۔اس نے آنکھ دبا کر قہقہہ لگایا تو علینہ بھی مسکرا پڑی۔

اور.....فائق صاحب۔وہ بھی نماز پڑھتے ہیں۔

کیا مطلب .....کیا تمہیں ان کے مسلمان ہونے پر شک ہے۔ ہانیہ نے جملہ کسا تو علینہ جھینپ گئی۔

میرا یہ مطلب ہرگز نہ تھا۔میرا مطلب تو یہ تھا.....

اے لڑکی ایزی یار.....تم تو مذاق کو بھی سیریس لے لیتی ہو۔وہ باتیں کر رہی تھیں کہ ساجدہ ٹرالی کو دھکیلتے ہوئے آئی جو مختلف لوازمات سے لدی ہوئی تھی۔

آپ نے اتنا تکلف کیوں کیا۔ساجدہ ٹرالی سے پلیٹیں نکال نکال کر ٹیبل پر سجانے لگی تو علینہ پھر سے نروس ہونے لگی۔

کوئی خاص تکلف نہیں کیا اب تم میری دوست بن گئی ہو تو یہ غیروں والی باتیں نہ کیا کرو۔

وہ کھانے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتیں جا رہیں تھیں۔ہانیہ نے تفصیلاً اسے اپنے حالات زندگی بتائے۔یہ بھی بتایا کہ فائق کی منگنی ہونے کے بعد اسے اور اس کی منگیتر کو کیا حادثہ پیش آیا تھا اور اس حادثے نے ان کی زندگی پر کیا اثرات مرتب کئے تھے۔کیسے ان کے پاپا اور بی جان اس حادثے کے زیر عتاب آئے تھے اور زندگی سے منہ موڑ کر چلے گئے تھے۔اس گھر میں ہر وقت قہقہے گونجتے تھے۔

جہاں اب خاموشیوں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ہانیہ اداسی سے بولی تو علینہ بھی غمگین ہوگئی۔

وہ یہ ساری باتیں سن کر بڑی دکھی ہوگئی۔اسے اس فیملی سے بڑی ہمدردی اور اپنایت سی محسوس ہو رہی تھی۔

ارے تم کچھ کھا کیوں نہیں رہی۔اتنی جلدی ہاتھ کھینچ لیا کچھ اور لو نا۔ہانیہ نے اصرار کیا۔

نہیں۔ میں نے بہت کھا لیا ہے اب اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔ چلو میں تمہیں اپنا گھر دکھاؤں۔تب تک امی بھی جاگ جائیں گی۔وہ علینہ کو گھوم پھر کر سارا گھر دکھانے لگی۔پھر اسے اوپری منزل پر لے گئی۔اوپر سارے کمرے دیکھنے کے بعد فائق کے کمرے کے آگے کھڑی ہوگئی۔یہ فائق بھائی کا کمرہ ہے اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔فائق کے کمرے کا سن کر علینہ کا دل دھڑکنے لگا۔

ہانیہ نے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئیں۔

علینہ کو یوں لگا جیسے کسی شہزادے کے کمرے میں داخل ہوگئی ہو۔ہر چیز سے امارت اور نفاست چھلک رہی تھی، وہ اس وسیع و عریض کمرے کو گھوم پھر کر دیکھ رہی تھی کہ ایک دیوار پر ایک بڑے سائز کی تصویر لگی دیکھ کر ٹھٹک

گئی۔وہ تصویر عائزہ کی تھی۔علینہ تصویر دیکھ کر جیسے پتھر کی بن گئی ہو۔اس تصویر میں عائزہ سرخ رنگ کے کپڑے پہنے بالوں کو ایک سائیڈ پر کئے مسکرا رہی تھی۔اس کی مسکراہٹ بڑی پرکشش اور دلآویز تھی۔علینہ تصویر کو ایک ٹک دیکھے چلے جا رہی تھی۔وہ جیسے اپنے ہواس میں نہ رہی تھی۔ہانیہ کبھی اسے اور کبھی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔وہ سمجھ رہی تھی کہ اس وقت علینہ کی کیا حالت ہے۔چند لمحوں بعد ہانیہ نے علینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ جیسے ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔

یہ تصویر.....وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔

یہ تصویر فائق بھائی کی منگیتر عائزہ کی ہے۔ہانیہ نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

یہ.....علینہ پھر سے ہکلائی۔

ہاں.....اس کی شکل ہو بہو تم سے ملتی ہے۔

وہ علینہ کو لے کر وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔اب تم بخوبی سمجھ گئی ہوگی کہ فائق بھائی نے جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تو ان کا بی ہیور اتنا عجیب کیوں تھا کیوں وہ تمہیں دیوانوں کی طرح دیکھے جا رہے تھے۔

ہاں آج میں ہر بات سمجھ گئی ہوں۔ مجھے میری ہر الجھن کا حل مل گیا ہے۔اسی لئے آپ بھی پہلی ملاقات پر مجھے مسلسل دیکھے جا رہیں تھیں۔

ہاں۔میں بھی اتنی گہری مشابہت پر بہت حیران تھی۔

کتنا عجیب اتفاق ہے۔علینہ نے جواب دیا۔

عجیب نہیں۔حسین اتفاق کہو۔ہانیہ نے مسکرا کر علینہ کا ہاتھ دبایا شاید تمہیں پا کر میرا بھائی پھر سے جینا شروع کر دے۔

یہ آپ کیا کہہ رہیں ہیں۔علینہ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

ٹھیک کہہ رہی ہوں۔عائزہ کی موت نے بھائی کو بالکل توڑ کر رکھ دیا ہے۔بظاہر وہ سنبھل گئے ہیں مگر اندر سے وہ بالکل کمزور اور تنہا ہیں۔عائزہ کی موت نے انہیں کسی آکٹوپس کی طرح جکڑ رکھا ہے۔ان کے دل و دماغ پر آج بھی عائزہ کی حکمرانی ہے۔وہ اس کی یادوں سے دل بہلاتے ہیں۔تنہائی میں اس کی تصویروں سے باتیں کرتے ہیں۔عائزہ کی یادوں کا یہ عفریت بھائی پر پوری طرح حاوی ہے۔میں چاہتی ہوں کہ بھائی اس کی یادوں سے آزادی حاصل کرے۔اسے بھول جائے۔میں ڈرتی ہوں کہ کہیں یہ عفریت میرے بھائی کو نگل نہ لے۔بھائی کو زندگی کی طرف لوٹانے میں تم مدد کرو گی۔

میں.....وہ شاکڈ رہ گئی۔

ہاں تم.....

مگر.....میں کیسے کرسکتی ہوں.....

جانتی ہوں بہت مشکل کام ہے مگر ناممکن نہیں۔ اگر تم بھائی کا دل جیت کر اس کی زندگی میں شامل ہوگئی تو تمہارا احسان ہوگا مجھ پر اور زندگی بھر میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔ بولو کروگی نا یہ احسان مجھ پر۔ وہ التجائیہ لہجے میں بولی۔ تو علینہ پگھلنے لگی۔

مگر مجھے ایسے کاموں کا کوئی تجربہ نہیں۔ وہ نظریں جھکاتے ہوئے بولی۔

کیسے کاموں کا۔ ہانیہ حیران ہوئی۔

یہی.....مردوں کی توجہ حاصل کرنے کا۔ وہ شرم سے لال ہوکر بولی تو ہانیہ مسکرانے لگی۔

اب یہ تمہارا کام ہے تم کیسے بھائی کی توجہ حاصل کرتی ہو۔ کیسے انہیں اپنی جانب مائل کرتی ہو۔ ویسے ایک خوبصورت عورت کے لئے کسی مرد کی توجہ اپنی جانب کھینچنا زیادہ مشکل کام نہیں ہوتا۔

اوکے۔ میں کوشش کروں گی۔ ویسے بھی شادی تو کرنی ہی ہے تو پھر آپ کا بھائی ہی سہی۔

تھینک یو سو مچ۔ ہانیہ نے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیئے۔

چلو اب نیچے چلتے ہیں میں تمہیں ماما سے ملواتی ہوں۔ وہ دونوں نیچے آئیں تو بیگم فریحہ جائے نماز پر بیٹھی دعا مانگ رہیں تھیں۔

وہ دونوں ان کے کمرے میں ان کے پاس بیٹھ گئیں۔ وہ نیچے قالین پر ہی بیٹھ گئیں تھیں۔ فریحہ نے دعا مانگ کر دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے اور ان کی طرف متوجہ ہوئیں مگر علینہ کے چہرے پر ان کی نظر جم کر رہ گئی۔ ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اب علینہ کسی الجھن میں مبتلا ہونے کی بجائے ہلکا ہلکا مسکرا رہی تھی۔

کون ہے یہ لڑکی۔ ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

ماما یہ میری دوست ہے علینہ۔ بھائی کے دفتر میں کام کرتی ہے۔

بھائی کے دفتر میں کام کرتی ہے۔ وہ حیرت سے بولیں۔ مگر فائق نے تو کبھی ذکر نہیں کیا۔

ماما۔ بھائی کے دفتر میں کئی لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ تو کیا وہ ان کا ذکر گھر میں کرتے ہیں۔ ہانیہ شرارت سے بولی۔

تم جانتی ہو کہ میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔ اس لڑکی کی شکل عائزہ سے بہت زیادہ ملتی ہے۔

ہاں ماما۔ بھائی نے جب اسے پہلی مرتبہ دیکھا تھا تو شاکڈ رہ گئے تھے۔ بھائی نے گھر آکر مجھ سے

بھی ذکر کیا تھا۔ پھر میں بھی اسے دیکھنے کے لئے اسپیشل دفتر گئی تھی۔ ہم دونوں بہن بھائیوں کا رویہ دیکھ کر یہ کافی پریشان ہوگئی تھی۔ اس لئے آج اسے گھر لاکر ساری کہانی بتائی ہے اور اس کی کنفیوژن دور کی ہے۔ اب یہ ساری بات سمجھ گئی ہے۔ سمجھ گئی ہونا۔ ہانیہ نے ذومعنی لہجے میں پوچھا تو علینہ گھبرا گئی۔ اچھا اب مجھے چھوڑ آئیں۔ دو گھنٹے ہوگئے ہیں آفس سے نکلے ہوئے۔

بیٹی آئندہ بھی آتی رہنا۔ فریحہ نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو ہانیہ بول پڑی۔ اس نے اب کہاں جانا ہے۔ بیگم فریحہ نے گھورا تو فوراً بات بدل کر بولی۔ میرا مطلب ہے۔ میری دوست بن گئی ہے تو اب آنا جانا تو لگا ہی رہے گا۔ کیوں علینہ۔

ہاں.....ہاں بالکل اب چلیں۔ علینہ جانے کے لئے بے چین ہو رہی تھی۔ پھر وہ دونوں بیگم فریحہ سے اجازت لے کر گھر سے نکل پڑیں اور پندرہ بیس منٹ میں علینہ اپنے آفس میں بیٹھی اپنا کام نپٹا رہی تھی۔ آج اسے کام کرنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ چند لمحے تو اس سے کوئی کام ہو ہی نہیں رہا تھا۔ اب اس نے کام شروع کیا تھا۔ ایک عجیب سا ہیجان اس کے رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔ مسز ہادیہ اس سے سب کچھ جاننے کے لئے بے چین ہو رہیں تھیں۔ مگر اس وقت دونوں کے پاس وقت نہیں تھا۔ اب ان کو کل دوپہر ایک بجے تک صبر کرنا تھا۔ کیونکہ ایک سے دو بجے تک وقفہ برائے لنچ ہوتا تھا۔

☆☆☆

دوسرے دن بالآخر خدا خدا کر کے ایک بج ہی گیا۔ مسز ہادیہ جو بمشکل وقت کاٹ رہیں تھیں۔ ایک بجتے ہی شروع ہوگئیں۔

بتاؤ نا۔ علینہ تمہیں فائق کی بہن کہاں لے کر گئی تھی۔

اپنے گھر لے کر گئیں تھیں۔ اپنی ماما سے ملوایا تھا جو کہ بہت نائس خاتون ہیں۔

بس۔ مگر کیوں۔ مسز ہادیہ بھی بات کی تہہ تک جانے بنا ٹلنے والی نہیں تھیں۔

بس یونہی۔ علینہ لاپرواہی سے بولی۔

دیکھو علینہ تم کوئی بات مجھ سے چھپا رہی ہو۔ وہ شک زدہ لہجے سے بولیں۔ تو علینہ مسکرانے لگی۔

میں کیا چھپاؤں گی بھلا۔ وہ مسکرائی کچھ تو ہے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ بات کوئی اور ہے۔ تو پھر سنیں۔ علینہ سنجیدگی سے بولی۔ فائق صاحب کی منگیتر جو کہ ایک ایکسیڈنٹ میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی ہے اس کی شکل مجھ سے ہو بہو ملتی ہے اس کی تصویر دیکھ کر تو میں بھی چکرا گئی تھی۔

اوہ تو یہ وجہ تھی جو فائق صاحب تمہیں اس طرح چوری چوری دیکھتے تھے۔ میں بھی کہوں کہ دوران

ملازمت کبھی ان کی کوئی اوچھی یا چھچھوری حرکت زیر نوٹس نہیں آئی۔ تو پھر تمہارے ساتھ ایسا رویہ کیوں۔ اب ساری بات سمجھ میں آ گئی ہے۔ وہ سر ہلاتے ہوئے بولیں۔ تمہیں یقیناً وہ اس لئے اپنے گھر لے کر گئی تھی کہ تمام حقیقت تمہیں بتا کر تمہاری کنفیوژن دور کر سکے اور تمہارے دل میں فائق کے خلاف کوئی بدگمانی نہ پیدا ہو سکے۔ اٹ از رائٹ؟ بالکل۔ علینہ نے تائید کی۔

پھر بھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ تمہیں اتنی وضاحتیں کیوں پیش کر رہی ہے۔ تم ان لوگوں کے لئے اتنی اہمیت کیوں اختیار کر رہی ہو۔ مسز ہادیہ دور کی کوڑی لائیں۔

اب میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ علینہ نے کندھے اچکائے۔

میں تو یہی کہوں گی۔ تمہاری تو نکل پڑی۔

کیا" علینہ نے حیرانی سے پوچھا۔

لاٹری۔" ہادیہ نے جواب دیا تو دونوں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ میڈم آپ بالکل غلط سمجھ رہیں ہیں۔

ٹھیک کیا ہے تم بتا دو۔ بھئی اتنے امیر اور ہینڈسم بندے کے دل کا مکان خالی ہے۔ اس مکان پر فوراً قبضہ کر لو اور ساری عمر حکومت کرو۔ اگر تم نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا تو تم جیسی بیوقوف اور گھامڑ لڑکی دنیا میں نہ ہوگی۔

میڈم اگر یہ لوگ باعزت طریقے سے میرا رشتہ میرے والدین سے مانگیں گے اور میرے والدین نے بھی اس رشتے پر کوئی اعتراض نہ کیا تو پھر مجھے بھی یہ رشتہ قبول ہوگا۔ وگرنہ نہیں۔ مجھے اپنی انا اور عزت سے بڑھ کر کوئی چیز پیاری نہیں۔

مرضی ہے تمہاری۔ آج کل کی لڑکیاں تو اپنی قسمت خود ہی بنا لیتی ہیں۔ ایک تم ہو جو آج بھی ایک صدی پرانی سوچ رکھتی ہو۔

چلیں چھوڑیں یہ باتیں جلدی سے بتائیں کھانے کے لئے کیا منگوایا جائے بڑی بھوک لگ رہی ہے۔ علینہ نے بات بدلنے کی خاطر کہا ورنہ بھوک تو اس کی کل سے اڑ گئی تھی۔ نوالہ منہ میں ڈالتی تو پھولنے لگتا۔ نگلنا مشکل ہو جاتا۔ رات کو بھی ٹھیک سے سو نہ پائی تھی۔ رات بھر ہانیہ کی کہی گئیں باتیں اس کے ذہن میں گونجتی رہیں تھیں اور پھر سونے کے دوران بھی اسی قسم کے خواب نظر آتے رہے۔ ایک خواب میں اس نے دیکھا ہانیہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی رو رہی ہے۔

علینہ پلیز میرے بھائی کو عائزہ کے چنگل سے چھڑوا دو۔ اسے اس عفریت سے بچا لو۔ یہ عفریت اس کی جان لے لے گا۔ یہ خواب دیکھ کر وہ پسینے میں شرابور ہو گئی تھی۔ وہ خوفزدہ ہو کر اٹھ بیٹھی تھی۔ اس کا حلق سوکھ کر کانٹا ہو رہا تھا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا پانی کا گلاس اٹھایا اور غٹا غٹ پی گئی۔ اس نے دیکھا کہ

رابی بے سدھ گہری نیند سو رہی ہے وہ بھی لیٹ گئی۔ پھر باقی رات بھی اس نے سوتے جاگتے گذار دی۔

آج آفس میں بھی اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ بار بار دھیان فائق کی طرف جاتا مگر وہ اس کی حالت سے قطعی بے نیاز اپنے کام میں مصروف تھا۔

لنچ ٹائم مسز ہادیہ نے پھر سے یہی ٹاپک چھیڑ دیا۔ کھانے کے دوران دونوں چپ چاپ کھانا کھا رہیں تھیں۔ علینہ کھانے کے دوران بھی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ بریک کا وقت ختم ہو گیا۔ ٹی بوائے نے آ کر برتن اٹھائے ٹیبل صاف کی اور وہ دونوں پھر سے کام میں مصروف ہو گئیں۔ ابھی آدھا گھنٹہ ہی گذرا تھا کہ اچانک مسز ہادیہ درد سے چلانے لگیں۔ انہوں نے پیٹ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ ان کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا۔

علینہ ان کی طرف لپکی۔ فائق بھی شور کی آواز سن کر ادھر آ گیا تھا۔ کیا ہوا ہے ان کو۔ فائق نے علینہ سے پوچھا۔

پتہ نہیں سر۔ اچانک ہی چلانے لگیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک بالکل ٹھیک تھیں۔

مسز ہادیہ۔ فائق نے انہیں پکارا پھر ان کا چہرہ ہلایا مگر وہ ہوش سے بیگانہ ہو چکیں تھیں۔ ان کا جسم پسینے سے تر بتر ہو رہا تھا۔ وہ فائق کی بانہوں میں جھول رہیں تھیں۔

اوہ مائی گاڈ۔ مس علینہ فوراً باہر سے پی اِن کو بلائیں۔

علینہ بھاگتی ہوئی باہر گئی اپنے ساتھ پی اِن کو لے آئی۔

ریاض جلدی سے انہیں میری گاڑی تک پہنچاؤ۔ ٹی بوائے کو ساتھ لگاؤ۔ ریاض فوراً ٹی بوائے کو لے کر آ گیا دونوں نے مسز ہادیہ کو اٹھایا۔ فائق نے بڑی سرعت سے دفتری ٹیبل سے اپنی گاڑی کی چابی نکالی اور علینہ سے بولا آپ بھی میرے ساتھ آئیں۔

علینہ جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہیں تھیں۔ فوراً موبائیل اٹھا کر فائق کے ساتھ ہو لی۔

فائق نے باہر جا کر گاڑی پارکنگ اسپاٹ سے نکال کر آفس کے گیٹ کے آگے کھڑی کی۔ ریاض اور ٹی بوائے نے مسز ہادیہ کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔

علینہ فائق کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ فائق نے تیز رفتاری سے گاڑی چلائی اور دس پندرہ منٹ کے اندر اندر گاڑی شہر کے مہنگے ترین ہوسپٹل میں جا رکی۔ فائق گاڑی سے اتر کر تقریباً دوڑتا ہوا اندر گیا۔ ایمرجنسی وارڈ میں اطلاع دی دو لڑکے اسٹریچر اٹھائے آئے مسز ہادیہ کو اسٹریچر پر ڈالا اور ایمرجنسی وارڈ میں لے گئے۔ جہاں ڈاکٹروں نے معائنہ کرنے کے بعد اپنڈیکس کی درد بتائی۔ درد اتنا شدید تھا کہ مسز ہادیہ تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو چکیں تھیں۔ ڈاکٹروں نے فائق کو بتایا کہ ان کا فوراً آپریشن کرنا پڑے گا

ورنہ وقت گذر جانے پر ان کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔

فائق شش و پنج میں پڑ گیا۔ ان کے گھر کیسے اطلاع دی جائے۔

مس علینہ ''جی سر۔

آپ کے پاس مسز ہادیہ کے گھر کا نمبر ہے۔

جی سر۔ ان کے گھر میں پی ٹی سی ایل فون موجود ہے۔ اس کا نمبر میرے پاس ہے۔ میڈم کا موبائیل فون شاید ادھر دفتر میں ہی رہ گیا ہے۔ ورنہ ان کے بیٹوں کے موبائیل نمبر اس میں سے مل سکتے تھے۔ اب گھر میں کوئی موجود ہے یا نہیں۔ خبر نہیں۔

چلیں دیکھتے ہیں۔ فائق نے اپنے موبائیل سے ان کے گھر کا پی ٹی سی ایل نمبر ملایا۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی پھر ایک لڑکے کی آواز فون میں سنائی دی جو ہیلو کہہ رہا تھا۔

ہیلو بیٹا۔ آپ مسز ہادیہ کے بیٹے ہیں۔ میں ان کے دفتر سے بول رہا ہوں۔

جی سر۔ میں ان کا بیٹا بات کر رہا ہوں۔

بیٹا۔ آپ سب سے بڑے ہیں۔

نہیں سر۔ میں سب سے چھوٹا ہوں۔ بڑے بھائی اندر کمرے میں ہیں۔ ان کو بلا لاؤں۔

بلا لو۔ فائق بڑی نرمی اور شائستگی سے بات کر رہا تھا۔ بڑا بھائی فون پر آیا تو فائق نے بتایا کہ ان کی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ جلدی سے حمید لطیف ہسپتال میں آ جائیں۔ ٹھیک ہے سر میں آ رہا ہوں۔

دس پندرہ منٹ کے اندر اندر ایک بیس اکیس سال کا خوش شکل لڑکا ان کی طرف آ رہا تھا۔ مسٹر فائق اس نے تصدیق چاہی۔

یس'' آئی ایم فائق۔

امی کہاں ہیں۔ وہ آئی سی یو میں ہیں۔ ڈاکٹر ان کے آپریشن کی تیاری کر چکے ہیں۔ ان کا فوری آپریشن ہونا ضروری ہے۔ کس چیز کا آپریشن۔ اب وہ لڑکا گھبرانے لگا تھا۔

اپنڈیکس کا آپریشن۔ ڈونٹ وری۔ معمولی سا آپریشن ہوتا ہے۔ سارا خرچہ کمپنی اٹھائے گی۔ تم اپنی کسی رشتہ دار خاتون کو بلا لو تو بہتر رہے گا۔

جی سر۔ میں ابھی اپنی آنٹی کو فون کرتا ہوں جو اسی شہر میں رہتی ہیں۔

لڑکا فون کرتے کرتے ایک سائیڈ پر چلا گیا تو فائق علینہ کی طرف متوجہ ہوا۔ جو پاس کھڑی چپ چاپ دیکھے چلے جا رہی تھی۔ مسز ہادیہ کی حالت دیکھ کر وہ خاصی پریشان ہو رہی تھی۔ فائق اس کی طرف

چوتھا حصہ

دیکھنے لگا تو وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔

مس علینہ۔ اگر آپ کو گھر جانا ہے تو میں آپ کو ڈراپ کر دوں نہیں سر۔ میں میڈم کا آپریشن ہونے تک یہیں رکوں گی۔

تو پھر ٹھیک ہے۔ آپ گھر فون کر کے بتا دیں۔ وہ پریشان نہ ہوں۔

او کے سر۔ وہ اپنا موبائیل نکال کر امی کے موبائل کا نمبر ملانے لگی۔

☆☆☆

رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ عائشہ بیگم بے چینی سے صحن میں ٹہل رہیں تھیں۔ علینہ کو اب تک آ جانا چاہیے تھا۔ وہ منہ میں بڑبڑا رہیں تھیں۔

امی آپی نے فون کر کے آپ کو ساری صورت حال بتا دی تھی پھر آپ کیوں فکر مند ہو رہی ہیں۔ رابی نے ماں کو تسلی دی مگر عائشہ بیگم کا دل مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ پھر علی رضا ان کو پکڑ کر اندر لے گئے۔ عائشہ بیگم ہماری علینہ اب بچی نہیں خاصی سمجھدار اور بہادر ہے۔ جہاں جاب کرتی ہے وہ لوگ بھی بہت اچھے ہیں تم یہاں کمرے میں بیٹھو۔ تمہیں ٹھنڈ لگ گئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

میں ابھی علینہ کو فون کر کے پوچھتا ہوں کہ کب تک گھر آ جائے گی۔ انہوں نے موبائیل جیب سے نکالا۔ علینہ سے بات کی پھر فون بند کر کے بتانے لگے۔ لو بھئی وہ کہہ رہی ہے کہ تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ گھر آ جائے گی۔

مگر کیسے آئے گی کس کے ساتھ آئے گی۔ بیگم عائشہ جھٹ پوچھنے لگیں۔ وہ کہہ رہی ہے کہ اس کے باس اس کو ڈراپ کر دیں گے۔

چلیں پھر ٹھیک ہے میں تو اس کے اکیلی آنے کی وجہ سے ہولا رہی تھی۔

☆☆☆

رات کا کھانا ٹیبل پر لگ چکا تھا۔ ہانیہ نے ماما کے کمرے میں جھانکا وہ بیڈ پر بیٹھی ٹی وی ڈرامہ دیکھ رہی تھیں۔ ماما کھانا لگ چکا ہے۔ اٹھیں کھانا کھا لیں۔

فائق آ گیا ہے؟ انہوں نے پوچھا۔

بھائی کو آج آفس میں کچھ کام ہے ان کا فون آیا ہے کہ وہ دیر سے آئیں گے۔ ہم لوگ کھانے پر ان کا انتظار نہ کریں۔

اچھا۔ بیگم فریحہ پاؤں گھسیٹتی ہوئی باہر آ گئیں۔

کھانا کھاتے ہوئے بیگم فریحہ کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔ وہ لڑکی جو کل تمہارے ساتھ آئی تھی۔ کیا نام تھا اس کا۔

علینہ۔" ہانیہ نے پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے کہا۔

اس کی صورت حیرت انگیز حد تک عائزہ سے ملتی ہے۔ انہوں نے کئی بار کا دہرایا ہوا جملہ پھر سے دہرایا۔

ہاں ماما۔ یہ بہت حیران کن ہے۔

فائق نے جب اسے پہلی مرتبہ دیکھا ہوگا تو اس پر کتنا اثر ہوا ہوگا۔ آپ تصور کر سکتی ہیں ماما۔

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ لڑکی میرے فائق کی دلہن بن کر اس گھر میں آ جائے۔ اس گھر میں پھر سے قہقہے گونجنے لگیں۔ فائق کو کھل کر ہنسے ہوئے زمانے بیت گئے۔ میں فائق کا ہنستا مسکراتا چہرہ دیکھنے کے لئے ترس گئی ہوں۔ یہ بات کہتے ہوئے بیگم فریحہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

ہانیہ بھی ماں کو دیکھ کر اداس ہو گئی۔ ماما اس گھر میں پھر سے قہقہے گونجیں گے۔ فائق بھائی پھر سے اونچی آواز میں ہنسیں گے۔ شرارتیں کریں گے۔ مذاق کریں گے۔ وہ دن زیادہ دور نہیں۔

کب آئے گا وہ دن شاید میرے مرنے کے بعد۔ بیگم فریحہ بالکل ناامید ہو رہی تھیں۔

ماما۔ دل چھوٹا نہ کریں جلدی آئے گا وہ دن۔ اس نے ماں کا ہاتھ تھپتھپایا۔

☆☆☆

مسز ہادیہ کا آپریشن کامیابی سے ہو گیا تھا۔ اب انہیں کمرے میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ ان کی بہن اور بیٹا ان کے پاس تھے۔

مس علینہ اب ہمیں چلنا چاہیے۔ ساڑھے آٹھ بج رہے ہیں۔ آپ کے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔

سارے گھر والے تو نہیں البتہ امی ضرور ہو رہی ہوں گی۔ وہ مسکرائی۔

پھر وہ گاڑی میں آ بیٹھے۔ راستے بھر علینہ کے کان منتظر رہے کہ فائق کوئی بات کرے اور وہ سنیں۔

مگر فائق کے ہونٹ تو جیسے آپس میں سلے ہوئے تھے۔علینہ کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی روبوٹ کیساتھ بیٹھی ہو۔وہ جھنجلانے لگی۔عجیب بورنگ انسان ہے۔اسے اس بات کا احساس ہی نہیں کہ ایک جوان اور خوبصورت لڑکی اس کی شریک سفر ہے۔ہوں بدذوق کہیں کا۔علینہ کو شرارت سوجھی اس نے اپنا ہاتھ گیئر پر رکھ دیا۔چند سیکنڈ بعد فائق نے گیئر بدلنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس نے اپنا ہاتھ علینہ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔وہ جو بڑے دھیان سے روڈ کی طرف دیکھ کر گاڑی چلا رہا تھا۔اس کا ہاتھ علینہ کے ہاتھ سے ٹچ ہوا تو اسے یوں لگا جیسے اس کا ہاتھ بجلی کے ننگے تاروں سے چھو گیا ہو۔اس نے فوراً اپنا ہاتھ اٹھالیا۔وہ بے اختیار علینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

سوری۔علینہ نے مسکرا کر ہاتھ اٹھالیا۔میں نے بے خیالی میں اپنا ہاتھ گیئر پر رکھ دیا تھا۔

فائق پھر سامنے دیکھنے لگا۔علینہ کافی دیر تک اپنے ہاتھ پر فائق کے بھاری مردانہ ہاتھ کا گرم گرم لمس محسوس کرتی رہی۔جسے وہ بے ضرر معمولی شرارت سمجھ رہی تھی۔اب اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی اس معمولی حرکت نے اس کے دل کی دنیا کو اتھل پتھل کر دیا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن آفس میں اسے مسز ہادیہ کی غیر موجودگی بری طرح محسوس ہو رہی تھی۔وہ بیٹھی کام کر رہی تھی کہ انٹرکام کا بزر بجنے لگا۔اس نے رسیور کان سے لگایا تو فائق نے اسے اپنے کیبن میں آنے کے لئے کہا وہ فائق کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

یس سر

مس علینہ میں ہوسپٹل جا رہا تھا سوچا آپ سے بھی پوچھ لوں۔ہوسکتا ہے آپ بھی مسز ہادیہ کی خبر گیری کے لئے جانا چاہیں۔

وائے ناٹ سر میں ضرور جانا چاہوں گی۔وہ خوش ہو کر بولی۔تو ٹھیک ہے پھر آیئے چلتے ہیں۔

دونوں گاڑی میں بیٹھے ہاسپٹل کی جانب رواں دواں تھے کہ راستے میں ٹریفک جام میں پھنس گئے۔

اوہ مائی گاڈ۔اب پتہ نہیں کتنی دیر یہاں ذلیل ہونا پڑے گا۔فائق نے غصے سے ہاتھ اسٹیرنگ پر مارا۔

اچانک علینہ کو اپنے ہاتھ پر انک لگی نظر آئی تو اسے نے سامنے ڈیش بورڈ پر پڑے ہوئے ٹشو پیپر کے ڈبے سے ایک ٹشو کھینچا۔ٹشو کے کھینچنے سے ڈبہ نیچے گر پڑا۔علینہ اور فائق بیک وقت ڈبہ اٹھانے کے لئے جھکے تو دونوں کے سر ٹکرا گئے۔علینہ آؤچ کہتے ہوئے سر پکڑ کر سیدھی ہوگئی۔فائق نے علینہ کو دیکھا جو سر کو سہلا رہی تھی۔اچانک وہ ہنسنے لگا۔ہنستے ہنستے وہ دہرا ہو گیا تھا۔علینہ اسے ہنستا دیکھ کر حیران رہ گئی۔اس نے پہلی مرتبہ فائق کو یوں بے تحاشا ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔وہ ساکت بیٹھی حیرت سے اسے تکے جا رہی تھی۔دل میں

سوچ رہی تھی۔

اف یہ کافر ہنستے ہوئے کتنا خوبصورت لگ رہا ہے دل چاہتا ہے یہ یونہی ہنستا رہے اور میں سامنے بیٹھی دیکھتی رہوں۔اسے دیکھتے ہوئے وہ بھی مسکرانے لگی۔مسکراتے مسکراتے ہنسنے لگی۔ہنستے ہنستے علینہ کی نظر گاڑی سے باہر پڑی تو اردگرد کی گاڑیوں میں بیٹھے لوگ انہیں عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

اس نے فائق کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔فائق سب ہمیں دیکھ رہے ہیں۔فائق بھی خاموش ہو کر آس پاس دیکھنے لگا پھر علینہ کو دیکھنے لگا۔پھر اس کے ہاتھ کو جو ابھی بھی اس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔

علینہ نے ہاتھ کھینچ لیا۔''سوری سر''

کس بات کے لئے۔

میں نے آپ کو آپ کے نام سے پکارا۔

چلو معاف کیا۔اس نے شان بے نیازی سے کہا تو علینہ مسکرانے لگی۔

تو یہ ہے تمہارا اصلی روپ فائق احمد رزاقی۔اپنی شوخ اور چنچل شخصیت پر تم نے جو خشک مزاجی اور سرد مہری کا خول چڑھا رکھا ہے اسے میں توڑوں گی۔تمہیں پھر سے جینا اور ہنسنا سکھاؤں گی۔اس نے دل میں تہیہ کر لیا کہ وہ فائق کو پھر سے پہلے والا فائق بنائے گی۔

ہوسپٹل پہنچے تو مسز ہادیہ دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر کھل اٹھیں۔راستے میں فائق نے گاڑی روک کر جو فروٹ خریدا تھا وہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔علینہ نے بوکے خریدا تھا وہ اس نے مسز ہادیہ کو پیش کیا تو وہ مسکرانے لگیں۔وہ بیڈ کے سرہانے ٹیک لگا کر بیٹھیں تھیں۔ان کی بہن ان کے پاس کمرے میں موجود تھی۔وہ بھی فائق اور علینہ کو دلچسپ نظروں سے دیکھ رہیں تھیں۔

سر میرے آفس نہ آنے سے کام کا حرج ہوگا مگر خدا کے کاموں میں کس کا دخل ہے۔مسز ہادیہ افسوس سے بولیں۔

کام ہم مل کر سنبھال لیں گے۔آپ بالکل فکر نہ کریں کیوں مس علینہ؟

جی بالکل۔''علینہ جلدی سے بولی۔''

آپ کو پندرہ دن کی چھٹی دی جا رہی ہے آپ نے مکمل آرام کرنا ہے اور اپنی خوراک کا خوب خیال رکھنا ہے۔ٹھیک ہے نا۔ٹھیک ہے سر۔مسز ہادیہ خوشدلی سے بولیں۔

چند منٹ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فائق نے جانے کی اجازت چاہی اور پھر وہ دونوں دفتر واپس آ گئے۔

☆☆☆

رات کو علینہ سونے کیلئے لیٹی تو فائق کا ہنستا ہوا چہرہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔

فائق کا یہ روپ کتنا انوکھا، کتنا پیارا تھا۔ وہ سوچتی رہی اور مسکراتی رہی پھر اس کے کانوں میں اس جملے کی بازگشت سنائی دینے لگی۔ ہم دونوں مل کر کام سنبھال لیں گے کیوں مس علینہ ہم دونوں مل کر۔ کون دونوں۔ میں اور فائق۔

کہیں میں فائق کی محبت میں گرفتار تو نہیں ہوگئی۔ کیا واقعی مجھے محبت ہوگئی ہے۔ اس نے خود سے سوال کیا۔ محبت کیا ہے۔ اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

جب کسی کی یاد لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دے اور اس کے کھو دینے کا تصور آپ کو تکلیف دے تو سمجھ لیں کہ آپ کو اس سے محبت ہے۔ اس کے دل نے اس کے کئے گئے سوال کا جواب دیا تو وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی تا کہ جلدی سے صبح ہو جائے اور وہ اپنے محبوب کے پاس پہنچ جائے۔

صبح وہ بستر سے اٹھی تو رات کے خیالات خمار بن کر ابھی تک اس کے حواس پر چھائے ہوئے تھے اس نے مسکراتے ہوئے انگڑائی لی۔

ناشتہ کرتے ہوئے بھی وہ خیالوں کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔

علینہ کہاں گم ہو۔ جلدی سے ناشتہ کر کے کپڑے بدل لو۔ آفس کی وین پہنچنے ہی والی ہے۔ امی نے تنبیہ کی تو وہ فٹافٹ ناشتہ ختم کرنے لگی۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ اپنی الماری کھول کر کھڑی ہوگئی۔

آج وہ سب سے خوبصورت لباس پہن کر جانا چاہتی تھی۔ اس کی نظر انتخاب سرخ رنگ کے ایمبرائڈری والے سوٹ پر جا ٹھہری۔ اس نے سرخ سوٹ پہن کر بالوں میں کیچر لگایا۔ ہلکا ہلکا میک اپ کیا اور ہینڈ بیگ پکڑے ابھی اپنا جائزہ لے ہی رہی تھی کہ وین کے ہارن کی آواز سنائی دی وہ امی کو سلام کرتی ہوئی باہر آ گئی۔ وین میں بیٹھی تو سبھی ساتھی لڑکیوں نے ستائش بھری نظروں سے اسے سراہا آفس میں پہنچ کر اپنے کیبن میں داخل ہوئی تو گلاس ڈور کے پار نظریں بھٹکنے لگیں۔ فائق ابھی ابھی آ کر اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ وہ اپنے کام میں مگن تھا۔ جب کافی دیر تک اس نے نظریں نہیں اٹھائیں تو علینہ مایوس ہو کر اپنی کرسی پر بیٹھ کر کام کرنے لگی۔ مسز ہادیہ کے بغیر خالی کمرہ اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ اب ان کی موجودگی کی اسے اتنی عادت ہوگئی تھی کہ ان کی غیر موجودگی کھل رہی تھی۔

کام کرتے کرتے اس کی نگاہیں پھر سے اس پار دیکھنے لگیں۔ اس نے دیکھا کہ فائق اٹھ کر اس کے کمرے کی طرف آ رہا ہے تو اس نے فوراً خود کو کام میں مصروف کر لیا۔ مگر کان بدستور اس کی آہٹ سن رہے تھے۔ پھر وہ سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کے مسحور کن کلون کی مہک اس کے حواس پر چھانے لگی۔

مس علینہ۔ ''وہ خالص کاروباری انداز میں مخاطب ہوا۔

یس سر'' آپ نے کیوں تکلیف کی۔ مجھے بلا لیا ہوتا۔

نہیں کوئی بات نہیں چھوٹا سا کام تھا اپنی آج کی ورک شیٹ کھولیں۔ اس نے ورک شیٹ کھول لی۔ تو وہ اسے کچھ ہدایات دینے لگا اس کے لئے وہ تھوڑا سا اس کی طرف جھک گیا تھا۔

علینہ فائق کو اپنے اس قدر قریب پا کر بوکھلانے لگی۔ اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ اسے ڈر تھا کہیں فائق اس کے دل کی دھڑکن ہی نہ سن لے۔ میں سمجھ گئی سر۔ میں کر لوں گی۔

او کے۔ کام کر کے شیٹ مجھے بھیج دیجئے گا۔

ٹھیک ہے۔ سر۔

وہ میکانکی انداز میں جانے کے لئے پلٹا۔

علینہ کا دل بجھنے لگا۔ جس کے لیے اتنا اہتمام کیا تھا اس نے تو نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں بلکہ شاید نظر ڈالی ہی نہیں۔ وہ بڑی دکھی ہو رہی تھی۔ فائق دروازے پر جا کر رک گیا پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔

مس علینہ۔

جی سر۔

آپ اس سوٹ میں بہت اچھی لگ رہیں ہیں۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ مگر علینہ جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی۔ اس کے چہرے پر گلاب کھل اٹھے۔ اس نے ورک شیٹ مکمل کی تو وہ فائق کے پاس اسے دینے کے لئے آ گئی۔ فائق سر جھکائے کام میں کھویا ہوا تھا اس کے آنے کا اس نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔ اس کے ہاتھ سے ورک شیٹ پکڑ لی: بغیر اسے دیکھے۔

علینہ چند لمحے کھڑی رہی پھر بولی۔

سر

فائق نے نظریں اٹھائیں۔

سر..... کیا میں صرف اسی سوٹ میں اچھی لگی ہوں۔ علینہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا تو فائق حیران رہ گیا۔ پھر وہ بولا۔

نہیں آپ پر تو ہر لباس جچتا ہے۔ اچھا لگتا ہے مگر یہ میرا فیورٹ کلر ہے اس لئے تعریف کر دی۔ امید ہے آپ مائنڈ نہیں کریں گی۔

نہیں سر۔ مجھے تو بہت اچھا لگا۔ آپ کے منہ سے اپنی تعریف سن کر علینہ جلدی سے بولی تو فائق

مسکرانے لگا۔

علینہ شرما کر جلدی جلدی اپنے کیبن میں جا کر اپنی چیئر پر بیٹھ کر کام کرنے لگی۔ اس سے اپنا آپ سنبھالنا مسکل ہو رہا تھا۔ اف کسی وقت میں کتنی بے باک ہو جاتی ہوں۔ جانے کیا سوچتا ہوگا وہ۔

☆☆☆

رات کا کھانا کھا کر فائق، اس کی ماما اور ہانیہ لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ ساتھ ساتھ ڈرائی فروٹ بھی چل رہا تھا۔

تمہاری آنٹی شگفتہ سے آج فون پر بات ہوئی تھی۔ میں نے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔ اب وہ باقاعدہ منگنی کے لئے آنا چاہتے ہیں۔

ہاں تو آنے دیں۔ جب آنا چاہیں۔ فائق ٹی وی دیکھتے ہوئے بولا کون سا دن مناسب رہے گا۔ بیگم فریحہ نے پوچھا۔

اتوار کے دن بلا لیں۔ کام کی ٹینشن تو نہ ہوگی۔ اور ہاں یہ ضرور پوچھ لیجئے گا کہ کتنے افراد آئیں گے۔ کھانے کا ارینج منٹ کرنا ہے۔

ہاں ہاں پوچھ لوں گی۔ وہ سوچتے ہوئے بولیں۔ ہانیہ

جی ماما۔

تم بھی اپنی قریبی سہیلیوں کو بلا لینا۔ آخر کو تمہاری منگنی ہونے جا رہی ہے۔ میری قریبی دوست صرف تین چار ہی ہیں ان میں ایک علینہ بھی ہے۔

علینہ، فائق نے دہرایا۔ یہ تمہاری قریبی دوست کب سے بن گئی۔

ایک ہی ملاقات میں گہری دوستی ہو گئی ہے۔ ہانیہ بولی۔

ہاں اسے ضرور بلانا۔ سچ پوچھو تو مجھے وہ بچی بہت اچھی لگی تھی۔ اسے بلانے کے پیچھے مجھے کوئی سازش دکھائی دے رہی ہے۔ فائق نے مشکوک انداز میں ماں اور بہن کی طرف دیکھا۔

سازش، کیسی سازش بھائی۔ ہانیہ نے معصوم انداز میں پوچھا۔ اگر آپ دونوں کے دماغ میں کچھ چل رہا ہے تو اسے نکال دیں ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔

فائق اپنے کمرے میں جا کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ آج دن میں پیش آنے والے واقعات اس کے ذہن میں فلم کی طرح چلنے لگے۔

علینہ کا سرخ لباس میں قیامت ڈھانا، اس کا بے باک انداز میں سوال کرنا، اس کا جھینپنا، اس کا شرمانا، اس کا مسکرانا۔

کیا یہ لڑکی میرے دل کے کھنڈر کو مسمار کر کے اس پر اپنی محبت کا تاج محل بنا پائے گی۔ یہ عائزہ کی جگہ لے پائے گی۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ میں اسے محبت کرنے لگا ہوں۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ محبت تو زندگی میں ایک مرتبہ ہوتی ہے اور وہ میں کر چکا ہوں۔ وہ مجھے صرف اس لئے اچھی لگتی ہے کہ وہ عائزہ کا عکس ہے اور کچھ نہیں۔ وہ خود کو تاویلیں دیتا دیتا سو گیا۔

ادھر علینہ کو ہر رات سونے سے پہلے فائق سے متعلق سوچنے کے لئے ایک نیا موقع ہاتھ لگ جاتا۔ ہر دن کوئی نہ کوئی خوشگوار واقعہ ضرور رونما ہو جاتا۔ جو رات سونے تک اس کے ذہن سے چپک کر رہ جاتا۔ وہ تصور میں اس واقع کو نجانے کتنی مرتبہ دہراتی اور لطف اندوز ہوتی۔ یہاں تک کہ سونے کے بعد وہی واقعات اس کے ذہن میں فلم کی طرح چلنے لگتے۔ فائق کا جادو اس کے سر پر چڑھ کر بولنے لگا تھا۔ ہر گذرتا دن اس کی محبت میں اضافے کا سبب بن رہا تھا۔ آج بھی وہ اس کے خیالوں میں ڈوبی سرشاری لیٹی تھی۔ اس وقت اس کے دماغ میں یہ غزل آ رہی تھی۔

مجھے محبت ہونے لگی ہے دھیرے دھیرے
حد سے بڑھنے لگی ہے دھیرے دھیرے
میں کہتی تھی محبت ہو نہیں سکتی مگر
سمجھ میں آنے لگی ہے دھیرے دھیرے
تیرا ساتھ جو ملا تو مجھ پر خوشیوں کی
ہونے لگی برسات دھیرے دھیرے
کسی شام وہ اور میں ہوں اک ساتھ
یہ خواہش ابھرنے لگی دھیرے دھیرے
تیرے احساس سے میرے دل میں
محبت کی کلی کھلنے لگی دھیرے دھیرے
تجھے پوجنے سے فرصت نہیں ہے مجھے
محبت اپنی بتانے لگی دھیرے دھیرے

تیری میری باتیں سن کر اب تو
محبت بھی مسکرانے لگی دھیرے دھیرے

☆☆☆

دوسرے دن ہانیہ آفس میں اس کو دعوت نامہ دینے آ گئی۔ وہ ہانیہ کو دیکھ کے بڑی خوش ہوئی۔ پپ کو دیکھ کر بڑی خوشی ہو رہی ہے۔ آپ دوبارہ کبھی آئیں ہی نہیں۔ وہ گلے ملتے ہوئے بولی۔

ہاں۔ مگر مجھے خوشی تب ہوگی جب تم میری منگنی میں شامل ہوگی۔ منگنی ہو رہی ہے..... آپ کی۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ وہ دل سے بولی۔

ہاں۔ مگر تمہیں آنا ہے۔ میں اسپیشل تمہیں یہ کہنے کے لئے بذات خود آئی ہوں۔ حالانکہ یہ بات فون پر بھی کہہ سکتی تھی۔

ضرور آؤں گی۔ کب آنا ہے میرا مطلب ہے منگنی کس دن ہے۔

سنڈے شام چھ بجے۔ آنٹی کو بھی ساتھ لانا۔ مگر تم لوگ آؤ گے کیسے۔

وہ سوچتے ہوئے بولی۔ کوئی ٹیکسی وغیرہ کروالیں گے۔

کوئی ضرورت نہیں۔ میں ڈرائیور کو بھیجوں گی۔ گاڑی دے کر۔ تم پورے چھ بجے تیار رہنا۔ ٹھیک ہے نا۔ ہانیہ مسکرائی

ٹھیک ہے۔ وہ بھی مسکرادی۔ آج جمعرات ہے۔ جمعہ، ہفتہ اور پھر اتوار۔ وہ دل میں دن گننے لگی۔ اس کے لئے یہ تصور بڑا دل خوش کن تھا کہ وہ اس شاندار گھر میں پھر سے جائے گی اور گھر میں رہنے والے شاندار لوگوں سے ملے گی۔ اس کا انگ انگ خوشی سے جھوم رہا تھا۔ اپنی اس قدر عزت افزائی پر وہ پھولے نہ سما رہی تھی۔

اور پھر اتوار آنے تک اس نے کئی سوٹ پسند کئے اور پھر انہیں ریجکٹ کر دیتی کوئی لباس ان کے گھر جانے کے لئے اسے شایان شان لگ ہی نہیں رہا تھا۔

رابی سے مشورے مانگ مانگ کر اس کا سر کھا لیا تھا اور پھر امی، رابی مہوش بھابھی کے متفقہ فیصلے کے مطابق پنک کام والا سوٹ معتبر ٹھہرا جس کے ساتھ خوبصورت پنک سینڈل اور نفیس پنک جیولری بھی موجود تھی۔ امی کو بھی اس نے ساتھ جانے کے لئے تیار کر لیا تھا۔ امی نے بھی اکیلی لڑکی کا انجان گھر رات کے وقت جانا مناسب نہ سمجھا۔ اب ساری باتیں طے ہو جانے کے بعد اتوار کا بے چینی سے انتظار تھا۔ کب اتوار آئے اور علینہ کیل کانٹوں سے لیس ہو کر اپنے محبوب کے دل و دماغ کو فتح کرنے کے لئے نکلے اور پھر خدا

خدا کر کے اتوار دن بھی آ ہی گیا۔ وہ صبح سے اپنی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ پہلے چہرے کی کلینزنگ کی۔ پھر فیشل کیا۔

آپی منگنی تمہاری ہے یا باس کی بہن کی۔ تم کیوں ہلکان ہو رہی ہو۔ تم تو چپ ہی رہو۔ دادی اماں۔ ہر وقت نصیحتوں کا پلندہ اٹھائے پھرتی ہو۔

امی چار بج رہے ہیں۔ تیار ہونا شروع ہو جائیں یہ نہ ہو ڈرائیور آ جائے ہمیں لینے کے لئے۔

اے لڑکی ابھی دو گھنٹے پڑے ہیں۔ کیوں باؤلی ہو رہی ہو۔ کیا پہلی مرتبہ کسی منگنی میں جا رہی ہو۔ امی نے لتاڑا تو وہ خجل سی ہو گئی۔

ایک گھنٹہ اس نے بمشکل میگزین دیکھتے اور گھڑی دیکھتے ہوئے گذارا جیسے ہی ٹائم پانچ کا ہوا۔ وہ پھر سے نعرہ مستانہ لگاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب تو ایک گھنٹہ رہ گیا ہے۔ میں تو چلی تیار ہونے۔ امی آپ بھی جلدی سے شروع ہو جائیں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں گھس گئی اور پھر واقعی جب اس نے دروازہ کھولا تو حسینہ عالم دکھائی دے رہی تھی۔ پنک سوٹ میں وہ واقعی غضب ڈھا رہی تھی۔ بالوں کو اسٹریٹ کر کے کھلے چھوڑ رکھا تھا۔

امی بھی تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلیں۔ علینہ پر نظر پڑی تو بے اختیار اس کی بلائیں لے ڈالیں اور نظر بد سے بچنے کے لئے کوئی سورۃ منہ میں پڑھ کر اس پر پھونک ماری۔

امی ایسا کریں۔ فیصل کو بھیج کر مٹھائی منگوالیں۔ خالی ہاتھ جانا اچھا نہیں لگے گا۔

وہ میں منگوا چکی ہوں۔ امی مسکرائیں۔ تم نے تو سارا زور تیار ہونے پر لگا رکھا تھا۔ مٹھائی کا خیال اب آیا ہے۔

مائی سویٹ مام۔ اس نے امی کے گال پر پیار کیا۔

اتنے میں گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ فیصل نے آ کر بتایا کہ ڈرائیور گاڑی کے ساتھ آ چکا ہے۔

دونوں ماں بیٹی گاڑی میں ہی بیٹھ گئیں۔ گاڑی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئی۔

☆☆☆

دونوں ماں بیٹی رزاقی ہاؤس میں پہنچ کر گاڑی سے اتریں تو علینہ کے ساتھ ساتھ اس کی امی بھی خاصی مرعوب نظر آ رہیں تھیں۔ ہانیہ اور اس کی ماما نے پرتپاک انداز میں انہیں ویلکم کیا۔ منگنی کا سارا ارینج منٹ وسیع و عریض لان میں کیا گیا تھا۔ پورے گھر کو بقعہ نور بنایا گیا تھا۔ تقریب میں شامل افراد کی تعداد سو سے زائد نہیں تھی۔ پچاس افراد لڑکے والوں کی طرف سے آئے تھے۔ جبکہ باقی پچاس میں فائق کے بہت

قریبی رشتہ دار اور حلقہ احباب کے چند لوگ شامل تھے۔ مکس گیدرنگ تھی۔ مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ویسے بھی فیملی فنکشن تھا۔ غیر متعلقہ افراد تو تھے نہیں۔ تقریباً سبھی انتہائی قریبی تھے۔ علینہ ایک دفعہ پھر سوچ میں پڑ گئی۔ کیونکہ صرف وہ اور اس کی امی ہی غیر تھیں۔ باقی سب ان کے اپنے تھے۔ علینہ اور ان کی امی نسبتاً کونے والی میز کی طرف بڑھیں جہاں دو بزرگ عورتیں بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں۔ وہ دونوں بھی ان کے پاس بیٹھ گئیں۔

علینہ سکون سے بیٹھی تو گرد و پیش کا جائزہ لینے لگی۔ اس کی نگاہیں فائق کو تلاش کر رہی تھیں۔ اور آخر وہ اسے نظر آ گیا۔ وہ ایک سائیڈ پر کھڑا ویٹروں کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ بلیک سوٹ میں وہ بہت جاذب نظر لگ رہا تھا۔ علینہ کی نظر فائق پر پڑی تو جیسے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ ایک دفعہ جو اس پر نظر پڑی تو پھر وہ نظر ہٹانا بھول گئی۔ دیوانہ وار اس کو دیکھتی چلی گئی۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کے پاس بیٹھی دونوں بوڑھی عورتیں اس کو معنی خیز نظروں سے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی ہیں۔ ان کی مسکراہٹ دیکھ کر اس کی امی نے بھی علینہ کی نگاہوں کا تعاقب کیا اور پھر بات کی تہہ تک پہنچ کر علینہ کو کہنی سے ٹہوکا دیا۔ علینہ ہڑبڑا کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر اپنی چوری پکڑے جانے پر بغلیں جھانکنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد بزرگ عورتیں کسی اور ٹیبل پر چلی گئیں تو اس کی امی نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔

کون ہے یہ لڑکا۔

کون لڑکا۔ وہ حیران ہوئی۔

وہی لڑکا جسے پاگلوں کی طرح بلا جھجک دیکھ رہی ہو۔

وہ.....وہ تو میرے باس ہیں۔ وہ شرمندگی سے بولی۔

یہ.....تمہارا باس ہے؟ اب حیران ہونے کی باری امی کی تھی۔

جی ہاں۔"

مگر یہ تو ابھی نوجوان لڑکا لگتا ہے۔

ہاں تو.....کیا نوجوان لڑکے باس نہیں ہو سکتے۔ علینہ ترنت بولی۔ ابھی اسکی امی جوابی حملے کے لئے کوئی جملہ سوچ ہی رہیں تھیں کہ ہانیہ ایک لڑکی ساتھ ان کی ٹیبل کی طرف بڑھی۔

ارے علینہ تم کہاں چھپی بیٹھی ہو۔ ان سے ملو میری کزن رمشا۔ رمشا یہ ہیں علینہ۔ بالکل ویسی ہی ہیں جیسی تم نے بتایا تھا۔ رمشا نے تبصرہ کیا۔

آؤ میں تمہیں اپنی دوسری فرینڈز سے ملواتی ہوں۔ ہانیہ نے علینہ کو بازو سے پکڑ کر کھینچا تو وہ اس

کیساتھ چلی گئی۔

ہانیہ اسے ساتھ لئے کئی مہمانوں سے اس کا تعارف کروا رہی تھی۔ ہر نظر اسے سراہ رہی تھی پھر وہ اسے ساتھ لئے فائق کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

بھائی آپ کے آفس سے صرف ایک بندی آئی ہے اسے بھی نظر انداز کئے جا رہے ہیں۔

ہیلو۔"مس علینہ۔ کیسی ہیں۔

آئی ایم فائن۔ علینہ نے نظریں اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا کتنی گہرائی تھی اس کی آنکھوں میں۔ وہ جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے جذب کر رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کی تپش سے علینہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا وجود پگھلنے لگا ہو۔ دونوں دنیا مافیہا سے چند لمحوں کے لئے جیسے بے خبر ہو کر ایک دوسرے میں کھو گئے۔ ہانیہ نے صورت حال کی سنگینی کا اندازہ لگایا تو اسے نے زور سے گلا کھنکھارا۔ اس پر دونوں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ فائق خجل سا ہو کر آگے بڑھ گیا۔ ہانیہ اسے دوسری دوستوں سے ملانے لگی۔ وہ اوپر اوپر سے ہیلو ہائے کرتی رہی مگر دل و دماغ تو کہیں اور تھے۔ اس جادوگر نے اپنا سحر اس پر پھونک کر اسے ہپناٹائز کر دیا تھا۔ وہ خالی خولی ہانیہ کے ساتھ گھسٹ رہی تھی۔ ذہنی طور پر قطعی غیر حاضر۔ دل کی دھڑکن اعتدال پر آنے کا نام نہ لے رہی تھی۔

پلیز ہانیہ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں اب امی کے پاس جانا چاہوں گی۔ وہ بالکل اکیلی ہیں۔

ٹھیک ہے تم آنٹی کے پاس جاؤ۔ وہ بور ہو رہی ہوں گی۔ ہانیہ نے بخوشی اجازت دے دی تو وہ امی کی طرف بھاگی۔

امی اس وقت فائق کی ماما سے بات چیت کر رہیں تھیں اور بڑی خوش دکھائی دے رہیں تھیں۔

علینہ بھی آ کر پاس بیٹھ گئی تو بیگم فریحہ محبت پاش نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

ماشاءاللہ آپ کی بیٹی بہت پیاری ہے جس گھر میں جائے گی وہاں اجالا بکھیر دے گی۔

بیگم فریحہ کی بات سن کر علینہ شرما گئی۔ اس کی امی بھی پیار سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

پھر منگنی کی رسم ادا کرنے کے لئے لڑکی اور لڑکے کو اسٹیج پر بٹھایا گیا۔

فرحان نے ہانیہ کو اور ہانیہ نے فرحان کو انگوٹھی پہنائی پھر ہانیہ کی ساس بیگم شگفتہ ناز نے ہانیہ کو ایک لاکھ سلامی میں دیا۔ اس کے بعد ان کے ساتھ آئے ہوئے رشتہ دار باری باری اسٹیج پر جاتے پیسوں کا لفافہ ہانیہ کو دیتے اور ساتھ بیٹھ کر تصویر بنواتے۔ دونوں طرف سے مووی والے مووی بنا رہے تھے۔ پروفیشنل فوٹو گرافرز علیحدہ تھے۔

سسرالی رشتہ دار نپٹ گئے تو پھر میکے والوں کی باری آئی۔ اب بیگم فریحہ اسٹیج پر گئیں۔ انہوں نے پانچ لاکھ روپیہ فرحان کو سلامی دی پھر ان کی سائیڈ والے تمام رشتہ داروں نے فرحان کو اپنی حیثیت کے مطابق لفافے دیئے۔ علینہ کی امی نے بھی پانچ ہزار لفافے میں ڈال کر دیا۔ منگنی کی رسم کے فوراً بعد کھانا لگا دیا گیا۔ کھانا نہایت [illegible] لذیذ اور خوش ذائقہ تھا۔ تمام چیزیں دیسی گھی میں تیار کی گئیں تھیں۔

ہانیہ اور فرحان اسٹیج پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے ان کے پاس ان کے امی، ابو اور رمشا وغیرہ بھی بیٹھے تھے۔ پورا لان برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ ہانیہ اور فرحان ایسے لگ رہے تھے جیسے جگمگاتی کہکشاں میں دمکتے ہوئے دو ستارے۔ ہانیہ نے اشارے سے علینہ کو پاس بلایا۔ علینہ نے اشارے سے منع کر دیا۔ مگر پھر ہانیہ نے رمشا کو بھیجا جو بالآخر اسے لئے بغیر نہ ٹلی۔ کیمروں کی چکا چوند روشنی میں وہ سٹیج پر چڑھتے ہوئے جھجک رہی تھی مگر رمشا اور ہانیہ کے پرزور اصرار پر اسے چڑھنا پڑا اور پھر ہانیہ کے ساتھ بیٹھ کر تصویریں بھی بنوانی پڑیں۔

دس بجے تک ہانیہ کے سسرال والے رخصت ہو گئے۔ باقی مہمان بھی جا چکے تھے۔ علینہ اور اس کی امی کے علاوہ ہانیہ کی ایک دوست شہلا رہ گئیں تھیں۔ شہلا خاصی شوخ اور بے باک لڑکی تھی۔ پارٹی کے دوران وہ فائق کے گرد ہی منڈلاتی رہی تھی۔ بات بے بات بلند آواز میں قہقہے لگانا اس کی عادت میں شامل تھا۔

اب ہمیں اجازت دیں۔ علینہ کی امی نے بیگم فریحہ سے جانے کی اجازت مانگی تو وہ بولیں۔ ارے اتنی رات کو آپ کہاں جائیں گی۔ رات یہیں ٹھہر جائیں صبح چلی جایئے گا۔ اب تو ہمارا ڈرائیور بھی گھر چلا گیا ہے۔

نہیں بہن ہم ٹیکسی سے چلے جائیں گے۔ علینہ کی امی انکساری سے بولیں۔ ٹیکسی سے تو ہم اتنی رات کو جانے نہیں دیں گے۔ فائق ادھر آؤ۔ انہوں نے فائق کو پکارا۔

وہ قریب آیا۔ جی ماما۔

بیٹا ذرا تم علینہ اور ان کی امی کو گھر تک چھوڑ آؤ۔ اب اتنی رات کو کیسے جائیں گی۔

تو رات یہیں رک جائیں نا۔ صبح صبح میں چھوڑ آؤں گا۔ اس نے علینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں بیٹا۔ تم مہربانی کر کے ہمیں چھوڑ آؤ۔ اس کے ابو کی بھی طبعیت ٹھیک نہیں رہتی۔

اوکے۔ جیسی آپ کی مرضی۔ چلیں۔

انہوں نے جانے کے لئے قدم اٹھائے تو شہلا تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے انکے پاس آئی۔ میں بھی چلوں گی۔ مجھے بھی ڈراپ کر دیجئے گا۔ شہلا بیٹا تم نے تو رات ہانیہ کے پاس رکنے کا وعدہ کیا تھا۔ بیگم فریحہ حیرت سے بولیں۔

ہاں آنٹی، مگر اب ماما کا فون آیا ہے۔ انہوں نے آنے کے لئے کہا ہے۔

کب آیا ہے ماما کا فون۔ لاؤ میری بات کرواؤ۔

نہیں آنٹی۔ میرا جانا ضروری ہے۔ فائق ادھر ہی تو جا رہے ہیں ان کو ڈراپ کر کے مجھے ڈراپ کر دیں گے۔

چلو ٹھیک ہے۔ جاؤ اللہ حافظ۔ بیگم فریحہ نے سب کو الوداع کہا۔ وہ گاڑی کے قریب آئے تو شہلا فٹ سے گاڑی کا دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ دونوں ماں بیٹیاں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ راستہ بھر شہلا بے تکلفی سے فائق کا نام لے لے کر اس سے باتیں کرتی رہی مگر وہ صرف ہوں یا ہاں میں جواب دیتا رہا۔ اس کی باتیں سن سن کر علینہ کا پارہ چڑھنے لگا۔ عجیب چھچھوری لڑکی ہے خواہ مخواہ فری ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ کسی اوٹ پٹانگ بات پر شہلا نے قہقہہ لگایا اور ساتھ ہی فائق کے کندھے پر ہاتھ مارا تو علینہ سلگ اٹھی۔ وہ پیچ تاب کھاتی ہوئی بیک مرر میں دیکھنے لگی جہاں فائق بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ [illegible] سے علینہ کی حرکات و سکنات، اس کی بے چینی اور اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ دونوں کی نظریں چار ہوئیں تو علینہ کی آنکھوں سے چھلکتا غصہ دیکھ کر فائق کی آنکھیں مسکرانے لگیں۔

یہ لڑکی بغیر کسی رشتے یا تعلق کے حق ملکیت جتلا رہی ہے۔ دیوانی کہیں کی۔ وہ مسکرایا۔

بس بیٹا ہمارا گھر آ گیا۔ اس سے اگلی گلی کے سامنے روک دینا۔ اور پھر اگلی گلی کے آگے اس نے گاڑی روک دی۔ جہاں نکڑ پر فیصل ان کے انتظار میں کھڑا تھا۔ جس کو امی نے دس منٹ پہلے فون کر دیا تھا کہ وہ گلی کی نکڑ پر آ جائے۔

شکریہ بیٹا۔ جیتے رہو۔ تم نے ہماری خاطر اتنی تکلیف اٹھائی۔ امی احسان کے بوجھ تلے دبی جا رہی ہیں۔ علینہ کو امی پر غصہ آ رہا تھا۔

آنٹی کوئی بات نہیں۔ آپ شرمندہ کر رہی ہیں وہ بھی فرمانبرداری سے بولا۔

علینہ بغیر رکے باہر نکل کر گھر کی طرف چل دی۔ اس نے شکریہ کہنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی۔

کتنا اچھا لڑکا ہے اتنا امیر ہونے کے باوجود غرور نام کی چیز پاس سے بھی نہیں گذری۔ امی اس کا قصیدہ پڑھتے ہوئے گھر میں داخل ہوئیں۔ امی اب بس بھی کریں۔ وہ منہ پھلائے بولی۔

کتنی بدتمیز اور بداخلاق ہو۔ اتنا بھی نہ ہو سکا کہ شکریہ ہی ادا کر دیتی۔ کس بات کا شکریہ۔ وہ اپنی محبوبہ کو چھوڑنے آیا ہے۔ ہم نہ بھی ساتھ ہوتیں اس کی خاطر اسے آنا ہی تھا۔ علینہ دل کے آبلے پھوڑنے لگی۔

محبوبہ..... امی بھی فکرمند ہو گئیں۔

ہاں تو اور کیا۔ آپ نے دیکھا نہیں کیسے چپک کر میٹھی میٹھی باتیں کر رہی تھی۔ علینہ کی زبان جیسے

زہر اگل رہی تھی۔

میرا دل تو کہتا ہے کہ لڑکی ہی لوز کریکٹر ہے ورنہ کیا نام ہے اس کا ہاں فائق ایسا لڑکا نہیں ہے۔ بیگم عائشہ پورے اعتماد سے بولیں۔ تو علینہ پاؤں پٹختے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے ایک نظر ہے سدھ سوئی ہوئی رابی پر ڈالی اور کپڑے چینج کرنے کے لیے باتھ روم میں گھس گئی۔

☆☆☆

اگلے دن آفس میں بھی اس کا موڈ آف ہی رہا۔ سارا دن اپنے کام سے کام رکھا نہ تو نظریں اٹھا کر فائق کی طرف دیکھا اور نہ بلاضرورت اس کے کیبن میں گئی۔ فائق نے شاید یہ بدلا ہوا موسم محسوس کر لیا تھا۔ بریک کے بعد اس نے بیل دی۔

یس سر

مس علینہ۔ ''پلیز کم آن۔

وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ نظریں میز پر پڑے پیپر ویٹ پر مرکوز تھیں۔

مس علینہ۔ ''۔جی سر۔''

بیٹھ جائیں پلیز۔

وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

آج آپ کی طبیعت شاید ٹھیک نہیں۔ اس نے مفروضہ قائم کیا۔ علینہ نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ اس نے پھر سے آنکھیں جھکا لیں۔

جی نہیں سر۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔

اچھا.....تو پھر شاید موڈ ٹھیک نہیں۔

میرا موڈ کیوں خراب ہونے لگا۔ وہ خشک لہجے میں بولی۔

کیا میں آپ کے موڈ کو خوشگوار کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں وہ آگے کی طرف جھک کر بولا۔ تو وہ حیران رہ گئی۔

جی۔

مطلب یہ کہ آج آفس روٹین سے ہٹ کر کچھ باتیں ہیں۔

آپ تو میرے متعلق سب کچھ جان گئیں۔ آج کچھ اپنے متعلق بتائیے آپ کے کیا کیا شوق ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

فائق آج ایک نئے روپ میں سامنے آ رہا تھا اس بندے کے کتنے روپ ہیں۔ کتنے چہرے ہیں۔ اس کی شخصیت کتنی پرتوں میں چھپی ہوئی ہے۔ ایک پرت اترتی ہے تو دوسری سامنے آ جاتی ہے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے پھر سے بات شروع کی۔

میں نے مسز ہادیہ سے یہ سنا تھا کہ آپ کی امی کا خیال ہے کہ ہر لڑکی کو ملازمت کرنی چاہیے۔ یا کم از کم ملازمت کرنا آتی ہو۔

جی سر۔ ''میری امی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آج کے دور میں عورت کو بھی کمانا چاہیے۔ ایک بڑی وجہ تو مہنگائی ہے۔ ایک آدمی کتنا ہی کما لے۔ اسکے لئے گھر چلانا دشوار ہوتا ہے۔ اگر گھر میں دو، تین کمانے والے ہوں تو پھر بچت کا بھی امکان ہوتا ہے۔ باتوں کے دوران اس کا موڈ خوشگوار ہو گیا۔ اسے اس بات کی خبر بھی نہ ہوئی کہ فائق نے غیر محسوس طریقے سے باتوں میں الجھا کر اسے فریش کر دیا ہے۔ اب اس کے ذہن پر کوئی گرانی نہ تھی بلکہ وہ مسکرا مسکرا کر ہر بات کا جواب دے رہی تھی۔

فائق پھر بولا۔ بھئی میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ ایک پروفیشنل عورت کہیں بہتر بیوی اور ماں ثابت ہوتی ہے کیونکہ وہ دنیا کی اونچ نیچ اچھی طرح جانتی ہے۔ وہ اولاد کی ٹھیک رہنمائی کر سکتی ہے۔ وہ پھر بولی میری امی بھی یہی کہتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اسے دنیا کا سب علم بھی ہونا چاہیے۔ تب ہی تو وہ اپنے بچوں کی صحیح پرورش کر سکتی ہے۔ وہ رکی پھر بولی۔ دیکھا جائے تو یہ سچ ہی ہے۔ عام پڑھی لکھی اور کسی کیریئر سے عاری لڑکیاں شادی کے بعد ایک عام سی بیوی اور ماں ثابت ہو رہی ہیں۔ بس کھا پی لیا۔ باہر نفریح کر لی اور ٹی وی کے آگے بیٹھ کر دنیا جہان کے ڈرامے دیکھ لئے۔ اس کے بعد بچوں کو کارٹون نیٹ ورک لگا کر ان سے جان چھڑا لی۔ بالآخر انہیں مہنگی فیسوں والے ڈونکی اسکولز میں داخل کرا دیا۔ جہاں ان پر علم کتابوں کی صورت میں لاد دیا جاتا ہے۔ ان کے مقابلے میں جو عورتیں خود جاب کرتی ہیں وہ وقت کی کمی کے باوجود اپنے بچوں کے کیریئر اور ان کی تعلیم و تربیت پر کہیں زیادہ توجہ دیتی ہیں۔ ان کے بچے بہتر کیریئر منتخب کرتے ہیں اور کامیاب رہتے ہیں۔ وہ نان اسٹاپ بولتی چلی گئی اور فائق کو حیران کرتی گئی۔ اس کا لیکچر ختم ہو گیا تو وہ فائق کی طرف دیکھنے لگی۔

فائق نے تالی بجائی۔ ولڈن مس علینہ۔ ''میں واقعی آپ سے امپریس ہو گیا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ آنے والے وقت میں بہترین ماں ثابت ہوں گی۔

علینہ اس کی بات سن کر شرم سے لال ہو گئی۔ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں جاؤں سر۔'' اس نے اجازت چاہی۔

اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو میرے لئے کافی بنا دیں گی۔ آج ٹی بوائے میری الیکٹرک کیٹل میں کافی ڈالنا بھول گیا ہے اور میں نے کبھی کافی بنائی نہیں۔ لہٰذا تناسب سمجھ میں نہیں آ رہا۔

میں بنا دیتی ہوں۔ سر۔ اس نے کہا اور پھر کیٹل میں پانی اور کافی ڈال کر اسے پلگ پر رکھ دیا۔ چند منٹ میں کافی تیار ہو گئی۔ اس نے کافی مگ میں ڈال کر فائق کو پیش کی۔

مجھے امید ہے۔ یہ میری زندگی کی سب سے اچھی کافی ہو گی۔ اس نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا تو علینہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

مجھے کافی اچھی نہیں لگتی مگر سب کہتے ہیں کہ میں کافی بہت اچھی بناتی ہوں۔ وہ بولی۔

وہ مسکرایا۔ اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ یہ میری زندگی کی سب سے اچھی کافی ہو گی۔

علینہ کا دل دھڑک اٹھا۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہ بات فائق نے عام انداز میں نہیں کہی۔

جب وہ اپنی سیٹ پر واپس آئی تو اس کی سانس تیز تھی۔ کچھ دیر تک تو اس سے کام ہی نہیں ہوا پھر اسے اپنے اوپر ہنسی آنے لگی۔ پتہ نہیں وہ کس سینس میں بات کر رہا تھا اور میں کس سینس میں لے رہی ہوں۔ یہ پردوں میں لپٹا ہوا انسان کب کیا کہہ جائے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ پتہ نہیں اسکے دل میں میرے لئے کوئی جگہ بنی بھی ہے یا نہیں۔ میں خواہ مخواہ خوش گمانیوں میں مبتلا ہو رہی ہوں۔

اس نے سر جھٹکا اور کام میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

پندرہ دن چٹکی بجاتے گذر گئے۔ سولہویں دن مسز ہادیہ آفس میں آئیں تو وہ پہلے سے زیادہ خوش مزاج اور فریش نظر آ رہی تھیں۔ علینہ سے ایسے گلے مل ملیں۔ جیسے کب کی بچھڑی دوبارہ ملی ہوں۔ علینہ بھی انہیں دیکھ کر کھل اٹھی۔ ان کی غیر موجودگی میں وہ انہیں بہت مس کرتی تھی۔ دوسرا کام کا لوڈ بھی اس پر زیادہ پڑ گیا تھا۔ فائق نے بھی انہیں خوشدلی سے ویلکم کیا۔

دونوں اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھیں کام کر رہی تھیں کہ علینہ بولی۔ شکر ہے۔ میڈم آپ آ گئیں۔ مجھے تو یہ کمرہ کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔

اچھا جی۔ وہ معنی خیز انداز میں بولیں۔ میں تو سمجھتی ہوں میری غیر موجودگی میں تم زیادہ ایزی فیل کرتی ہو گی۔

''وہ کیسے۔'' وہ مسز ہادیہ کو دیکھنے لگی۔

چلو چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ بتاؤ پہاڑوں پر برف پگھلنا شروع ہوئی کہ نہیں۔

پہاڑوں پر برف۔ وہ ہونق بنی دیکھ رہی تھی۔ پہاڑوں پر برف تو موسم گرما میں پگھلتی ہے جبکہ ابھی تو فروری کا اینڈ جا رہا ہے۔

مسز ہادیہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئیں۔ اف یہ لڑکی۔ وہ ہنستی جا رہی تھیں اور علینہ کے چہرے پر بے چارگی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے ایسا کیا کہہ دیا جو آپ اس طرح ہنس رہی ہیں۔ وہ زچ ہو کر بولی۔

کبھی کبھی تو تمہاری سادگی پر سر پھوڑنے کو دل چاہتا ہے۔ مسز ہادیہ بولیں۔ ارے بدھو میں پوچھ رہی تھی کہ فائق کے دل میں تمہارے لئے کوئی جگہ بنی کہ نہیں۔

آپ نے ایسا کب پوچھا۔ آپ تو پہاڑوں پر برف باری کا ذکر کر رہیں تھیں۔ وہ خفا ہوتے ہوئے بولی۔

اچھا اب پوچھ رہی ہوں نا۔ جلدی سے بتاؤ۔

ان کے دل میں میرے لئے جگہ بنی ہے یا نہیں۔ یہ میں کیسے بتا سکتی ہوں۔ وہ لاپرواہی سے بولی۔

کیا مطلب؟ کیا ابھی تک اظہار نہیں کیا انہوں نے۔

''نہیں۔'' وہ بولی۔

اگر وہ نہیں اقرار کرتا۔ تم کر لو۔

میں ..... ہرگز نہیں۔ اگر وہ مجھے پسند کرتے ہیں۔ انکے دل میں میرے لئے کوئی جگہ ہے تو میرے گھر اپنی والدہ اور بہن کو بھیجیں رشتہ مانگنے کیلئے۔ بصورت دیگر جہاں میرے والدین میرا رشتہ طے کریں گے میں وہیں شادی کروں گی۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ مجھے اپنی انا اور عزت نفس ہر چیز سے بڑھ کر پیاری ہے۔

دونوں اپنی اپنی انا کے خول میں بند رہو اور بعد میں تمام عمر پچھتاوں کی آگ میں جلنا۔ مسز ہادیہ کلس کر بولیں۔

علینہ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد دونوں بریک تک خاموشی سے کام کرتی رہیں۔

☆☆☆

مارچ کے مہینے کا آغاز ہو چکا تھا۔ موسم سرما رخصت ہو چکا تھا۔ بہار کی آمد آمد تھی۔ ٹنڈ منڈ درختوں پر نئی ہری ہری کونپلیں پھوٹ رہیں تھیں۔ علینہ کے لئے تو بہار کا موسم کب کا آ چکا تھا۔ اس کا حسن دن بدن نکھرتا جا رہا تھا۔ آج اتوار تھا یعنی چھٹی کا دن تھا۔ علینہ اور رابی نے مل کر پورے گھر کی تفصیلی صفائی ستھرائی کی۔ آج ان کی بڑی بہنوں کی آمد بھی متوقع تھی۔ دونوں بات بات پر چہک رہیں تھیں۔ پورا گھر شیشے کی مانند

چمکا کر امی کے پاس آ بیٹھیں۔

امی آج فاخرہ باجی اور وجیہہ باجی آئیں گی کیا؟

ہاں ہاں ضرور آئیں گی۔ ایک اتوار چھوڑ کر دوسرے اتوار آتیں ہیں۔ یعنی پندرہ دن بعد۔ تم جانتی تو ہو۔ امی نے رابی کو جواب دیا تو علینہ بول اٹھی۔ امی آج کھانے میں کیا بنائیں۔

کھانے میں ایسا کرو۔ چکن بریانی اور ساتھ مٹن قورمہ بنالو۔

فریج سے تھوڑے شامی کباب نکال کر تل لینا۔ ان کے بچوں کو کباب بہت پسند ہیں۔ ماں کے لہجے سے بیٹیوں اور نواسوں کے لئے پیار چھلک رہا تھا۔

دونوں بہنیں کھانے کی تیاری میں جت گئیں۔ ابھی کھانا پک ہی رہا تھا کو دونوں باجیاں بمع اپنے بچوں کے آن پہنچیں۔

گھر میں شور وغل مچ گیا۔ نانی اور خالائیں بچوں سے لپٹ لپٹ کر ان کی بلائیں لینے لگیں۔ یہ ہنگامہ سن کر علی رضا بھی اپنے کمرے سے باہر آ گئے۔ بیٹیوں اور ان کے بچوں کو دیکھ کر کھل اٹھے۔ انہوں نے فیصل کو بلا کر پیسے دیئے کہا کہ دوڑ کر جانکڑ والی ربڑھی سے بچوں کے لئے دہی بھلے اور گول گپے لے آ۔

دہی بھلوں اور گول گپوں نے دوپہر کا کھانا گول کر دیا۔ فاخرہ نے علینہ سے کہا کہ کھانا ابھی تیار نہ کرنا۔ شام کو چھ بجے شروع کرنا تا کہ سات ساڑھے سات بجے تک تیار ہو جائے۔ رات کو ان دونوں بہنوں کے میاؤں نے آنا تھا۔ اپنی اپنی فیملی کو لینے کے لئے۔ دونوں دامادوں نے رات کا کھانا یہیں کھانا تھا۔ اس لئے وہ چاہتی تھیں کہ انکے آنے پر انہیں رات کا کھانا گرم اور فریش ملے۔ دہی بھلوں اور گول گپوں کے بعد چائے کا دور چلا چائے پینے کے بعد چاروں بہنیں ماں کے ساتھ لپٹ کر بیٹھ گئیں۔ وہ پانچوں اس وقت لاؤنج میں بیٹھیں دکھ سکھ میں مصروف تھیں۔ بچے باہر صحن میں کھیل رہے تھے۔ علی رضا صاحب نماز عصر ادا کرنے کے لیے مسجد میں چلے گئے تھے۔ ویسے بھی ان کا زیادہ وقت مسجد میں ہی گذرتا تھا۔

امی میں نے جو بات آپ سے کی تھی اس پر کچھ غور کیا۔ فاخرہ نے ماں سے پوچھا۔

کون سی بات۔ امی شاید بھول چکیں تھیں۔

علینہ کے رشتے والی بات۔

علینہ جو فاخرہ کی چھوٹی بیٹی کو ٹانگوں پر بٹھائے جھولا جھلا رہی تھی۔ اپنا نام سن کر چونک گئی۔

ہاں ہاں یاد آیا وہ بات۔ وہ تو میں نے کسی سے ذکر ہی نہیں کیا۔

امی آپ بھی نا۔ اچھے رشتے روز روز تھوڑے ملتے ہیں۔ لڑکا خیر سے ڈاکٹر بن چکا ہے۔ اس کے

لئے رشتوں کی لائن لگی ہوئی ہے۔ ہر کوئی اپنی لڑکی دینے کو تیار بیٹھا ہے۔ اتنی سستی دکھائی تو وہ لوگ اسے ہمارا غرور سمجھیں گے۔

کس رشتے کی بات کر رہیں ہیں آپی۔ علینہ نے براہ راست فاخرہ سے پوچھا۔

میری جھیانی کا سب سے چھوٹا بھائی ہے۔ ڈاکٹر بن چکا ہے۔ روشن مستقبل ہے۔ ٹھیک ٹھاک کمائے گا۔ تھوڑا رنگ سانولا ہے مگر رنگ کا کیا ہوتا ہے۔ لڑکے تو سلانولے سانولے ہی اچھے لگتے ہیں۔

جسے تم تھوڑا سانولا کہہ رہی ہو۔ ٹھیک ٹھاک کالا ہے۔ وجیہ نے لقمہ دیا اور عمر کا بھی خاصا بڑا ہے۔ پتہ نہیں کتنے سال لگائے ہیں ایم بی بی ایس میں۔

لڑکوں کی عمر نہیں۔ ان کی آمدنی پوچھی جاتی ہے۔ فاخرہ بڑی بوڑھیوں کی طرح ہاتھ نچا کر بولی۔

پلیز آپ دونوں یہ بحث بند کریں۔ ابھی مجھے شادی نہیں کرنی۔ علینہ نے اپنا فیصلہ سنایا۔

مگر کیوں تم نے شادی کیوں نہیں کرنی۔ فاخرہ تنک کر بولی۔

میری مرضی۔ علینہ نے کندھے اچکائے۔

دیکھ رہیں ہیں۔ امی۔ اب یہ اتنی خودمختار ہو گئی ہے کہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرے گی۔ فاخرہ نے ماں کی حمایت حاصل کرنا چاہی۔ بھئی اگر اس کا دل نہیں مان رہا تو رہنے دو۔ چھوڑ دو اس موضوع کو۔ کوئی اور بات کرو۔ امی نے ٹکا سا جواب دے دیا۔

چلیں ٹھیک ہے۔ میں ان کو انکار کر دوں گی۔ ان کے پاس کون سا رشتوں کی کمی ہے۔ یہ تو میری جھیانی صاحبہ کو پتہ نہیں علینہ میں ایسا کیا نظر آ گیا کہ مجھ سے علینہ کے لئے بات کر بیٹھیں۔ جاب تو شادی سے پہلے ہم دونوں بہنیں بھی کرتی رہی ہیں مگر جناب ایسے پر پرزے بالکل نہیں نکالے۔ جس کھونٹے سے ماں باپ نے باندھا۔ چپ چاپ بندھ گئے۔ فاخرہ کافی دیر تک دل کے پھپھولے پھوڑتی رہی۔ جب آگے سے کوئی نہ بولا تو خود بھی تھک ہار کر چپ ہو گئی۔

☆☆☆

دوسرے دن دفتر میں اس نے مسز ہادیہ سے اس بات کا ذکر چھیڑا تو وہ بھی کہنے لگیں۔ جس گھر میں بیری کا درخت ہو۔ وہاں پتھر تو آتے ہی ہیں۔ جوان لڑکیوں کے گھروں میں رشتے پوچھنے والے تو آتے ہیں۔ یہ بالکل فطری بات ہے۔ ایک بات بتاؤ علینہ۔

علینہ پوری طرح متوجہ ہو گئی۔

”جی کہیں۔“

کب تک آنے والے رشتوں کو ٹھکراتی رہو گی۔ کس کی آس لگائے بیٹھی ہو۔ ایک وقت آئے گا۔ اچھے رشتے آنا بند ہو جائیں گے۔ تب کیا کرو گی۔ کس کے سہارے زندگی گزارو گی۔ مسز ہادیہ نے اتنا عبرت ناک نقشہ کھینچا کہ وہ واقعی کانپ گئی۔

تو پھر میں کیا کروں۔ وہ روہانسی ہو کر بولی۔

دیکھو تم فائق کو پسند کرتی ہو بلکہ مجھے یقین ہے کہ اس سے محبت کرتی ہو۔ بظاہر اس کا رویہ بھی مثبت ہے تو پھر بات یہاں پر آ کر کیوں رک گئی ہے آگے کیوں نہیں بڑھتی۔

اب میں کیا کر سکتی ہوں۔ پروپوز کرنا تو ان کا کام ہے میں لڑکی ہو کر اپنے منہ سے یہ بات کہتے ہوئے اچھی لگوں گی کیا۔

چلو یہ مان لیتے ہیں کہ تم اپنے منہ سے یہ بات کہتے ہوئے بہت بری لگو گی۔ مگر کم از کم اتنا تو کلیئر ہو جائے گا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ وہ تم سے کتنا سیریس ہے۔ وہ زور دیکر بولیں تو علینہ سوچ میں پڑ گئی۔

اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر مسز ہادیہ نے پھر بات شروع کی۔

میں تو کہتی ہوں۔ آج ہی بات کر ڈالو۔ کل فائق پندرہ دن کے لئے بزنس ٹور پر آسٹریلیا جا رہا ہے۔ ہمت پیدا کرو۔

پندرہ دن کے لئے ..... علینہ کے اوسان خطا ہونے لگے۔ اس کی جدائی کا ہولناک احساس اسے دہلا رہا تھا۔

چلیں ٹھیک ہے جب واپس آئیں گے تو ان سے دوٹوک بات کروں گی۔ ان پندرہ دنوں میں اپنے اندر اتنی ہمت شاید پیدا کر ہی لوں۔

بیگم ہادیہ نے اس کی بات سن کر اپنا سر پکڑ لیا۔

تھوڑی دیر بعد فائق نے علینہ کو اپنے پاس بلایا۔

''مس علینہ۔''

جی سر۔'' وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

میں کل پندرہ دن کے لئے آسٹریلیا جا رہا ہوں۔

جی میں نے میڈم سے سن لیا ہے۔ وہ ابھی تک پلکیں گرائے کھڑی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اس کی آنکھیں اس کے دل کا حال عیاں نہ کر دیں۔

آپ کے لئے کیا تحفہ لاؤں۔ اس کی گھمبیرتا میں ڈوبی آواز کانوں سے ٹکرائی تو وہ بوکھلا کر اس کی

آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

جی۔'' وہ حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگی۔

پہلے بیٹھیں پلیز۔ اس نے ہاتھ سے چیئر کی طرف اشارہ کیا۔

وہ جیسے کرسی پر گر سی گئی۔

میں نے پوچھا تھا میں آپ کے لئے کیا لاؤں۔ ایک تو آپ ہر بات پر اپنی بڑی بڑی آنکھیں اور بڑی کر لیتیں ہیں۔ دیکھنے والا ان جھیل سی گہری آنکھوں میں ڈوب جاتا ہے۔

وہ بے یقینی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ زیرِ لب مسکراتا ہوا عالم جذب میں اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے چھلکتا والہانہ پن دیکھ کر اس نے نظریں جھکا لیں۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ آج فائق اپنے دل کی بات اس سے کہہ کر ہی اسے یہاں سے اٹھنے دے گا۔ وہ انتظار کر رہی تھی کہ وہ کب بات شروع کرے گا۔ اچھا ہے وہی بات کرے۔ میں تو بے حیا ہونے سے بچ جاؤں گی۔ لڑکیوں کے منہ سے پیار محبت اور شادی بیاہ کی باتیں تو اچھی نہیں لگتی نا۔

جب کافی دیر تک خاموشی طاری رہی تو وہ پھر سے جھجکتے ہوئے فائق کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ ابھی تک یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی یہ وارفتگی دیکھ کر وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگی۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ سر میں جاؤں۔

آپ نے میری بات کا جواب تو دیا ہی نہیں۔

کون سی بات کا جواب۔ وہ بدحواسی میں واقعی چند لمحے پہلے کہی گئی بات بھول چکی تھی۔

تحفے والی بات۔ فائق نے یاد کروایا۔

کچھ نہیں سر۔ مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے۔ میرے لئے سب سے بڑا تحفہ آپ کی ذات ہے۔ یہ آخری جملہ اس نے دل میں کہا تھا۔

یہ تو آپ کو بتانا پڑے گا ورنہ آپ یہاں سے جا نہیں سکتیں۔ وہ بھی جیسے ضد میں آ گیا تھا۔

وہ نروس ہو گئی۔ پھر اپنے کیبن کی طرف دیکھا تو مسز ہادیہ بھی مسکراتے ہوئے ادھر ہی دیکھ رہیں تھیں۔

سر..... آپ کی مرضی پر چھوڑتی ہوں۔ جو اچھا لگے۔ لے آئیے گا۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ جیسے اگر وہ چند لمحوں کی دیر کرتی تو فائق اسے دبوچ لیتا۔ اس کے جانے کے بعد فائق کافی دیر تک اس کے متعلق سوچ سوچ کر مسکراتا رہا۔

علینہ اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھی تو میڈم ہادیہ بغور اس کی طرف دیکھ رہیں تھیں۔ کیا بات ہے بڑی لال ہو رہی ہو۔

کچھ نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔ وہ بوکھلاتے ہوئے بولی۔

☆☆☆

اور پھر فائق چلا گیا۔ علینہ کے لئے بہار کا موسم یکا یک خزاں میں بدل گیا۔ وہ ایک شخص جیسے پورے شہر کو ویران کر گیا۔ یہ پندرہ دن اس کے لئے گویا پندرہ سال بن گئے۔ دن کاٹے نہ کٹتے راتیں گزارے نہ گذرتیں۔ نیند پاس آنے سے ڈرتی۔ یادیں دور جانے کا نام نہ لیتیں۔ وہ جو عشق کو دماغ کا خلل کہتی تھی۔ اب عشق کے شکنجے میں ایسی جکڑی کہ رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آتی۔ وہ جو محبوب کو اپنے قدموں تلے جھکانے چلی تھی۔ خود ہی بکھر کر اس کے قدموں کی خاک بن گئی۔ اس سے پہلے وہ کب جانتی تھی کہ انتظار میں اتنی میٹھی کسک ہوتی ہے۔ دل کس طرح کسی کے انتظار میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتا ہے۔ لبوں سے آہ نکلتی ہے تو تصور تیز گام ہو جاتا ہے۔ ذہن میں اتنی بجلیاں ٹوٹ کر گرتیں ہیں کہ ماضی کی اک اک بات، اک اک واقعہ یوں ترتیب وار آنکھوں کے سامنے آنے لگتا ہے جیسے کوئی فلم چل رہی ہو۔ بعض اوقات اسے اپنی بے بسی پر غصہ آتا۔ اپنی بے بسی کی زنجیر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کو دل چاہتا۔

لوگ کہتے ہیں۔ دل سے نکلنے والی صداؤں میں اثر ہوتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔ سچی تڑپ رائگاں نہیں جاتی۔

لوگ کہتے ہیں۔ جسے دل سے یاد کرو۔ وہ بھی بے چین ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ تو کیا وہ بھی مجھے یاد کرتا ہوگا۔ مجھے دیکھنے کے لئے بے چین ہوگا۔ یا پھر میں ہی اس کے پیچھے دیوانی ہو رہی ہوں۔ بس بہت ہو گیا۔ اب کہ آئے گا تو پلو سے ایسے باندھوں گی کہ آزادی کے لئے ترسے گا۔ بھاڑ میں جائے انا اور خود داری۔ اپنے محبوب کے سامنے اپنا حال دل کھول کر رکھ دوں گی۔ دیکھتی ہوں کیسے انکار کرتا ہے۔

محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔ وہ مختلف تاویلیں دے دے کر خود کو بہلا رہی تھی اور فائق کے آنے کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ وہ اس غزل کی عملی تفسیر بنی بیٹھی تھی۔

کب تک رہو گے یوں آخر دور دور ہم سے
ملنا پڑے گا آخر اک دن ضرور ہم سے
دامن بچانے والے یہ بے رخی ہے کیسی
کہہ دو اگر ہوا ہے کوئی قصور ہم سے

ہم چھین لیں گے تم سے یہ شان بے نیازی
پھر مانگتے پھرو گے اپنا غرور ہم سے
ہم چھوڑ دیں گے تم سے یوں بات چیت کرنا
تم پوچھتے پھرو گے اپنا قصور ہم سے

☆☆☆

آج فائق کو گئے ہوئے ساتواں روز ہے۔ تمہاری شادی میں صرف ایک مہینہ اور دو دن رہ گئے ہیں۔ فرنیچر والے کو تو آرڈر دے دیا ہے۔ لہنگے کا آرڈر بھی دے دیا ہے۔ اب باقی جو چیزیں خریدنی ہیں۔ ان کی لسٹ بنا لو اور شاپنگ شروع کر دو۔ گنتی کے دن ہیں کیسے گذریں گے۔ پتہ بھی نہیں چلے گا۔ بیگم فریحہ نے چائے پیتے ہوئے ہانیہ کو تنبیہہ کی۔

ماما ابھی تھوڑے دن پہلے تو میں ایگزام سے فارغ ہوئی ہوں۔ ابھی تھوڑے دن مکمل آرام کرنا چاہتی تھی۔ آپ نے ایگزام کے فوراً بعد کی ڈیٹ شادی کے لئے فکس کر دی۔ ہانیہ نے منہ بنایا۔

تاریخ آگے کرتے تو گرمی نے زور پکڑ لینا تھا۔ اب بھی اپریل کا اینڈ ہوگا۔ تھوڑی تھوڑی گرمی تو شروع ہو چکی ہوگی۔

ماما دل نہیں چاہتا شاپنگ کرنے کو۔ ہانیہ بولی۔

کسی فرینڈ کو ساتھ لے جایا کرو۔ مجھ سے تو اب اتنا گھوما پھرا نہیں جاتا۔ بیگم فریحہ اپنے گھٹنوں کی تکلیف سے پریشان تھیں۔

کس فرینڈ کو لے کر جاؤں۔ ہانیہ سوچ میں پڑ گئی۔

اس لڑکی کو کیا نام ہے اس کا ہاں.....علینہ۔ اس کو لے جاؤ۔

علینہ.....ہوں اچھی لڑکی ہے۔ ہانیہ کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔ ماما آپ نے ایک بات نوٹ کی۔

کیا۔ ''بیگم فریحہ آنکھیں سکوڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ یہی کہ جب سے فائق بھائی کے دفتر میں علینہ آئی ہے۔ بھائی کے رویئے میں واضح فرق پیدا ہوا ہے۔

مثلاً۔

مثلاً۔ اب وہ بولنے لگے ہیں۔ بات بے بات مسکرانے لگے ہیں۔ ان کے چہرے پر رونق بڑھ گئی ہے۔ وہ جوش سے بولی۔

ہاں یہ باتیں تو میں بھی محسوس کر رہی ہوں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ فائق اپنی پرانی روش کی

طرف آہستہ آہستہ لوٹ رہا ہے۔

دیکھئے گا ماما اس لڑکی کا ساتھ رہا تو ایک دن بھائی قہقہے لگا کر ہنسے گا۔

انشاءاللہ۔ بیگم فریحہ نے صدق دل سے کہا۔

ماما۔ کیا خیال ہے بھائی کے لئے علینہ کا رشتہ پوچھا جائے۔

ہاں ہاں ضرور پوچھیں گے مجھے تو ویسے ہی وہ لڑکی بہت پسند ہے۔ بس ایک بار فائق وطن واپس آ جائے تو اس کی مرضی پوچھ لوں۔ دونوں ماں بیٹی فائق کی شادی کے تصور سے ہی خوش ہو گئیں۔

☆☆☆

علینہ آفس میں بیٹھی بے دلی سے کام کر رہی تھی۔ آج صبح سے ہی اس کی طبیعت بوجھل سی تھی۔ مسز ہادیہ نے پوچھا تو کوئی خاص بات نہیں کہہ کر ٹال گئی۔ اس کی نظر بار بار فائق کے کمرے کی جانب اٹھتی مگر وہاں اس کی کرسی پر اس کے مینجر ندیم کو بیٹھا دیکھ کر مایوس واپس لوٹ آتی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کام چھوڑ کر گھر چلی جائے۔ ابھی وہ چھٹی لینے کے لئے کوئی بہانہ سوچ ہی رہی تھی کہ ہانیہ آ گئی۔ ہانیہ کو دیکھ کر علینہ کے چہرے پر بھی رونق آ گئی۔

چلو علینہ کام چھوڑو اور میرے ساتھ چلو۔ ہری اپ۔

کہاں علینہ پوچھنے لگی۔ ہانیہ جب بھی آتی تھی ہوا کے گھوڑے پر سوار ہی آتی تھی۔

میں شاپنگ کے لئے جا رہی ہوں اور تمہیں اپنے ساتھ لے کر جا رہی ہوں۔ میں ساتھ کیا کروں گی۔

کیا مطلب کیا کروں گی۔ چیزیں خریدنے میں میری ہیلپ کرو گی۔ مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازو گی۔

مسز ہادیہ آپ کام سنبھالیں۔ میں اسے لے کر جا رہی ہوں۔ مسز ہادیہ جو انہیں دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ بولیں۔ کوئی بات نہیں میں سنبھال لوں گی آپ بے فکر ہو کر جائیں۔

دونوں جا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ چلو اشرف ہانیہ نے اشرف کو چلنے کا آرڈر دیا تو گاڑی حرکت میں آ گئی۔ لبرٹی مارکیٹ لے چلو۔

لبرٹی پہنچ کر ہانیہ نے چیزوں کی خریداری شروع کی تو علینہ ان چیزوں کی قیمتیں سن سن کر دنگ رہ گئی۔ ہانیہ نے بیس ہزار کا پرس، پینتیس ہزار کا جوتا اور ستر ہزار کا ایک جوڑا خریدا تو علینہ چکرا سی گئی۔ جس بوتیک سے اس نے ستر ہزار کا سوٹ خریدا وہاں بہت خوبصورت اور اسٹائلش ڈریس تھے۔ علینہ ان کو پرشوق نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

اپنے لئے کوئی سا بھی ڈریس پسند کر لو۔ ہانیہ نے کہا تو علینہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

جی۔ میں.....

ہاں تم..... میں نے کہا ہے جو ڈریس پسند کرنا ہے کر لو۔ پے منٹ میں کروں گی۔ میری شادی پر سوٹ تو بنوانا ہے نا تمہیں۔

نہیں نہیں۔ میرے پاس آل ریڈی ڈریس ہیں۔ ان میں سے کوئی پہن لوں گی۔

سوٹ تو تمہیں لینا ہی پڑے گا۔ ماما نے سختی سے تاکید کی تھی کہ تمہیں ایک خوبصورت سا جوڑا خرید کر دوں۔

نہیں میں نہیں لے سکتی۔ پلیز آپ ضد نہ کریں۔ علینہ گڑگڑائی تو ہانیہ کو ہنسی آنے لگی۔ اچھا اب یہ گڑگڑانا بند کرو اور جلدی سے سوٹ پسند کرو۔ پھر کہیں لنچ بھی کرنا ہے۔ میرے پیٹ میں تو بھوک سے بل پڑ رہے ہیں۔ ہانیہ کا حکمیہ لہجہ دیکھ کر علینہ سوچ میں پڑ گئی۔

چلو آؤ میں تمہاری مدد کرتی ہوں ڈریس پسند کرنے کے لئے۔ وہ علینہ کو بازو سے پکڑ کر کھینچتی ہوئی اس حصے کی طرف لے گئی جہاں انتہائی بیش قیمت ملبوسات رکھے تھے۔

پھر ہانیہ نے ایک انتہائی نفیس نفیس کام کا بنا ہوا انگرکھا اس کے سامنے کیا۔ جو لائٹ اورنج کلر کا تھا۔

یہ کیسا ہے۔ اس نے علینہ سے پوچھا۔

بہت خوبصورت ہے۔ سوٹ دیکھ کر علینہ کا چہرہ دمک اٹھا۔ کیا پرائس ہے اس کی۔ ہانیہ نے سیل مین سے پوچھا۔

اسی ہزار میم۔ اس نے پروفیشنل مسکراہٹ کے ساتھ بتایا۔

کیا..... علینہ گرتے گرتے بچی۔ چلیں آئیں کوئی اور دیکھ لیتے ہیں۔ اس نے ہانیہ کا بازو کھینچا۔

چپ کھڑی رہو۔ تمہیں صرف سوٹ پسند کرنا ہے۔ قیمتیں دیکھنا تمہارا کام نہیں۔ صرف یہ بتاؤ سوٹ تمہیں پسند ہے۔

سوٹ تو بہت زبردست ہے۔ وہ جھجکتے ہوئے بولی۔ مگر..... اگر مگر چھوڑو۔ پلیز یہ سوٹ بھی پیک کر دیں۔ ہانیہ سے آرڈر دیا آج کے چکر میں اتنا کافی ہے۔ اب تو ہر روز بازار آنا پڑے گا۔ اگلی دفعہ جب میرے ساتھ آؤ گی تو جوتا اور جیولری بھی لے دوں گی۔ ٹھیک ہے نا۔

مگر آپ اتنا سب کچھ کیوں کر رہی ہیں۔ علینہ نے احتجاج کیا۔

تمہارا حق بنتا ہے۔ ہانیہ مسکرائی۔

کس حوالے سے ..... میرا مطلب ہے کس رشتے سے۔ وہ بوکھلائی۔ وہ بھی عنقریب بن جائے گا۔ ڈونٹ وری۔ ہانیہ نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا۔

علینہ کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔

علینہ ہانیہ سے تین چار سال چھوٹی ہونے کی وجہ سے اس کا احترام کرتی تھی اور اسے آپ جناب کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔

جب کہ ہانیہ بھی اسی بات کا فائدہ اٹھا کر اس پر ضرورت پڑنے پر دھونس جما لیتی تھی اور اس سے اپنی ہر بات منوا بھی لیتی تھی۔ دونوں شاپنگ بیگ اٹھائے گاڑی کے پاس آئیں تو اشرف نے جو ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ فوراً آ کر گاڑی کے دروازے کھول دیئے۔

دونوں گاڑی میں بیٹھیں تو ہانیہ نے اسے چائنز ریستوران چلنے کے لئے کہا۔

چائنز کھاتے ہوئے ہانیہ نے علینہ کو برسوں پرانا واقعہ سنایا جب فائق نے اپنے سوپ میں ڈھیروں ٹماٹو کیچپ انڈیل دی تھی اور برابر میں بیٹھی ہوئی لڑکی دیکھ کر ابکائیاں لینے لگی تھی۔

علینہ سن کر بہت ہنسی اور حیران بھی ہوئی۔

واقعی فائق صاحب اتنے چلبلے تھے۔

ہاں ایسا ہی تھا میرا بھائی کبھی نہ سیریس ہونے والا۔ ہر وقت ہنسنے اور ہنسانے والا۔ ہانیہ بات کرتے کرتے سنجیدہ ہو گئی۔ پھر دونوں خاموشی سے کھانا کھانے لگیں۔

☆☆☆

ہانیہ نے علینہ کو دفتر کی بجائے اس کے گھر ڈراپ کیا۔ ویسے بھی دفتر کا وقت ختم ہونے میں ایک گھنٹہ رہ گیا تھا۔

علینہ نئے سوٹ کو ہاتھ میں تھامے جب گھر میں داخل ہوئی تو رابی اور اس کی امی متجسس نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ یہ کیا ہے آپی۔ رابی نے شاپنگ بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے بیگ صوفے پر الٹا کر دیا تو اس میں سے قیمتی اورنج کلر کا جوڑا بکھر سا گیا۔ اس جوڑے کی چکا چوند سے ان دونوں ماں بیٹی کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

یہ کس کا سوٹ ہے اس کے سوٹ کھول کر دیکھتے ہوئے بولیں۔ میرا ہے۔ وہ بڑے تفاخر سے گردن اکڑا کر بولی۔

تمہارا ہے۔ کس نے لے کر دیا ہے اتنا قیمتی جوڑا۔ بیگم عائشہ کے لہجے سے فکرمندی چھلک رہی تھی۔

امی۔ تحفہ دینے والے کی نیت دیکھی جاتی ہے۔ قیمت نہیں۔

وہ فلسفیانہ انداز میں بولی تو اس کی امی کا پارہ چڑھنے لگا۔ سیدھی طرح بتا کیوں نہیں دیتی۔ کس نے دیا ہے۔

ہانیہ نے۔

کون ہانیہ ..... وہی جو تمہارے باس کی بہن ہے۔

ہاں وہی ہانیہ جس کی منگنی پر بھی ہم گئے تھے اور اب شادی بھی قریب آ پہنچی ہے۔ اس نے یہ جوڑا مجھے گفٹ دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ مجھے شادی پر یہی جوڑا پہن کر آنا ہے۔

اس نے تمہیں اتنا مہنگا گفٹ دیا اور تم نے چپ چاپ لے لیا۔

میں نے بہت زیادہ انکار کیا مگر اس نے زبردستی خرید کر دیا۔ کہہ رہی تھی کہ آنٹی نے کہا ہے۔

ویسے امی کتنا خوبصورت سوٹ ہے۔ رابی جو کافی دیر سے ہونق بنی کھڑی تھی آگے بڑھ کر سوٹ دیکھنے لگی۔

ہاں ہاں خوبصورت تو ہوگا۔ اتنا قیمتی جو ٹھہرا۔ کیا قیمت ہے اس کی۔ اس کی امی نے پوچھا۔

گیس کریں۔ اس نے کندھے اچکائے۔

میرا خیال ہے۔ دس بارہ ہزار کا تو ضرور ہوگا۔ امی نے بڑی چھلانگ لگائی۔

نہیں امی۔ دس بارہ ہزار میں ایسا سوٹ کہاں آتا ہے۔ رابی بولی۔ میرا اندازہ ہے یہ سوٹ بیس پچیس ہزار سے کسی طرح بھی کم نہ ہوگا۔

علینہ مسکراتے ہوئے دونوں کے چہرے دیکھ رہی تھی۔

علینہ آپی بتاؤ نا کس کا اندازہ ٹھیک ہے۔ میرا یا امی کا۔ تم قریب ترین ہو۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تو رابی کھل اٹھی دیکھا میرے اندازے ہمیشہ صحیح ہوتے ہیں۔

چلو اب اسی خوشی میں مجھے چائے پلاؤ۔ علینہ نے رابی کو آرڈر دیا تو وہ خوشی خوشی کچن کی طرف چل دی۔

امی پھر بولیں۔ علینہ تمہیں اتنا مہنگا سوٹ نہیں لینا چاہیے تھا۔ علینہ نے کوئی جواب نہ دیا وہ سوچنے لگی کہ میری ماں کو سوٹ کی اصل قیمت پتا چل جائے تو تب ان کا ری ایکشن کیسا ہوگا۔

☆☆☆

فائق آسٹریلیا میں فہد کے پارٹمنٹ میں فہد کیساتھ بیٹھا پٹاٹو چپس سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

بالکل فضول انسان ہو تم اتنے دن ہو گئے مجھے یہاں تمہارے پاس آئے ہوئے کہیں سیر وغیرہ کروائی۔ صبح نوکری پر چلے جاتے ہو مجھے اس ڈربے میں بند کر کے۔ شام کو آتے ہو اور تھکے ہارے بیڈ پر گر جاتے ہو۔

یار تمہیں خالی خولی ڈربے میں بند نہیں کرتا۔ باقاعدگی سے دو ٹائم دانہ بھی ڈالتا ہوں۔ فہد شرارت سے بولا۔

کیا مطلب ہے تمہارا۔ فائق چمک کر بولا۔ تم مجھے مرغا بنا رہے ہو۔

تم اچھی طرح جانتے ہو کر مرغا کیسے بنا جاتا ہے۔ یقیناً بچپن میں ٹیچرز نے متعدد مرتبہ بنایا ہوگا۔ تم مزے سے ٹانگیں پسارے چپس کھا رہے ہو اور مجھ پر یہ سنگین الزام لگا رہے ہو کہ میں نے تمہیں مرغا بنایا ہے۔

ٹھیک ہے بیٹے اب تمہاری جولیا آئے گی نا میں بھی اس کے سامنے تمہاری انسلٹ کروں گا تب تمہیں پتہ چلے گا۔

یہ زیادتی ہے۔ فہد کراہا۔ میں نے اکیلے میں تمہاری انسلٹ کی ہے تم بھی اکیلے میں مجھ سے بدلہ لو گے۔

جولیا کے نام پر اتنا تڑپ کیوں اٹھتے ہو۔ کیا شادی کا ارادہ ہے یا صرف وقت گذار رہے ہو اس کے ساتھ۔

کیا مطلب وقت گذار رہے ہو۔ ایسا ویسا کچھ نہیں جیسا تم سمجھ ہو۔ ہماری دوستی ایک دم پاکیزہ ہے۔

ہائے میرا مشرقی مرد۔ بے چارہ کیسے اپنی عصمت کو سنبھال کر بیٹھا ہے۔ فائق نے قہقہہ لگایا تو فہد جھینپ گیا۔ بات بدلنے کی خاطر بولا۔

تو سنا مرغے کوئی مرغی بھی پھنسائی ہے یا ابھی تک اکیلا ہی ککڑوں کڑوں کر رہا ہے۔

چھوڑ یار اب باقی زندگی ایسے ہی گزرے گی۔ فائق نے ٹھنڈی سانس بھری۔

کیا مطلب۔ عائزہ کے بعد کوئی لڑکی تمہاری زندگی میں نہیں آئی اس نے حیرت سے پوچھا۔

آئی تو ہے۔ بالکل عائزہ کا عکس ہے ہو بہو عائزہ کی ہم شکل ہے۔

واقعی۔ فہد بہت حیران ہوا۔ ایسا تو فلموں میں دیکھا تھا۔

ہاں یار۔ کبھی کبھی حقیقی زندگی میں بھی غیر حقیقی واقعات رونما ہو جاتے ہیں۔

تو پھر.....اسے پرپوز کر دو۔ کہاں رہتی ہے وہ۔

وہ تو ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتی ہے۔

کیا اس کے عشق میں اتنا ڈوب چکے ہو کر ہر وقت وہی دکھائی دیتی ہے کہیں اس وقت میری جگہ اسے تو نہیں دیکھ رہے۔ فہد کی رگ ظرافت پھر سے بھڑک اٹھی۔

اے کھوجو۔ کبھی تو سیریس ہو جایا کر۔ وہ میرے دفتر میں کام کرتی ہے اس بنا پر ایسا کہہ رہا تھا۔

اچھا اچھا اب سمجھا تو پھر کیا مشکل ہے اسے اپنا حال دل کہہ ڈال اور جلدی سے شادی کر لے۔ اب تو دیکھنے میں بھی پکی عمر کا لگتا ہے۔

اچھا جی۔ اگر میں نے اب تک شادی نہیں کی تو تیرے کون سے تین چار بچے ریں ریں کر رہے ہیں۔ تو بھی تو ابھی تک کنوارا سڑ رہا ہے۔ فائق پیچھے رہنے والا کب تھا۔

یار طعنے مارنے میں تو، تو عورتوں سے بھی دو ہاتھ آگے ہے تو ٹھہرا امیر رئیس زادہ ایک چھوڑ چار چار شادیاں کر سکتا ہے جبکہ مجھ غریب پر دو، بہنوں کی ذمہ داری ہے۔ ان کی شادیاں کر کے میں شادی کے متعلق سوچ سکتا ہوں۔

ارے یار بہنوں کی شادی سے یاد آیا۔ عائزہ کی شادی میں ایک ماہ سے بھی کم دن رہ گئے ہیں جب کہ میرے ابھی مزید پانچ چھ دن لگ جائیں گے یہاں۔

فکر کی کوئی بات نہیں پیسہ جیب میں ہو تو دنوں میں پورا جہیز تیار ہو جاتا ہے۔

وہ تیاریاں تو ہو رہی ہیں۔ ماما اور ہانیہ سے ہر روز فون پر بات ہوتی ہے۔ ہانیہ کو کھلی چھوٹ دے دی ہے کہ جو کچھ خرید سکتی ہے خرید لے۔ فائق نے فخر سے کہا تو فہد سوچ میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

پھر وقت کی کتاب سے کچھ اور صفحے پلٹے اور فائق آسٹریلیا سے بخیر و عافیت وطن واپس آ گیا۔ وہ حسب عادت ماما اور ہانیہ کے لئے [illegible] تحفے لایا۔ ان تحائف میں ایک بلو کلر ویلوٹ کیس پڑا تھا۔ ہانیہ اسے دیکھ رہی تھی کہ فائق نے وہ کیس اٹھا کر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

بھائی دکھائیں نا۔ اس میں کیا ہے۔

اوہوں۔ یہ کسی کی امانت ہے۔ اور امانت میں خیانت بالکل نہیں کرتے۔

ایک نظر دکھا تو دیں۔ دکھانے سے امانت میں خیانت تھوڑی ہوتی ہے۔

فائق نے تھوڑی دیر پس و پیش سے کام لیا۔ مگر ہانیہ کی ضد کے آگے اسے ہار ماننی پڑی اس نے ڈبی نکال کر ٹیبل پر رکھ دی اچھا جلدی سے دیکھ کر واپس کرو۔

ہانیہ نے ڈبی کھولی تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

ہائے اللہ کتنا خوبصورت بریسلٹ ہے۔ کس کا ہے۔

زیادہ سوال نہیں۔ چلو واپس کرو۔ فائق نے حکم دیا۔

ٹھہریں۔ ماما کو تو دکھا دوں۔ ماما دیکھیں کتنا خوبصورت ہے۔

بیگم فریحہ نے دیکھا کہ کیس میں سونے کا نفیس بریسلٹ جس پر ننھے ننھے ہیرے چمک رہے تھے۔ اپنی آب و تاب دکھا رہا تھا۔

واقعی بہت خوبصورت ہے جس کا بھی ہے اللہ اس کی قسمت میں کرے۔ بیگم فریحہ نے مخملی کیس بند کر کے فائق کے حوالے کر دیا۔

فائق نے وہ کیس اپنے دل کے قریب رکھ لیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اچھا اب میں آرام کروں گا۔ اتنا لمبا سفر کر کے آیا ہوں۔ صبح آفس بھی جانا ہے۔ آفس کا ذکر کرتے ہی اس کی نگاہوں کے سامنے علینہ کا صبیح چہرہ آ گیا۔ یہ پندرہ دن اس نے یہ خوبصورت چہرہ دیکھے بغیر کاٹے تھے۔ کئی دفعہ تو وہاں اتنا بے چین ہو جاتا کہ دل چاہتا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے محبوب کے قدموں میں آ بیٹھے اور ہمیشہ کے لئے اس کی غلامی قبول کر لے۔ مگر ابھی اس چاند چہرے اور اس کے درمیان یہ لمبی سیاہ رات حائل تھی۔

☆☆☆

آج علینہ بہت خوش تھی۔ پاؤں رکھتی کہیں اور پڑ کہیں رہے تھے۔ آج پندرہ سولہ دن بعد وہ اپنے پیا سے ملنے والی تھی۔ اس نے یہ پندرہ راتیں اور سولہ دن کیسے گذارے تھے۔ صرف وہی جانتی تھی۔ بالآخر ملن کی گھڑی آن پہنچی تھی۔ پورے آٹھ بجے وہ ریڈی ہو کر بیٹھی وین کا انتظار کر رہی تھی۔ ناشتہ بھی برائے نام کیا تھا۔ ایک سلائس چائے کے ساتھ نگل لیا تھا۔ اس کی امی اس کی پھرتیاں نوٹ کر رہیں تھیں۔ آخر بول اٹھیں۔

آج کوئی خاص بات ہے۔ علینہ۔

نہیں۔ کوئی خاص بات نہیں۔

تو پھر آج اتنی جلدی تیار ہو کر کیوں بیٹھ گئی ہو۔

کچھ نہیں امی۔ ہر روز لیٹ ہو جاتی تھی۔ وین والا ہارن دیتا رہتا تھا۔ اس لئے آج سے ہر روز جلدی تیار ہوا کروں گی۔ اس نے اپنی دانست میں ماں کو مطمئن کر دیا۔

مگر امی اس کو بلیک ایمبرائیڈری والے سوٹ میں یوں دمکتے ہوئے دیکھ کر سوچ میں پڑ گئیں۔ اس کے خوبصورت چہرے پر گلاب کھلے ہوئے تھے اور اس کا سفید رنگ کالے سوٹ میں چمکارے مار رہا تھا۔

گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی تو علینہ نے شکر ادا کیا کہ امی کے مشکوک سوالوں سے جان چھوٹی۔ دفتر پہنچی تو مسز ہادیہ نے وین سے اترتے ہی پوچھا کیا بات ہے آج بڑا کھل رہی ہو۔

کوئی خاص بات نہیں۔ وہ لاپرواہی سے بولی۔

ہاں بھئی کوئی خاص بات نہیں۔ بس فائق صاحب آئے ہیں۔ یہ سن کر وہ مسکرا دی۔ اپنے کیبن میں پہنچی تو علینہ نے بے تابی سے فائق کے کمرے کی طرف دیکھا۔ اس وقت وہ بھی ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں چار ہوئیں تو علینہ کا دل دھڑک اٹھا۔ وہ بے نیاز بنی اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ چند منٹ بعد اس نے نظریں اٹھائیں تو وہ اب بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اب کے نظریں ملیں تو وہ مسکرانے لگا۔ علینہ بھی زیر لب مسکرانے لگی کہ اس کی نگاہ مسز ہادیہ پر پڑ گئی جو ان دونوں کو بغور دیکھ رہی تھی۔ علینہ جھینپ گئی۔

دونوں دور سے ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ تڑپ رہے ہو۔ پاس جا کر کیوں نہیں دیکھ لیتے۔ وہ بولیں۔

ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ کہہ کر علینہ کمپیوٹر آن کر کے کام کرنے لگی۔

مگر دھیان فائق کی طرف ہی تھا۔ اتنے میں انٹرکام کا بزر بجنے لگا۔ مسز ہادیہ نے ریسیور اٹھایا۔ یس سر۔ ''دوسری طرف سے فائق نے کچھ کہا تو انہوں نے ریسیور رکھ کر علینہ کو اشارہ کیا۔

جائیے۔ ''آپ کو بلا رہے ہیں۔

علینہ کا دل جھوم اٹھا۔ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

سنبھل کر جائیے گا۔ یہ نا ہو چلتے چلتے گر جائیں۔ مسز ہادیہ نے لقمہ لگایا تو علینہ مسکرانے لگی۔ میڈم آپ بھی نا.....

''جی سر۔'' وہ فائق کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

پلیز بیٹھئے نا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی تو وہ چپ چاپ اسے دیکھتا چلا گیا۔ وہ اس کی وارفتگی دیکھ کر گھبرانے لگی۔ جسم کا سارا خون سمٹ کر جیسے چہرے پر آ گیا۔ جب چند منٹ ایسے ہی گزر گئے تو علینہ بے چین ہو کر بول اٹھی۔ سر آپ کو مجھ سے کوئی کام تھا۔

کیسی ہیں آپ۔ وہ مخمور لہجے میں بولا۔

آپ کے سامنے ہوں۔ بالکل ٹھیک ٹھاک۔ وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

آپ کو پتا ہے؟

وہ چونک اٹھی۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ تو کیا فائق اس سے اظہار محبت کرنے جا رہا ہے۔

کیا پتا ہے سر۔ وہ اٹکتے ہوئے بولی۔

یہی کہ آج آپ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہیں ہیں۔

شکریہ سر۔ وہ نگاہیں جھکائے بولی۔ وہ تو کچھ اور ہی سمجھی تھی۔

پھر فائق نے اپنی جیب سے وہی مخملی ڈبیا نکالی اور اس کی طرف بڑھائی۔

یہ کیا ہے سر۔"

کھول کر دیکھ لیں۔ وہ مسکرایا۔

علینہ نے کیس کھولا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔

یہ کیا ہے سر۔

یہ آپ کا تحفہ ہے۔

میں یہ نہیں لے سکتی۔ اس نے ڈبیا بند کی اور میز پر رکھ دی۔

کیوں کیا پسند نہیں آیا۔

ایسی بات نہیں ہے سر۔ بہت خوبصورت ہے۔ اتنا خوبصورت کہ شاید میں نے اس پہلے کبھی نہیں دیکھا ہو۔

تو پھر کیا وجہ ہے نہ لینے کی۔

وجہ آپ جانتے ہیں سر۔ یہ بہت قیمتی ہے۔

یہ نہ تو آپ سے زیادہ خوبصورت ہے اور نہ آپ سے زیادہ قیمتی۔ اور ایک بات اور یاد رکھیئے خوبصورت لوگوں کی خدمت میں خوبصورت تحفے ہی پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ بالکل بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔

مگر سر.....

اگر مگر کچھ نہیں۔ اگر آپ نے میرا تحفہ قبول نہ کیا تو میں سمجھوں گا کہ آپ نے مجھے اس قابل نہیں سمجھا۔

علینہ نے وہ کیس اٹھا لیا۔ شکریہ سر۔ میں جاؤں۔

جی بالکل۔ علینہ جا کر اپنی سیٹ پر بیٹھی تو اس کی اڑی اڑی رنگت دیکھ کر مسز ہادیہ پوچھنے لگیں۔

کیا سر نے کوئی خاص بات کہی ہے جو یوں گھبرائی ہوئی نظر آ رہی ہو۔ نہیں کوئی خاص بات نہیں کی۔ وہ بولی.....

خاص باتیں کب کرو گے۔ مجھے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تم دونوں آخر کب تک ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر گزارا کرتے ہو گے۔

پتا نہیں۔ علینہ بھی مایوسی سے بولی۔

یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ دکھاؤ ذرا۔

علینہ نے کیس ان کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے کھولا تو بے اختیار بول اٹھیں۔ کتنا خوبصورت

بریسلٹ ہے۔ تمہارے لئے ہے کیا۔

علینہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ تو بولیں۔

ہر چیز سے، ہر حرکت سے، ہر بات سے اظہار محبت ہو رہا ہے۔ صرف منہ سے اظہار محبت نہیں کرنا۔ عجیب بات ہے۔ وہ کندھے اچکا کر رہ گئیں۔

☆☆☆

شام کو علینہ گھر پہنچی تو اس نے بریسلٹ کسی کو نہ دکھایا۔ پہلے ہی امی ہانیہ کی کرائی گئی شاپنگ سے پریشان تھی۔ ہانیہ نے اسے سوٹ کے بعد جوتے، پرس، جیولری اور میک اپ بھی خرید کر دیئے تھے۔ امی نے ان تمام چیزوں کو دیکھ کر بڑا واویلا مچایا تھا۔ اب بریسلٹ دیکھ لیتی تو گویا قیامت ہی آ جاتی۔ وہ پہلے ہی علینہ کو مشکوک نظروں سے دیکھتیں رہتیں تھیں۔

رات کو کھانے سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ رابی ابھی برتن دھو رہی تھی۔ اس نے کمرے کو لاک کر کے الماری سے وی بریسلٹ نکالا اور اسے بازو پر پہن کر پیار سے دیکھنے لگی۔

اس کی خوبصورت گوری کلائی پر پہنچ کر بریسلٹ اور بھی دیدہ زیب لگ رہا تھا۔ اس کی خوبصورتی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کے کانوں میں فائق کے کہے گئے جملے رس گھولنے لگے۔

یہ "بریسلٹ نہ تو آپ سے زیادہ خوبصورت ہے اور نہ قیمتی۔"

وہ مسکرانے لگی۔ اس نے کلائی ہونٹوں سے لگا کر وہ بریسلٹ چوم لیا۔ پھر اس نے جلدی سے وہ بریسلٹ اتارا اس کو ڈبی میں بند کیا اور کپڑوں کے نیچے چھپا دیا۔ پھر کمرے کا دروازہ کھول کر بیڈ پر لیٹ گئی۔

☆☆☆

ایک ہفتہ مزید گزر گیا۔ نہ فائق اس سے اظہار محبت کر سکا اور نہ وہ فائق سے اپنے دل کی بات کہہ سکی۔ جانے کون سے تالے دونوں کے ہونٹوں پر پڑ گئے تھے۔ ایک دن مسز ہادیہ نے انکشاف کیا کہ وہ نوکری چھوڑ رہیں ہیں۔

کیوں کیا ہو گیا۔ علینہ بڑی حیران ہوئی۔

میرے میاں اگلے ہفتے آ رہے ہیں۔ انہیں ان کی کمپنی کی جانب سے رہائش اور اجازت مل گئی ہے کہ وہ اپنی فیملی کو لے کر جا سکتے ہیں۔ تو کیا آپ ہمیں چھوڑ کر چلی جائیں گی۔ وہ اداسی سے بولی۔

تم نہیں چاہتی کہ میں اپنے میاں کے ساتھ ہنسی خوشی رہوں۔ ساری جوانی تو ایک دوسرے کی جدائی میں ترستے ہوئے گزار دی۔ اب تو باقی زندگی اکٹھے رہیں گے۔ وہ خوش ہوتے ہوئے بولیں۔

مگر میں آپ کے بغیر کیسے رہوں گی۔علینہ معصومیت سے بولی۔

تم نے کون سا ساری عمر دفتر میں کام کرنا ہے۔اب تو وہ وقت زیادہ دور نہیں جب تم اس دفتر کی مالکن بن جاؤ گی۔بس اب جلدی سے ایک ہو جاؤ۔میں جانے سے پہلے تمہاری زندگی کی یہ خوشی دیکھنا چاہتی ہوں۔

کب جا رہیں ہیں آپ۔اس نے پوچھا

تقریباً پندرہ بیس دن کے اندر اندر میں دوبئی میں اپنے میاں اور بچوں کے ساتھ ٹرانسفر ہو چکی ہوں گی۔انشاءاللہ۔مسز ہادیہ کا دبئی جانے کے تصور سے ہی چہرہ دمک رہا تھا۔دبئی کا لائف اسٹائل سوچ سوچ کر ہی وہ مسرور ہو رہیں تھیں۔

فائق آ کر اپنی چیئر پر بیٹھا تو مسز ہادیہ اس کے پاس پہنچ گئیں۔

جی مسز ہادیہ خیریت؟ فائق نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

سر۔'' آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔

جی بیٹھئے۔''

وہ بیٹھ گئیں۔سر میں نوکری سے استعفٰی دے رہی ہوں۔

فائق یہ غیر متوقع بات سن کر بونچکا رہ گیا۔کیا میں وجہ جان سکتا ہوں مسز ہادیہ۔

جی سر بالکل'' دراصل بات یہ ہے کہ میرے میاں کو کمپنی کی جانب سے فیملی کو لانے کا ویزا ملا ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ دبئی میں ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بطور الیکٹریکل انجینئر کام کرتے ہیں۔

ہاں میں جانتا ہوں۔مبارک ہو آپ کو۔مگر ہمارا نقصان کر کے جا رہی ہیں آپ۔

سر۔''اسی لئے آپ کو پندرہ دن پہلے آگاہ کر رہی ہوں۔تاکہ آپ کوئی متبادل بندوبست کر سکیں۔

ہاں وہ تو کرنا پڑے گا مگر آپ جیسی ورکر ہمیں کہاں ملے گی۔

مل جائے گی سر۔آج کل کی نئی نسل بہت پڑھی لکھی اور قابل ہے۔

چلیں دیکھتے ہیں۔ویسے یہ خبر سنا کر آپ نے مجھے اداس کر دیا۔ابھی تو ہانیہ کی شادی سر پر آن پہنچی ہے۔اسے نپٹا کر ہی یہ مسئلہ حل کروں گا۔ہفتے والے دن ہانیہ کی مہندی ہے۔یہ رہے آپ دونوں کے کارڈز۔

فائق نے دراز سے دو شادی کارڈز نکال کر مسز ہادیہ کو تھمائے۔ایک آپ کا اور دوسرا علینہ کا۔ہفتے والی شام مہندی میں شامل ہونے کے لئے آپ دونوں نے ضرور آنا ہے۔فائق نے تاکید کی تو مسز ہادیہ بولیں۔

سر جہاں تک میرے آنے کا تعلق ہے تو میں آ جاؤں گی مگر علینہ کو آپ اپنے ہاتھ سے کارڈ دیں اور اسے الگ سے کہہ دیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

اچھا.....ٹھیک ہے۔آپ اسے بھیج دیں۔فائق سوچتے ہوئے بولا۔اوکے سر۔''

مسز ہادیہ نے جا کر علینہ کو بھیج دیا۔چلو بنورانی صاحب بلا رہے ہیں۔

وہ آ گئی۔جی سر۔''

یہ آپ کا کارڈ۔فائق نے کارڈ بڑھایا اور علینہ نے پکڑ لیا۔

مہندی اور بارات دونوں دن آنا ہے۔ہانیہ نے کہا ہے۔

صرف ہانیہ نے کہا ہے۔وہ فائق کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی نہیں میرے دل کی آواز بھی یہی ہے۔آؤ گی نا۔اس نے سرگوشی کی تو علینہ کے دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہونے لگیں۔وہ بھی دھیمی آواز میں بولی۔ضرور آؤں گی۔

☆☆☆

اور پھر جمعہ کی رات کو ہانیہ کا فون آیا۔وہ پھر سے علینہ کو شادی کے دو دن وقت پر آنے کی تاکید کر رہی تھی۔

آپ کو کیا بے اعتباری ہے مجھ پر۔کہا ہے نا۔آ جاؤں گی۔علینہ ہنستے ہوئے بولی۔

تم نے اکیلے نہیں آنا۔پوری فیملی کو ساتھ لے کر آنا ہے۔آنٹی،انکل رابی اور فیصل کو سبھی کو۔سمجھی۔

جی جناب سمجھ گئی۔اور کچھ۔

بس کافی ہے۔سب کو میرا اسلام کہنا۔یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا تو علینہ مسکراتے ہوئے سوچنے لگی۔آخر یہ لوگ امی سے رشتے کی بات کیوں نہیں کر رہے۔اب کس بات کا انتظار ہے۔سمجھ گئی ہانیہ کی شادی کے بعد کریں گے۔وہ مطمئن ہو گئی اور پھر ہانیہ کا پیغام سارے گھر والوں کو سنا دیا۔اس کے ابو سن کر سوچ میں پڑ گئے۔پھر بولے۔کیا ہم سب کا جانا مناسب ہوگا۔وہ لوگ کیا کہیں گے۔

کچھ نہیں کہیں گے۔وہ بہت اچھے لوگ ہیں اور پھر وہ خود ہی تو اتنا اصرار کر کے بلا رہے ہیں۔آپ سب لوگ اپنے اپنے ڈریس سلیکٹ کریں اور استری وغیرہ کریں۔

چلو تو پھر ایسا کرتے ہیں مہندی خالص عورتوں کا فنکشن ہے۔مہندی والی شام تم تینوں ماں بیٹیاں چلی جانا۔بارات والے دن میں اور فیصل بھی تمہارے ساتھ چلیں گے۔یہ ٹھیک رہے گا اور پھر ہفتے والے دن علینہ نے دفتر سے چھٹی کر لی۔فائق کی بھی اس دن چھٹی تھی۔مسز ہادیہ تمام کام سنبھال رہیں تھیں۔علینہ نے فون کیا تو وہ برہم ہو گئیں۔

کیا یار۔تم دونوں نے لگتا ہے آپس میں ایکا کر کے چھٹی کی ہے۔

میڈم۔ان کی بہن کی مہندی ہے ان کی چھٹی تو لازمی تھی۔

اور تمہاری چھٹی؟

میں نے چھٹی اس لئے کی ہے کہ مہندی پر جانے کی تیاری کرنی ہے۔

اچھا جی۔ایسی کون سی تیاری کرنی ہے جس کے لئے پورا دن درکار ہے۔

آپ تو جانتی ہیں۔لڑکیوں کے سو طرح کے کام ہوتے ہیں۔علینہ نے وضاحت کی۔

ذرا ہاتھ ہولا رکھنا۔فائق صاحب پہلے سے ہی کافی گھائل ہو چکے ہیں۔وہ شرارت سے بولیں۔

دیکھ لیجئے گا۔آپ بھی تو وہاں ہوں گی۔علینہ برجستگی سے بولی۔

ہاں۔وہ تو میں دیکھوں گی ہی۔وہ پر معنی انداز میں بولی۔

☆☆☆

اور پھر علینہ اور رابی نے وہ تیاری کی کہ جیسے مقابلہ حسن میں شرکت کرنے جا رہیں ہوں۔پہلے دونوں نے ایک دوسرے کا فیشل کیا۔پھر نہانے کے بعد بال سکھا کر ایک دوسرے کے بال بنائے۔علینہ نے مہندی کی مناسبت سے گہرے سبز رنگ کا گوٹی کناری والا جوڑا بنوایا تھا۔اس پر اس نے لمبے بالوں کی چوٹی گوندھ کر لمبا پراندہ ڈالا ہوا تھا۔

پانچواں حصہ

چہرے پر نفیس میک اپ کر کے آنکھوں میں موٹے موٹے ڈورے ڈال کر خوب کاجل لگایا تھا۔ ماتھے پر بندیا لٹکائی اور پھر گرین دوپٹہ جس کے چاروں طرف چوڑا چمپا لگا ہوا تھا اوڑھا تو وہ حسن کا کوئی نادر شاہکار نظر آنے لگی۔

رابی نے بلیو کلر کا کلیوں والا فراک اور تنگ موری والا پاجامہ پہنا ہوا تھا۔

امی تیار ہو کر ان کے کمرے میں آئیں تو علینہ کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

اے لڑکی کیا بنی ہوئی ہے۔ ''بے گانی شادی میں عبداللہ دیوانہ۔''

اتارو یہ ٹیکہ اور یہ کاجل بھی تھوڑا کم کرو۔ کسی کی نظر وزر لگ گئی تو کون ذمہ دار ہوگا۔

میری پیاری امی جان کسی کی نظر نہیں لگے گی۔ اس نے ماں کے کندھے پیار سے دبائے۔ چلیں۔

ہاں چلتے ہیں۔ فیصل ہمیں رکشہ لا دو۔ امی نے فیصل کو آواز دی اور رابی تم مٹھائی کا ڈبہ پکڑ لو کہیں گھر ہی نہ بھول جانا اور ہاں دونوں بہنیں خود کو بڑی بڑی چادروں میں لپیٹو۔ وہاں جا کر اتار لینا۔

ٹھیک ہے امی۔ دونوں بیک وقت بولیں۔

مہندی کا فنکشن گھر میں ہی رکھا گیا تھا۔ عورتوں کے بیٹھنے کا ارینج منٹ چھت پر کیا گیا تھا۔ سیڑھیوں کی ریلنگ کو گیندے کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ چھت پر دلہن اور دلہا کے بیٹھنے کے لئے جھولا پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ کرسیاں اس ترتیب سے رکھی گئی تھیں کہ درمیان میں خالی جگہ چھوڑی گئی تھی۔ جہاں دبیز قالین بچھایا گیا تھا۔ وہاں پر لڑکیاں ڈھولک رکھے بیٹھیں تھیں۔ وہ گانے سے زیادہ ہنسی مذاق کر رہیں تھیں اور ایک دوسرے پر پھبتیاں کس رہیں تھیں۔ بڑی بوڑھیاں کرسیوں پر بیٹھی تالیاں بجا رہیں تھیں اور ان کے جملوں پر دل کھول کر ہنس رہیں تھیں۔ ہر لڑکی اور عورت نے بانہوں میں پھولوں کے گجرے پہن رکھے تھے۔

بیگم فریحہ ابھی نیچے کھڑی آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہیں تھیں۔

علینہ، رابی اور اس کی امی کا بھی انہوں نے پرتپاک استقبال کیا۔ خصوصاً علینہ کا تو ماتھا چوما۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔ انہوں نے منہ میں کہا تو علینہ شرما گئی۔

آنٹی ہانیہ کہاں ہیں۔ علینہ نے پوچھا تو آنٹی نے اس کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ دونوں بہنیں ہانیہ کے کمرے کی طرف چلی گئیں تو ان کی امی وہیں ٹی وی لاؤنج میں مہمان عورتوں کے پاس بیٹھ گئیں۔

ہانیہ پیلا سوٹ پہنے پھولوں کے زیور سے لدی پھندی بیٹھی تھی۔ اس کی سکھی سہیلیاں اس کے پاس بیٹھی اس سے ہنسی مذاق کر رہیں تھیں۔

واؤ۔ یہ پری کہاں سے آ گئی بھئی۔ ہانیہ نے علینہ کو دیکھا تو بے اختیار بولی۔ اس کی تمام سہیلیاں علینہ کو دیکھنے لگیں۔

کچھ کی نظروں میں ستائش تھی تو کئی حسد کی آگ میں جلنے لگیں تھیں۔ اور ان جلنے والیوں میں سب سے نمایاں نام شہلا کا تھا۔ وہ علینہ کو خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی جب کہ علینہ اس کی موجودگی سے یکسر بے خبر ہانیہ سے لپٹ کر اسے مبارک باد دے رہی تھی۔

کئی لوگوں کو شوق ہوتا ہے دوسروں کی توجہ حاصل کرنے کا یہ سلگتا ہوا جملہ علینہ کے کانوں میں پڑا تو وہ بات کرنے والی کو دیکھنے لگی۔ نظر شہلا پر پڑی جو طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ علینہ سنی ان سنی کرتے ہوئے ہانیہ سے باتیں کرنے لگی۔

اتنے میں شور اٹھا کہ لڑکے والے آ گئے۔ ہانیہ کی ساری سہیلیاں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ہانیہ نے ملازمہ سے کہہ کر سب کے لئے پھولوں والی پلیٹیں منگوا کر سہیلیوں کو دیں تا کہ وہ آنے والے معزز مہمانوں پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کر کے ان کا شاہانہ استقبال کریں۔

علینہ اور رابی کو بھی ایک ایک پلیٹ تھما دی گئی۔ سب لڑکیاں چھت پر جا کر ٹیرس پر کھڑی ہو گئیں جہاں نیچے سے مہمانوں نے گزرنا تھا۔ مہمان گاڑیوں سے نکل کر اہل خانہ سے مل رہے تھے۔ مردوں کے بیٹھنے کے لئے لان میں ہی ارینج منٹ کیا گیا تھا جب کہ خواتین نے اوپر چھت پر جا کر بیٹھنا تھا۔ علینہ کی متلاشی نگاہیں فائق کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹک رہیں تھیں۔ وہ ٹیرس پر ہاتھوں میں پھولوں کی پتیاں لئے کھڑی تھی۔ آخر وہ نظر آ ہی گیا۔ وہ لان میں کھڑا فرحان کو پکڑے ہوئے تھا۔ رائل سلک کے گرین کرتے پر نفیس کام کیا گیا تھا۔ ساتھ سفید شلوار پہنے وہ کوئی مغل شہزادہ نظر آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر علینہ اس پر سے نظریں ہٹانا بھول گئی۔ پھر مہمان نیچے سے گزرنے لگے تو لڑکیوں نے پھول پھینکنے شروع کر دیئے۔

آپی تم کیوں نہیں پھول پھینک رہی۔ رابی نے بازو سے ٹہوکا دیا تو وہ جو پتھر بنی فائق کو دیکھ رہی تھی چونک اٹھی۔ پھر جلدی سے آخری تین عورتیں بچی تھیں ان پر پھول برسانے لگی۔

مہمان آ کر سکون سے بیٹھ چکے تو لڑکیوں نے ڈھولک کی تھاپ پر سسرالیوں کے خلاف بنائے گئے

مزاحیہ گیت سنائے جس پر سبھی محظوظ ہوئے۔اس کے بعد کھانے کا اعلان کیا گیا جو نیچے لان میں لگایا گیا تھا۔

کھانا حسب توقع انتہائی اعلیٰ اور لذیذ تھا۔ فائق مہمانوں میں گھوم پھر کر سب کو پوچھ رہا تھا۔ بیرے اس کے حکم پر دوڑیں لگا رہے تھے۔ وہ تینوں ماں بیٹیاں بھی کھانا کھا رہیں تھیں کہ فائق ان کے پاس آ کر پوچھنے لگا۔آنٹی کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔''پوچھ تو وہ آنٹی سے رہا تھا۔مگر نظریں مسلسل علینہ کے چہرے کا طواف کر رہیں تھیں۔

نہیں بیٹا۔کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ ہر چیز پاس ہی تو موجود ہے۔امی جو فائق کی پہلے سے فین تھیں۔اب اور بھی مداح ہو گئیں۔

مس علینہ۔''اس نے دھیرے سے پکارا۔

جی سر۔''وہ اس کی نظروں کی تپش سے پگھلنے لگی۔

آپ کو کچھ چاہیے۔

اس کے دل میں آیا کہ کہہ دوں۔ہاں مجھے تمہارا ساتھ چاہیے عمر بھر کے لئے۔تمہاری محبت چاہیے زندگی کے لئے۔تمہاری وفا چاہیے۔زندہ رہنے کے لئے۔تمہاری مسکراہٹ چاہیے۔سانس لینے کے لئے۔ مگر سوائے اس کے کچھ نہ کہہ سکی۔کہ۔

کوئی چیز نہیں چاہیے۔سب کچھ ہے۔

وہ آگے بڑھ گیا اور وہ اس کو دیکھتی چلی گئی۔ پھر کھانے سے فارغ ہو کر وہ لان میں ایک سائیڈ پر بنائے گئے واش بیسن پر ہاتھ دھونے کے لئے گئی تو فائق بھی ہاتھ دھونے کے بہانے وہاں پہنچ گیا۔ وہ اس کے اتنا قریب آنے پر بدحواس سی ہونے لگی۔اس کی پرفیوم کی مہک اس کے حواس پر چھانے لگی۔ وہ ہاتھ دھو کر پیچھے ہٹنے ہی والی تھی کہ فائق کی آواز اس کے کان میں پڑی۔ وہ دھیمی آواز میں اسی سے مخاطب تھا۔''کسی کو قتل کرنے کے سارے گر جانتی ہیں آپ۔''

جی۔''وہ ہونق بنی دیکھنے لگی۔

کل میں آپ کے ہاتھ پر اپنا دیا گیا تحفہ دیکھنا چاہوں گا۔پہنیں گی نا آپ؟

پھر وہ اس کی طرف دیکھے بغیر چلا گیا۔اور وہ بھی پاؤں گھسیٹتے ہوئے امی وغیرہ کے پاس آ گئی۔

چلیں اوپر۔رابی نے پوچھا تو اسے نے اثبات میں سر ہلایا۔

پھر وہ تینوں اوپر جا کر مہندی کی رسومات دیکھنے لگیں۔ ہانیہ فرحان کے ساتھ جھولے میں بیٹھی بہت خوش نظر آ رہی تھی۔سبھی عورتیں جن میں علینہ اور اس کی امی بھی شامل تھیں۔مہندی لگا چکیں تو پھر میوزک اور

ڈانس کا پروگرام شروع ہو گیا۔ جہاں قالین پر لڑکیاں ڈھولک بجا رہی تھیں۔وہاں اب ڈھولک اٹھا کر اٹھا کر ڈانس کیا جانے لگا۔ یہاں تک کہ ہانیہ کی ساس شگفتہ اور نندرمشا نے اپنی باری آنے پر ڈانس کیا۔ ہانیہ کی سہیلیوں نے نئے گانوں پر خوب ڈانس کیا۔ڈانس پروگرام شروع ہونے سے پہلے فرحان نیچے مردوں میں جا چکا تھا۔ہانیہ کی سہیلیاں ہانیہ کو بھی میدان میں کھینچ لائی۔ہانیہ ڈانس کرتے کرتے علینہ کو کھینچ کر لے گئی۔علینہ کو ڈانس وغیرہ نہیں آتا تھا۔بس ایک چکر لگا کر بیٹھ گئی۔محفل اس وقت اپنے پورے شباب پر تھی۔ ہر چہرے پر مسکراہٹ تھی اور ہر ہاتھ تالی بجا رہا تھا اور پھر مزید رنگ اس وقت جما جب بیگم شگفتہ نے اپنی بہو ہانیہ کے ساتھ مل کر ڈانس کیا۔بیگم شگفتہ کے اوٹ پٹانگ اسٹیپ دیکھ دیکھ کر سبھی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ آخر یہ خوش رنگ محفل حنا اپنے اختتام کو پہنچی۔رات کا ایک بج رہا تھا۔

ہانیہ کے سسرال والوں نے بھی رخت سفر باندھا اور علینہ کی امی کے کہنے پر بیگم فریحہ نے اشرف کو کہا کہ وہ ان تینوں کو گھر چھوڑ آئے۔حالانکہ آج پھر انہوں نے رات رکنے کی پیشکش کی تھی مگر علینہ کی امی نہ مانیں۔ان تینوں ماں بیٹیوں کے لئے یہ ایک یادگار تقریب تھی۔

☆☆☆

دوسرے دن تین بجے اشرف علینہ کو لینے کے لئے آن پہنچا۔ وہ اپنا سارا سامان باندھے تیار بیٹھی تھی۔اشرف نے ہارن دیا تو وہ امی سے کہنے لگی۔امی میں جا رہی ہوں۔لگتا ہے ہانیہ کو چھوڑ کر اشرف آ گیا ہے۔آپ رات کو ٹھیک سات ساڑھے سات بجے میرج ہال میں پہنچ جایئے گا۔میں آپ کو وہیں ملوں گی۔

اپنی ساری چیزیں لے لی ہیں نا۔کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔اس کی امی کچن سے پکارنے لگیں۔

نہیں امی کوئی چیز نہیں رہ گئی۔ ہر چیز لے لی ہے۔اچانک اسے کوئی خیال آیا تو وہ کمرے میں دوڑتی ہوئی گئی۔اس نے اپنا لاک شدہ دراز کھولا اس میں سے بریسلٹ نکالا۔اسے اپنے ہینڈ بیگ میں ڈالا۔

سب سے قیمتی چیز تو میں بھول ہی گئی تھی۔پھر وہ اپنا سامان اٹھائے گاڑی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

چلو اشرف۔اس نے ایک مالکن کی طرح حکم دیا۔

گاڑی سڑک پر دوڑنے لگی تو اس نے اشرف سے پوچھا۔

کیا ہانیہ صاحبہ کو پارلر چھوڑ کر آئے ہو؟

جی ہاں۔انہیں چھوڑ کر آپ کی طرف آیا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کر کے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی۔آج صبح گیارہ بجے اس کی ہانیہ سے فون پر بات ہوئی تھی نے پرزور اصرار کیا تھا کہ وہ پارلر میں اس کے ساتھ رہے گی اور خود بھی اسی پارلر سے

تیار ہوگی جس پارلر سے ہانیہ دلہن بنے گی۔ ہانیہ نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ اپنے کپڑے جیولری جوتا وغیرہ لے کر اسی پارلر میں آجائے۔ پھر وہیں سے دونوں تیار ہو کر میرج ہال میں پہنچیں گی۔ اب وہ اسی کے ایما پر پارلر جا رہی تھی۔ حالانکہ امی اور ابو نے سخت مخالفت کی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ اتنا تو سگے رشتہ دار بھی نہیں کرتے یہ لوگ آخر کیوں اتنی اپنائیت دکھا رہے ہیں۔ صرف دوستی کے لئے تو اتنا کچھ کوئی نہیں کرتا۔ اس کی امی کبھی کبھی خوش گمانیوں میں مبتلا ہو جاتیں مگر پھر اپنے اور ان کے اسٹیٹس کا فرق انہیں حقیقت کی دنیا میں کھینچ لاتا۔

گاڑی رکی تو وہ خیالوں کی دنیا سے باہر آ گئی۔ گاڑی لاہور کے مہنگے ترین بیوٹی پارلر کے آگے کھڑی تھی اور اب اشرف دروازہ کھولے اس کے باہر نکلنے کا منتظر تھا۔

وہ باہر نکلی تو اشرف بولا۔ اب شام کو فائق صاحب ہی لینے آئیں گے کیونکہ لاکھوں کا زیور پہن رکھا ہوگا چھوٹی بی بی نے۔

اچھا ٹھیک ہے۔ علینہ نے کہا اور پھر وہ چلا گیا۔

فائق کے آنے کا سن کر علینہ خوش ہوگئی۔ اب تو نہ دیکھے جانے کا کوئی امکان ہی نہیں بچا۔ جناب جی بھر کر دیکھیں گے۔ اور میں بھی جی بھر کر بجلیاں گراؤں گی۔ وہ خوش خوش پارلر کے اندر گئی جہاں ہانیہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔

پارلر اندر سے دیکھ کہ علینہ دنگ رہ گئی۔ اتنا وسیع اور شاندار ڈیکوریشن پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا گیا تھا۔ بہت سی لڑکیاں ایک جیسا یونیفارم پہنے کام کر رہی تھیں اور وہ یونیفارم پینٹ شرٹ پر مشتمل تھا۔ لڑکیاں بھی انتہائی سمارٹ اور خوبصورت تھیں۔ پارلر کی مالکن بھی ایک کھلی شرٹ اور ٹراؤزر پہنے سب لڑکیوں کی نگرانی کر رہی تھی۔ اس نے بہت تیز میک اپ کر رکھا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ تھی۔ علینہ نے ہانیہ کو بھی ایک چیئر پر بیٹھے دیکھا تو اس کی طرف لپکی۔

ہانیہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ آ گئی تم۔

یہ کون ہیں۔ جو لڑکی اس کے چہرے کا مساج کر رہی تھی پوچھنے لگی۔

یہ میری سب سے بیسٹ فرینڈ ہے۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

بہت پیاری ہیں۔ اس لڑکی نے دوبارہ کہا تو علینہ شرمانے لگی اور اسے مزید پیاری تم نے بنانا ہے۔ ہانیہ نے اس لڑکی سے کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔ شیور۔

پھر پارلر والوں کی تین گھنٹوں کی محنت نے انہیں کیا سے کیا بنا دیا۔ ہانیہ تو دلہن بنی قیامت ڈھا ہی رہی تھی مگر علینہ بھی آسمان سے اتری ہوئی کوئی اپسرا معلوم ہو رہی تھیں۔ پارلر کے جدید اور مہنگے میک اپ اور

بالوں کے انوکھے اسٹائل نے اسے ایک نئی لک دے دی تھی۔ اوپر سے قیمتی سوٹ، جیولری، پرس وغیرہ نے اس کی مکمل پرسنالٹی ہی بدل ڈالی تھی۔ علینہ کو آئینے میں خود کو دیکھ کر پہچانتے ہوئے دقت ہو رہی تھی۔ اگر یہ ہزاروں روپے لیتی ہیں تو واقعی انسان کو بھی کیا سے کیا بنا دیتی ہیں۔ وہ دل میں سوچنے لگی۔

اب بتائیں میم۔ ہم اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئی ہیں۔

اس لڑکی نے ہانیہ سے پوچھا۔

ہانیہ نے پرستائش نگاہوں سے علینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ویری ولڈن۔ آپ نے تو کمال کر دیا۔

ایسے چہرے تو پہلے سے ہی قدرت کا کمال ہوتے ہیں۔ ہماری محنت اور کاریگری سونے پر سہاگے کا کام کرتی ہے۔ پارلر کی مالکن اپنی پیشہ ورانہ مسکراہٹ بکھیر کر بولی۔

آپ بھی تو اتنی حسین لگ رہی ہیں۔ علینہ نے ہانیہ کی دل سے تعریف کی۔ اتنے میں ملازم نے اندر آ کر کہا کہ باہر فائق صاحب آئے ہیں۔ مس ہانیہ کو بلا رہے ہیں۔

چلو علینہ چلتے ہیں۔ ہانیہ نے کہا اور پھر ہانیہ کی نظر پھیلتے ہوئے اس کے بازو پر جا ٹھہری جہاں فائق کا دیا ہوا بریسلٹ جگمگا رہا تھا۔ ایک منٹ علینہ۔ دکھانا ذرا۔ وہ علینہ کا بازو پکڑ کر بغور وہ بریسلٹ دیکھنے لگی۔ علینہ اس کے اتنا غور سے دیکھنے پر نروس ہونے لگی پھر ہانیہ نے مسکراتے ہوئے اس کا بازو چھوڑ دیا۔

'خوبصورت ہے۔'' کہاں سے لیا ہے کسی نے گفٹ دیا ہے۔ وہ بولی۔

کس نے؟ ہانیہ نے پوچھا۔

پھر خود ہی بولی۔ چلو چھوڑو۔ اتنا خوبصورت تحفہ یقیناً کسی بیسٹ فرینڈ نے دیا ہوگا۔

دونوں پارلر سے باہر آئیں تو فائق گاڑی سے ٹیک لگائے موبائیل پر مصروف تھا۔

ہانیہ نے گلا کھنکھارا تو فائق ادھر دیکھنے لگا۔ دونوں سج دھج کر گاڑی کے پاس کھڑی تھیں۔

فائق دونوں کو دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ خصوصاً علینہ کو۔ وہ علینہ کو یک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔

بھائی ..... ہانیہ نے پکارا۔ میں یہاں ہوں۔ آپ مجھے چھوڑ کر کسی اور کو دیکھیں گے تو میں جیلس ہو جاؤں گی۔ وہ شوخی سے بولی تو وہ جھینپ گیا۔

بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔ وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولا۔

کون؟ اس نے شرارت سے پوچھا۔

تم اور کون۔

اچھا.....میں سمجھی کسی اور کو کہہ رہے ہیں۔

باتیں بنانا بند کرو۔اور جلدی سے گاڑی میں بیٹھو۔بارات پہنچنے والی ہے۔

وہ دونوں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔فائق بار بار بیک مرر سے پیچھے بیٹھی علینہ کو دیوانہ وار دیکھ رہا تھا اور اس پر نثار ہو رہا تھا۔علینہ بھی دل ہی دل میں اس کی وارفتگی سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

میرج ہال کے دروازے کے آگے گاڑی کھڑی ہوئی تو علینہ نے ہانیہ کو باہر نکلنے میں مدد دی۔ایک دو اور لڑکیاں بھی ہانیہ کے بھاری عروسی جوڑے کو سنبھالنے کے لئے لپکیں۔ہانیہ جا کر اسٹیج پر بیٹھ چکی تو علینہ ہال میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔آخر ایک ٹیبل پر اسے اس کی فیملی بیٹھی نظر آ ہی گئی۔

وہ ادھر جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ شہلا اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

ہیلو۔''اس نے کہا تو علینہ کو بھی جواباً ''ہیلو'' کہنا پڑا۔علینہ اس سے کنی کترا کر نکل جانا چاہتی تھی کہ اس نے راستہ روک لیا۔

سنا ہے بلکہ دیکھا ہے کہ تم بھی ہانیہ کے ساتھ ہی پارلر سے تیار ہو کر آئی ہو۔

جی.....جی ہاں۔اس نے بے دلی سے جواب دیا۔

ان لوگوں کا تمہارے ساتھ یہ اسپیشل بی ہیور سمجھ میں نہیں آ رہا ذرا وضاحت کرو گی۔وہ طنز سے بھرپور لہجے میں بولی۔

میرے پاس وضاحتیں دینے کے لئے فضول ٹائم بالکل نہیں۔علینہ نے خشک لہجے میں جواب دیا اور ایک سائیڈ سے نکل گئی۔

وہ امی وغیرہ کے پاس پہنچی تو وہ سبھی اسے دیکھ کر حیران رہ گئے

افوہ آپی تم تو پہچانی نہیں جا رہی ہو۔رابی جوش سے بولی۔

کیا میری شکل بدل گئی ہے۔اس نے پوچھا۔

واقعی مان گئے۔بھئی پارلر والے تو انسان کی شکل بھی بدل سکتے ہیں۔رابی نے پھر تبصرہ کیا۔

ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔اس کی امی نے بھی تعریف کی۔

اس کے ابو اور فیصل بھی اسے دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہے تھے۔

وہ تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھی اور پھر اسٹیج کے پاس جا کھڑی ہوئی۔اور اپنے کیمرے سے ہانیہ کی تصویریں بنانے لگی۔ایسے میں فائق پاس سے گذرا مگر گذرتے گذرتے ایک خوبصورت جملہ اس کے کانوں میں انڈیلتا گیا۔

''میرے تحفے کو اپنی خوبصورت کلائی پر پہننے کے لئے شکریہ۔''

اس کا یہ جملہ سن کر علینہ سرشار ہو گئی اور بے اختیار اپنے بازو پر بندھے ہوئے اس بریسلٹ کو دیکھنے لگی۔

اور پھر سب کچھ آناً فاناً ہو گیا۔بارات آئی۔نکاح پڑھا گیا۔کھانا کھلایا گیا اور پھر سب سے زیادہ جذباتی منظر شروع ہو گیا۔

یعنی رخصتی کا وقت ہو گیا۔فائق نے نم آنکھوں سے ہانیہ کو الوداع کیا۔اسے گاڑی تک چھوڑ کر بلکہ گاڑی میں بٹھا کر آیا اور پھر اپنی روتی سسکتی ماں کو بھی تسلی دے کر چپ کرایا۔علینہ نے بھی روتے ہوئے ہانیہ کو گلے مل کر رخصت کیا اور پھر آنٹی فریحہ کے پاس بیٹھ کر ان کو بھی حوصلہ دیتی رہی۔آخر یہ پرشکوہ تقریب اختتام کو پہنچی اور سبھی اپنے اپنے گھروں کو سدھارے۔

☆☆☆

دوسرے دن وہ آفس گئی تو وہاں فائق کی چیئر پر مسٹر ندیم بیٹھے ہوئے تھے۔

فائق کی غیر موجودگی سے تمہارا چہرہ کیوں لٹک گیا ہے۔مسز ہادیہ نے اس کی طرف بغور دیکھا۔ابھی ہو سکتا ہے وہ شاید کل بھی نہ آئیں۔

ان کے آنے یا نہ آنے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔وہ لاپرواہی سے بولی۔

واقعی؟ مسز ہادیہ نے زور دے کر پوچھا تو وہ ہنس پڑی۔

بات آگے بڑھی کہ ابھی تک وہیں پر جام ہے۔مسز ہادیہ نے پوچھا۔

کہاں پر۔وہ معصوم صورت بنا کر بولی۔

میرا مطلب ہے۔بات ''سر اور مس'' سے آگے بڑھی کہ نہیں۔

ابھی تک تو نہیں۔

اور خدا کی بندی تم ہی لب کھول دو۔ایسا کب تک چلے گا۔

میں کیوں کھولوں۔اب تو وہی کھولے گا دیکھتی ہوں کب تک چپ رہتا ہے۔وہ شان بے نیازی سے بولی۔

سچ کہتی ہوں۔اتنی بورنگ لو اسٹوری نہ کبھی کسی فلم میں دیکھی ہے اور نہ حقیقی زندگی میں۔

آپ بتائیں۔کب جا رہی ہیں دبئی۔ویسے جب سے آپ کے ہسبینڈ آئے ہیں تب سے آپ بہت کھلی کھلی نظر آتی ہیں۔پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہیں۔

میں ایک ہفتے کے اندر اندر دبئی پرواز کر جاؤں گی۔

اچھا جی۔ اتنی جلدی۔

ہاں تو اور کیا۔ پرسوں تو میری دفتر والوں نے الوداعی پارٹی رکھی ہے۔ مجھے خصوصی پروٹوکول کے ساتھ رخصت کیا جا رہا ہے۔

یہ تو اچھی بات ہے۔ علینہ دلچسپی لیتے ہوئے بولی۔

میں نے سنا ہے کہ فائق صاحب نے میری جگہ پر ایک لڑکی بھی سلیکٹ کر لی ہے۔ مسز ہادیہ راز داری سے بولیں۔

اچھا جی۔ کون ہے وہ لڑکی۔ علینہ کے لہجے سے تجسس چھلک رہا تھا۔ یہ تو مجھے بھی نہیں پتا خیر جو بھی ہو گی سامنے آ جائے گی۔ پرسوں میں نے رخصت ہونا ہے اس سے اگلے دن اس نے ڈیوٹی پر آ جانا ہے۔ خود ہی دیکھ لینا۔

ہاں۔ وہ تو میں دیکھ ہی لوں گی۔

مجھے ایک بات کا دکھ رہے گا۔ مسز ہادیہ دکھی صورت بنا کر بولیں۔ کس بات کا۔ علینہ چونکی۔

اس بات کا۔ کہ میں تمہاری فائق کے ساتھ شادی ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکی۔

اوہ مائی سویٹ میڈم۔ میں آپ کو اپنی شادی کی مووی بھیج دوں گی۔ کیوں ٹینس ہو رہی ہیں۔

☆☆☆

رات کا کھانا کھا کر سبھی لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ علینہ کی امی نے بات چھیڑی۔ اس کے ابو اور فیصل موجود نہ تھے۔

''علینہ۔''

جی امی۔ ''علینہ چائے کی چسکی لیتے ہوئے بولی۔ بیٹا۔ تمہاری آپی فاخرہ پھر سے تمہارے لئے ایک رشتہ لائی ہیں اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ لڑکا اپنا بزنس کرتا ہے۔ خوش شکل ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے۔

امی کی بات سن کر علینہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ امی ابھی رہنے دیں۔ اتنی جلدی کیا ہے۔

بیٹا تم پھر سے ٹال مٹول کر رہی ہو۔ اگر اب ہم نے انکار کیا تو فاخرہ بہت برا منائے گی۔ ابھی پہلی ناراضگی اس کی برقرار ہے۔ اگر تم ہاں کہہ دو گی تو وہ تمام ناراضگی بھول کر خوش ہو جائے گی۔

امی کیا آپی کی خوشی کی خاطر آپ ہاں کر دیں گی؟ وہ حیرانی سے بولی۔

بیٹا اگر رشتہ ہر لحاظ سے اچھا ہوا تو ہاں کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ آخر کہیں تو شادی کرنی ہے نا تمہاری تو پھر یہاں کیوں نہیں۔

امی۔ مجھے سوچنے کے لئے وقت دیں میں آپ کو ایک ہفتے بعد بتاؤں گی۔

بیٹا۔ اگر تمہاری نظر میں کوئی ہے تو تم مجھے بتا سکتی ہو۔ علینہ خاموش رہی تو وہ پھر بولیں۔

میں تو سمجھ رہی تھی کہ فائق تم میں دلچسپی لیتا ہے اور اس کی ماں تمہارا ہاتھ مانگے گی مگر مجھے لگتا ہے میرا وہم ہی تھا۔ بڑے لوگوں کا موڈ کب کیسا ہو جائے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ کب کسی کو نواز دیں۔ کب دھتکار دیں۔ موسم کی طرح بدل جاتے ہیں۔

امی کی بات سن کر اس کے دل میں کھٹکا سا لگ گیا۔ کیا واقعی بڑے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

☆☆☆

مسز ہادیہ کے اعزاز میں فائق نے پر تکلف پارٹی کا انتظام کیا تھا۔ چائے کے ساتھ تلی ہوئی مچھلی کے علاوہ کئی بیکری آئٹمز بھی تھیں۔ اس نے مسز ہادیہ کی شان میں ایک مختصر تقریر بھی کی جس میں ان کی کارکردگی کو سراہا گیا اور اس طرح مسز ہادیہ کمپنی کو اپنے ساڑھے چار سال دے کر باعزت طریقے سے رخصت ہو گئیں۔

دوسرے دن علینہ اپنے وقت پر کمپنی وین کے ذریعے دفتر گئی۔ وہ اپنی سیٹ پر بیٹھی کام کر رہی تھی کہ اس کی نظر فائق کے کیبن کی طرف اٹھ گئی۔ دیکھا تو شہلا فائق کے سامنے بیٹھی ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہے۔ یہ صبح صبح کیسے آ گئی۔ علینہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ دس پندرہ منٹ بعد فائق شہلا کو ساتھ لئے اس کے پاس آ گیا۔

''مس علینہ۔''

''جی سر۔''

یہ مس شہلا ہیں۔ اس نے شہلا کا تعارف کروایا۔

میں ان سے مل چکی ہوں سر۔

کہاں مل چکی ہیں۔

ہانیہ کی شادی پر۔

اوہ اچھا۔ یہ تو اچھی بات ہے کہ آپ دونوں پہلے سے ایک دوسرے کو جانتی ہیں۔

مس علینہ۔ ''مس شہلا آج سے مسز ہادیہ کی سیٹ پر بیٹھ کر کام کریں گی۔ مجھے امید ہے آپ

دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مکمل کمپرومائز کریں گی۔ٹھیک ہے نا مس علینہ۔

''جی سر۔''علینہ نے بادل نخواستہ کہا۔

فائق میں تمہیں شکایت کا موقع بالکل نہیں دوں گی۔شہلا نے بڑے لگاؤ سے کہا تو فائق بولا۔

مس شہلا یہاں آفس میں آپ مجھے سر کہہ کر مخاطب کریں گی۔

''او کے۔''

''او کے سر۔''وہ اک ادا سے بولی۔

شروع شروع میں جس کام کی سمجھ نہ آئے آپ مس علینہ سے ہیلپ لے سکتی ہیں۔امید ہے جلدی سمجھ لیں گی۔یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔اور علینہ سوچنے لگی کہ اچانک بیٹھے بٹھائے یہ کون سی مصیبت گلے پڑ گئی۔اس لڑکی کو پورا دن کیسے برداشت کروں گی۔

اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔وہ بات بے بات علینہ کا سر کھانے لگی۔سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اسے کوئی بھی بات آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی تھی۔تین دن کے اندر اندر اس نے علینہ کا دماغ پلپلا کر دیا۔کبھی کبھی تو علینہ کو لگتا کہ یہ سب کچھ وہ جان بوجھ کر کر رہی ہے۔وہ کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہتی بس علینہ کو تکلیف دینا چاہتی ہے۔آخر چوتھے دن علینہ کا صبر ختم ہو گیا اس نے کوئی بات سمجھانے سے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ۔

جو بھی پوچھنا ہو جا کر سر سے پوچھو۔

وہ تو یہی چاہتی تھی۔اب وہ منٹ دو منٹ بعد جا کر فائق کے سامنے پیش ہو جاتی۔فائل اس کے ہاتھ میں دیتی اور خود اس کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو جاتی۔اور کبھی کبھار تو وہ فائق کی چیئر پر ہاتھ رکھے فائل کے اوپر جھک جاتی۔علینہ ایسے مناظر دیکھتی تو غصے سے کھول اٹھتی۔وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ جاتی۔مگر وہ بے بس تھی کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔کئی دفعہ تو اسے فائق پر سخت غصہ آتا۔

آخر وہ اسے اپنے اتنا نزدیک آنے پر منع کیوں نہیں کرتا۔

پھر وہ خود ہی جواب دیتی۔آخر ہے تو ایک مرد ہی ہے نا۔ہر مرد کی طرح عورت کی قربت اسے خوشی دیتی ہو گی۔پتہ نہیں فائق نے اس حرافہ کو کیوں ملازمت دے دی۔وہ سارا دن پیچ و تاب کھاتی رہتی۔اس کی خوشی کو نجانے کس کی نظر لگ گئی۔

ہر وقت چہکنے کے دن ہوا ہو گئے۔اب تو وہ تھی۔یا اس کا چڑچڑا پن حیرت کی بات تو یہ تھی کہ فائق کا رویہ بھی اس کے ساتھ بالکل سرد اور لاتعلق سا ہو گیا تھا۔وہ نہ تو اسے نظر بھر کر دیکھتا اور نہ پاس بلا کر کام سے

ہٹ کر کوئی بات کرتا۔جب کہ وہ چھچھوری دن کا زیادہ حصہ فائق کے آفس میں اس کے ساتھ باتیں کرتے اور ہنستے ہوئے گذارتی۔شہلا کے آنے سے علینہ کے لئے اذیت کا ایک دور شروع ہو گیا۔وہ اندر ہی اندر کھولتی رہتی لیکن اپنا دکھ کسی سے شیئر نہ کرتی۔سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔کس کو بتائے۔ہانیہ اپنے میاں کے ساتھ شمالی علاقہ جات پر ہنی مون منانے چلی گئی تھی۔اس کو وہاں وہ پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ویسے بھی وہاں موبائیل فونز کے سگنل نہیں جاتے تھے۔

دو دن بعد شہلا نے فائق سے کہا کہ وہ اپنے کیبن کی سیٹنگ چینج کروانا چاہتی ہے۔

اس نے بڑے اسٹائل سے کہا تھا۔ہاؤ اولڈ اسٹائل سیٹنگ۔

فائق وہیں ان کے پاس کھڑا تھا۔وہ شہلا کو کچھ سمجھا رہا تھا جب اس نے بڑی ادا سے کہا تھا۔

سر۔مجھے اپنے کیبن میں چینج چاہیے۔

علینہ بڑی حیران ہوئی۔کیونکہ یہ سیٹنگ ایک ماہر فرم نے ڈیزائن کی تھی اور اس میں کوئی چیز بھی پرانے انداز کی نہیں تھی۔اس نے فائق کی طرف دیکھا۔اور بولی۔

میرا خیال ہے سر۔مس شہلا کو اپنے میز کی سیٹنگ پسند نہیں آئی ہے۔اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔میرے خیال میں تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔بہر حال یہ ان کی پسند ہے۔

میں صرف اپنی میز کی نہیں بلکہ اس سارے کمرے کی بات کر رہی ہوں۔اس نے علینہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ کمرہ شیئرڈ ہے۔اس لئے سیٹنگ بھی شیئرڈ ہو گئی۔آپ اپنی پسند کی سیٹنگ کرا لیں۔مجھے تو یہی سیٹنگ پسند ہے۔علینہ بھی ڈٹ گئی۔

فائق چپ کھڑا دونوں کی تکرار سنتا رہا۔پھر آخر میں بولا۔

مس شہلا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔اگر وہ چاہتی ہیں کہ کمرے کی سیٹنگ بدل دی جائے تو یہ ان کا حق ہے۔مس شہلا ڈونٹ وری سیٹنگ بدل دی جائے گی۔جیسی آپ چاہتی ہیں ویسی کروا لیں۔

علینہ فائق کی بات سن کر دنگ رہ گئی۔اسے پورا یقین تھا کہ فائق اس کی حمایت کرے گا۔مگر یہاں تو سب کچھ توقع کے برعکس ہو رہا تھا۔علینہ کا خود پر ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

فائق کی بے رخی اس کی برداشت سے باہر تھی۔

☆☆☆

دو دن کے اندر اندر شہلا کو اس کی پسند کی سیٹنگ کرا دی گئی۔

پہلے بھی اس کی میز پر جدید کمپیوٹر تھا۔ مگر شہلا کی فرمائش پر جدید ترین ماڈل منگوایا گیا۔ اس کے ساتھ نیا اور بڑا ایل سی ڈی تھا۔

شیشے کی بنی ہوئی جدید انداز کی ٹیبل اور ساتھ فائبر میٹل چیئر تھی۔

کئی دفعہ علینہ نے دیکھا کہ وہ کام کرنے کی بجائے کمپیوٹر پر کوئی میوزک ویڈیو یا انٹرنیٹ پر سرچنگ میں مصروف ہے۔ وہ دیکھ کر چپ ہو رہتی۔ فائق سے شکایت لگانا وہ غیر ضروری سمجھتی کیونکہ فائق کا پورا جھکاؤ شہلا کی طرف جا رہا تھا اور اسے مسلسل نظر انداز کئے جا رہا تھا۔ علینہ کو رہ رہ کر امی کی یہ بات یاد آتی کہ امیر لوگ موسم کی طرح بدل جاتے ہیں۔ جس وقت ان کا موڈ خوشگوار ہو تب کسی کو نواز دیتے ہیں اور جب موڈ خراب ہو تو اسے دھتکار دیتے ہیں۔ اور پھر امی کی کہی گئی یہ بات بھی اسے بار بار یاد آتی۔ کہ رشتے داری ہمیشہ برابر کے لوگوں میں ہوتی ہے۔ اور کامیاب بھی وہی رہتی ہے۔

تو کیا میں اب تک ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ کیا فائق کا مجھ سے گہرا لگاؤ صرف خوشگوار موڈ کا مرہونِ منت تھا۔ کیا وہ مجھ پر چار دن اس لئے مہربان رہا کہ میری شکل اس کی منگیتر سے ملتی ہے۔ اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ فائق کا رویہ اس کی چاہت اس کی وارفتگی محض ایک دھوکہ تھا فریب تھا۔

شہلا خود تو ایک دن میں فائق کے کمرے کے دو درجن سے زائد چکر لگاتی اور اگر علینہ کسی کام سے جاتی تو پیچھے سے گھور گھور کر دیکھتی اور جب علینہ واپس اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھتی تو معنی خیز نظروں سے اسے دیکھتی اور کوئی نہ کوئی جملہ کس دیتی۔ علینہ دل مسوس کر رہ جاتی۔

آخر ایک دن اس نے فائق سے اس کی شکایت کر دی۔

''سر'' مس شہلا کا رویہ مجھ سے انتہائی نازیبا ہے۔ اسے کسی اور جگہ بھیج دیں۔ یا پھر مجھے بھیج دیں۔

فائق نے فائل سے نظریں اٹھائے بغیر پوچھا۔ کیوں مس علینہ ایسی کیا بات ہو گئی۔ آخر۔

''سر'' وہ ہر بات پر مجھے ہرٹ کرتی ہیں۔ میری انسلٹ کرتی ہیں۔ آپ نظر انداز کریں۔ میں کوئی حل سوچتا ہوں۔ بالکل پروفیشنل لہجہ۔ اب وہ علینہ کی طرف دیکھنے سے بھی احتراز کرتا تھا۔

علینہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ آنسو پیتی ہوئی اپنی سیٹ پر آ بیٹھی۔

اور پھر اسی دن چھٹی کے وقت وہ اپنی ساتھی لڑکیوں کے ساتھ وین میں بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھی کہ فائق کی گاڑی پاس سے گزری۔ فائق گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ جب کہ شہلا فرنٹ سیٹ پر اس کیساتھ بیٹھی اس کی طرف جھکی کوئی بات بتا رہی تھی اور وہ ہنس رہا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر علینہ کی روح تک جھلس گئی اور پھر گھر جانے تک اس کے ذہن میں آندھیاں سی چلتی

رہیں۔ گھر جا کر وہ بغیر کسی کو بلائے سیدھی اپنے کمرے میں گئی اور بیڈ پر گر کر رونے لگی۔

رابی اس کے پیچھے پیچھے اس کے کمرے میں آئی اس کو روتا دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ آپی کیا ہوا ہے۔

کچھ نہیں۔ وہ روتے روتے بولی۔

تو پھر کیوں رو رہی ہو۔

وہ اٹھ بیٹھی۔ رابی جب کوئی آسمان کی بلندی سے گہری کھائی میں جا گرتا ہے تو رونا تو پھر آتا ہی ہے۔

میں کچھ سمجھی نہیں۔

وہ پھر بولی۔ آخر لوگ کسی کے دل کے ساتھ کیوں کھیلتے ہیں۔ دل کوئی کھلونا تھوڑا ہوتا ہے۔

پتہ نہیں کیا کہہ رہی ہو۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔

کوئی خاص بات نہیں۔ وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ ایک کپ چائے کا بنا لاؤ اور ساتھ ایک گولی پینا ڈول کی اور ہاں امی کو کچھ مت بتانا۔

ٹھیک ہے۔ یہ کہتی ہوئی رابی باہر نکل گئی۔

اور وہ پھر اپنی تنہائی کو آنسوؤں سے آباد کرنے لگی۔ اس وقت اسے کسی شاعر کی یہ غزل یاد آ رہی تھی۔

ہو چکا وہ اب کسی، کا وہ جو میری زندگی تھا
کون بھولا ہے پہلی محبت کو میری ساری خوشی تھا وہ
پھولوں کی طرح مسکراتا تھا میرے ہونٹوں کی ہنسی تھا وہ
بعد برسوں دیکھا تھا اسے، آج بھی اتنا ہی حسین تھا وہ
زندگی جس کے نام کر دی زخمی افسوس کہ لوگ کہتے ہیں
اجنبی تھا وہ

وہ پوری رات اس نے روتے ہوئے گزاری۔ صبح اٹھی تو آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں۔ اس کی امی نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کی آنکھیں خراب ہو گئیں ہیں۔

☆☆☆

آج آفس میں بھی اس کا دل کام کرنے کو بالکل نہیں کر رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ کپڑے پھاڑتے ہوئے کسی ویرانے میں نکل جائے اور وہاں جا کر بلند آواز میں چیخ چیخ کر روئے۔

شہلا بھی بار بار اسے کن انکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر بول پڑی کیا کسی سے کوئی جھگڑا ہو گیا ہے کیا۔

وہ چپ رہی تو پھر بولی۔ یا کوئی ان چاہا منظر دیکھ لیا ہے۔ وہ کل گاڑی والا سین اسے یاد کروا کر اس

کے زخموں پر نمک چھڑک رہی تھی۔ کیا بک رہی ہو۔ اپنی حد میں رہو۔ علینہ چلائی۔

بکواس بند کرو۔ وہ بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو کر غرائی۔ خود چھپ چھپ کر رنگ رلیاں مناتی ہو۔ اور مجھے میری حد بتا رہی ہو۔

کیا مطلب ہے تمہارا۔ علینہ کو تو جیسے آگ لگ گئی۔ وہ اٹھ کر شہلا کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

یہ نہ سمجھنا کہ مجھے کسی بات کی خبر نہیں۔ میں سب جانتی ہوں تمہارا اور فائق کا کیا چکر چل رہا ہے۔

اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی علینہ ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر جڑ دیا۔

وہ گال پر ہاتھ رکھے بڑی نفرت سے علینہ کو دیکھ رہی تھی۔ جب فائق نے جو یہ ہنگامہ سن کر پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ پکارا۔

کیا ہو رہا ہے یہاں۔

علینہ نے پلٹ کر فائق کو دیکھا اور پھر آنسو پونچھتی ہوئی دفتر سے باہر نکل گئی۔ پیچھے کیا ہوا کیا نہیں اسے کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ دفتر کی عمارت سے باہر آئی۔ رکشہ رکوایا اور رکشے میں بیٹھ گئی۔ احساس ذلت اسے مارے ڈال رہا تھا۔ ہزیمت کی آگ اسے جلا کر بھسم کر رہی تھی۔ وہ گھر گئی تو اس کی امی جو اس وقت گھر میں اکیلی تھیں اسے یوں اندر داخل ہوتا دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ وہ دندناتی ہوئی سیدھی اپنے کمرے میں گئی۔ اپنے دراز سے بریسلٹ نکالا۔ اور پھر گھر سے باہر نکل گئی۔ اس کی امی اسے آوازیں دیتی رہ گئیں۔ مگر اس کے سر پر تو جیسے کوئی جن سوار ہو گیا تھا۔ سیدھی آفس گئی۔ اس کا کیبن خالی تھا۔ اس نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر استعفیٰ لکھا اور پھر فائق کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ وہ اس وقت سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے بیٹھا تھا۔

اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تو اس نے استعفیٰ اور بریسلٹ والی ڈبی اس کے آگے رکھ دیں۔

یہ میرا استعفیٰ ہے آج کے بعد میں اس دفتر میں کام نہیں کروں گی اور یہ آپ کا دیا ہوا نادر اور قیمتی تحفہ۔ میں یہ تحفہ لینے کے قابل نہیں۔ بہتر ہوگا کہ آپ یہ تحفہ شہلا کو دے دیں۔ یہ کہہ کر وہ ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی دفتر سے باہر نکلتی چلی گئی۔ پیچھے سے فائق آوازیں دیتا رہ گیا۔ مگر اس نے ایک نہ سنی اور تقریباً دوڑتی ہوئی اس عمارت سے باہر آ گئی۔ یوں جیسے اس عمارت میں کوئی آسیب چھپا بیٹھا ہو جو اسے اچانک دبوچ کر پکڑ لے گا۔

گھر پہنچ کر وہ اپنے کمرے میں جا کر بیڈ پر گر کر رونے لگی۔ اس کی امی اس کے پیچھے آئیں۔ اس کے پاس بیٹھ کر اس کے بال سہلانے لگیں۔

بیٹا کیا ہوا ہے۔ کیا دفتر میں کوئی بات ہو گئی۔

امی میں وہ نوکری ہمیشہ کے لئے چھوڑ آئی ہوں۔ پلیز اس دفتر کا نام اب کبھی نہ لیجئے گا۔

اچھا پہلے یہ رونا دھونا بند کرو اور مجھے بتاؤ آخر ہوا کیا ہے۔ اس کی امی نے اسکے آنسو پونچھے۔

امی آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ بڑے لوگوں کا موڈ موسم کی طرح بدلتا رہتا ہے۔ امی آپ نے جو رشتہ بتایا تھا۔ وہ مجھے قبول ہے۔ آپ ان لوگوں کو ہاں کر دیں۔

بیٹا اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ لڑکے کی تصویر تو ایک مرتبہ دیکھ لو۔

نہیں امی مجھے کچھ نہیں دیکھنا۔ آپ کا ہر فیصلہ مجھے منظور ہے۔

☆☆☆

علینہ کی زندگی میں اب فائق جیسے بھولا بسرا خواب بن گیا۔ سارا سارا دن وہ سر منہ لپیٹے پڑی رہتی۔ نہ کھانے کا ہوش اور نہ پہننے کا کوئی خیال۔ سبھی پوچھ پوچھ کر تھک گئے۔ مگر اس نے جیسے لب سی لئے۔ اپنا حال دل کسی کو نہ بتایا۔ رابی کو اس کے دکھ کا کچھ کچھ اندازہ تھا۔ وہ اس کی دلجوئی کرتی۔ اسے نت نئے کھانے بنا بنا کر کھلاتی۔ سارا دن اس کے ساتھ باتیں کرتی۔ اسے ہنسانے کی کوشش کرتی۔ مگر وہ چپ چاپ سنتی رہتی۔ ہنسنا بولنا بالکل ترک کر دیا تھا۔

اس کی بہنیں اپنے بچوں کے ساتھ آئیں تو وہ اس کی حالت دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔

اسے کیا ہوا ہے۔ وجیہہ حیران ہوئی پوچھ رہی تھی۔

کچھ نہیں۔ بس طبیعت ٹھیک نہیں کچھ دنوں سے۔ امی نے پردہ پوشی کی۔

کیا ہوا طبیعت کو۔ اچھی بھلی تو تھی پھر اچانک کیا ہوا۔ اب کہ فاخرہ بولی۔

آپی کچھ دنوں سے بخار ہے۔ علینہ نے جواب دیا۔

دفتر سے چھٹیاں کر رہی ہو۔

میں نے جاب چھوڑ دی ہے۔

جاب چھوڑ دی ہے۔ وہ دونوں سن کر حیران ہوئیں۔

کیوں چھوڑ دی جاب۔ اتنی اچھی جاب کوئی یوں چھوڑ دیتا ہے۔ وہ ان کی بات کا جواب دیئے بغیر اٹھ کر اندر چل دی۔

امی سچ سچ بتائیں۔ اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ فاخرہ کو کسی گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا۔

پتہ نہیں کیا روگ جی کو لگا بیٹھی ہے۔ بس ہر وقت روتی رہتی ہے۔ نہ کھاتی ہے نہ ہنستی بولتی ہے۔

اس کی حالت دیکھ دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ امی افسردگی سے بولیں۔ تو وہ تینوں بہنیں بھی افسردہ ہو گئیں۔

امی لڑکے والے اصرار کر رہے ہیں ایک نظر علینہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

کیا جواب دوں ان کو۔ فاخرہ نے پوچھا۔

ابھی ان کو کسی طریقے سے ٹال دو۔ اس کی حالت تھوڑی سنبھلے گی تو بلا لیں گے۔

اس کی حالت سنبھلے یا نہ سنبھلے میں ان کو اگلے ہفتے کے کسی بھی دن لے کر آ جاؤں گی۔ پہلے کی طرح کہیں یہ رشتہ بھی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ وہ حتمی لہجے میں بولی۔

☆☆☆

جدائی کی ہر رات بڑی قاتل ہوتی ہے۔ جب جسم دہکتے ہوئے انگاروں پر لوٹتا ہے۔ اور روح بار بار سولی چڑھتی ہے۔ ذہن اس حادثے کو قبول نہیں کرتا۔ مگر تصور بار بار جدائی کی گھڑیوں کو سامنے لے آتا ہے۔ یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ مگر یقین کئے بغیر چارہ کوئی نہیں ہوتا۔

دل کہتا ہے۔ سینے میں کوئی پھونک مار کر زندگی کا فانوس بجھا دو مگر جدائی کا خنجر بار بار کلیجہ چھلنی کرتا ہے۔ بار بار مرنا اور بار بار جینا پڑتا ہے۔ نیند قریب آتے ہوئے ڈرتی ہے۔ مگر ایک لمبی نیند سو جانے کو جی چاہتا ہے۔ ایسی نیند جس کا بیداری سے کوئی تعلق نہ ہو۔

علینہ بھی ہر رات بستر پر بے چینی سے پہلو بدلتی۔ نہ اس پہلو قرار آتا نہ اس پہلو۔ بس بار بار یہی خیال آتا۔ ہائے یہ سب کیوں ہو گیا۔ شاید میں نے زمین و آسمان سے کچھ زیادہ طلب کر لیا تھا۔

سوچ، سوچ کر اور رو رو کر جب اس کی حالت دیوانوں سے بدتر ہو گئی تو وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔ ذرا سی دیر میں اس کی حالت مردوں سے بدتر ہو گئی تھی۔ اسے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ برسوں کی بیمار ہے۔ وہ ایک سایہ ہے۔ یا روح ہے جو اپنے جسم کو تلاش کرتی پھر رہی ہے۔ گھر کے سارے افراد گہری نیند سو رہے تھے۔ کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ اس کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔ وہ چھت پر چڑھ گئی۔

ہر سو چودھویں کی چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ وہی چاندنی جو ہمیشہ سحر آلود چادر بن کر ساری دنیا پر بچھ جایا کرتی ہے۔ آج سفید رنگ کی ایک بھیانک جادوگرنی لگ رہی تھی۔ جو اپنی بڑی بڑی اور خوفناک آنکھیں کھولے ساری دنیا پر کالا منتر پھونک رہی تھی۔

دنیا ساکت اور بجھی بجھی سی تھی۔

میری تو دنیا ہی زیر و زبر ہو گئی ہے۔ مگر اس دنیا کے چلن میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ہر شے جوں کی توں ہے۔

ذرا برابر بھی تو میرے دل کے ٹوٹنے کا کسی نے ماتم نہیں کیا۔ اور نہیں تو اس جگمگاتے چاند کو ہی سیاہ بدلیاں اپنی لپیٹ میں لے لیتیں۔ کوئی تو میرے مقدر پر بھی آنسو بہاتا۔

پھر وہ زیر لب یہ غزل گنگنانے لگی۔

میں نے کیا سوچا تھا اور کیا ہو گیا
وہ ذرا سی بات پر خفا ہو گیا
ملی ہے جس کی اتنی بڑی سزا ہے
ایسا بھی قصور مجھ سے کیا ہو گیا
وعدہ تھا جس کا عمر بھر کا ساتھ نبھانے کا
اتنی جلدی کیسے بے وفا ہو گیا
جو کبھی اک پل نہ مجھ سے دور رہتا تھا
اس کی صورت دیکھے بہت عرصہ ہو گیا

☆☆☆

آج چھٹی کا دن تھا۔ یعنی سنڈے تھا۔ اسی لئے رابی پورے گھر کی ڈسٹنگ کر رہی تھی۔ ماسی صفائی کر رہی تھی اور وہ پیچھے پیچھے ڈسٹنگ کرتی جا رہی تھی۔ اب وہ ہاتھ میں کپڑا پکڑے اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ جہاں سے ماسی صفائی کر کے ابھی ابھی نکلی تھی۔ علینہ بیڈ سے ٹیک لگائے کوئی کتاب دیکھ رہی تھی۔ رابی نے فرنیچر کی ڈسٹنگ شروع کر دی۔ اچانک علینہ کے پاس پڑا ہوا اس کا سیل فون بجنے لگا۔

علینہ نے آن کر کے کان سے لگایا۔

"ہیلو۔"

دوسری طرف فائق کی آواز سن کر اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

وہ ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا۔ علینہ نے فون بند کر کے رکھ دیا۔

کس کا فون تھا۔ رابی نے علینہ کا زرد پڑتا چہرہ دیکھ کر پوچھا۔ کسی کا نہیں رانگ نمبر تھا۔ وہ بولی۔ اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی دیکھ کر رابی سمجھ گئی کہ کس کا فون تھا۔ چند منٹ بعد پھر سے بیل ہونے لگی۔ علینہ نے جب کافی دیر نہ اٹھایا تو رابی نے فون آن کر کے کان سے لگا لیا۔

ہیلو۔ علینہ پلیز میری بات سنو۔ دیکھو فون بند مت کرنا۔

مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔

فائق بھائی میں رابی بات کر رہی ہوں۔ آپی آپ کا فون نہیں اٹھا رہیں تھیں۔

رابی پلیز میری علینہ سے بات کروا دو۔ اس نے التجا کی۔

رابی نے فون علینہ کی طرف بڑھایا۔ آپی بات کرو۔ بات کرنے میں کیا حرج ہے۔

علینہ نے فون پکڑا تو رابی کمرے سے باہر نکل گئی۔ جاتے جاتے دروازہ بھی بند کر گئی تھی تا کہ علینہ کھل کر فائق سے بات کر سکے۔

جی بولیے۔ میں سن رہی ہوں۔

علینہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔

اب یہ ممکن نہیں۔ وہ بھیگے ہوئے لہجے میں بولی۔

کیوں ممکن نہیں کیا تم پر کوئی پابندی ہے۔ وہ سسکتے ہوئے بولا کوئی پابندی نہیں۔ میں خود ہی نہیں آپ سے ملنا چاہتی۔

آخر کیوں۔

اس لئے کہ اب کوئی فائدہ نہیں۔ اگلے ہفتے میری منگنی ہو رہی ہے۔

تمہاری منگنی صرف میرے ساتھ ہوگی اور کسی کے ساتھ نہیں وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

آپ کے لئے لڑکیوں کی کیا کمی۔ کسی سے بھی کر لیجئے منگنی۔ وہ طنز سے بولی۔

تم پلیز ایک دفعہ مجھ سے ملو۔ بیٹھ کر ساری باتیں کریں گے۔

میں آپ سے نہیں ملنا چاہتی۔ آپ سمجھ کیوں نہیں رہے وہ تلخی سے بولی۔

علینہ اتنی تلخ تو تم کبھی بھی نہ تھی۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ وہ افسردگی سے بولا تو علینہ کا دل پگھلنے لگا۔ مگر پھر اس کی جفائیں یاد آنے لگیں۔ تو پھر سے کھٹور بن گئی۔

علینہ کیا تم میری یہ آخری خواہش پوری نہیں کرو گی۔ جانے اس کے لہجے میں کیا بات تھی کہ علینہ کانپ اٹھی۔

آخری خواہش۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

آخری اس لئے کہ میں دوبارہ تم سے زندگی میں کبھی ملنے کی ضد نہیں کروں گا۔ پلیز۔

اچھا ٹھیک ہے کہاں آنا ہے۔ آخر وہ ہار مان گئی۔

تم ایسا کرو۔ اپنی گلی سے باہر مین روڈ پر دائیں طرف ایک پی سی او ہے وہاں ٹھیک بارہ بجے پہنچ جانا۔ میں وہاں گاڑی میں بیٹھا تمہارا ویٹ کر رہا ہوں گا۔

ٹھیک ہے۔ یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

سوا بارہ بجے تک وہ مطلوبہ جگہ پر پہنچ گئی۔ گھر پر امی کو ہی کہہ کر نکلی تھی کہ دفتر میں کچھ بقایا جات ہیں وہ لینے جا رہی ہوں۔ پی سی او کے پاس پہنچی تو فائق کی بی ایم ڈبلیو ایک سائیڈ پر کھڑی نظر آ گئی۔ وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ علینہ نے پاس جا کر گاڑی کے شیشے پر انگلی بجائی تو وہ چونک کر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے فٹ سے ہاتھ لمبا کر کے فرنٹ ڈور کھول دیا۔ علینہ اس کے مدمقابل بیٹھ گئی۔

وہ کچھ دیر علینہ کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک اچھے ہوٹل کے فیملی کیبن میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

فائق دیوانہ وار اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اور وہ نظریں جھکائے اس کے سامنے بیٹھی ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

جو کہنا ہے جلدی سے کہہ دیں۔ مجھے جلدی واپس جانا ہے۔ وہ پہلو بدل کر بولی۔

علینہ مجھ سے جو غلطیاں سرزد ہو گئی ہیں۔ ان کے لئے تم سے معافی مانگتا ہوں۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔

کر دیا معاف۔ بس یا اور کچھ کہنا ہے۔

''علینہ۔'' میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ I love you،

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

بہت دیر کر دی آپ نے یہ جملہ کہنے کے لئے۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

کوئی دیر نہیں ہوئی۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ تم اس رشتے سے انکار کر دو۔ وہ اسے بغاوت پر اکسا رہا تھا۔

ہرگز نہیں۔ میں انکار نہیں کروں گی۔ وہ بظاہر مضبوط بنی بیٹھی تھی۔ اندر سے اس کا دل کٹ رہا تھا۔

علینہ اس بے کار کی ضد پر ہم دونوں کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ تم اپنے گھر والوں کو منع کر دو۔ میں کل ہی امی کو تمہارے گھر بھیج دوں گا، پلیز مان جاؤ۔

پلیز آپ مجھے مجبور نہ کریں۔ وہ درشت لہجے میں بولی۔ آپ رئیس لوگوں کا موڈ پل پل بدلتا ہے۔ ابھی آپ مجھ سے محبت کے دعوے دار ہیں۔ کل کو کوئی اور من کو بھا گئی تو مجھے پھر سے نظر انداز کرنا شروع کر دیں گے۔

علینہ میں تمہاری ساری غلط فہمیاں دور کر دوں گا۔ اسی لئے تمہیں یہاں بلایا ہے۔ میرا شہلا کیساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

بلکہ وہ تو مجھے سخت ناپسند ہے۔ میں نے اسی دن سے اسے دفتر سے نکال دیا تھا۔ جس دن اس نے

تم سے بدتمیزی کی تھی۔

آپ اسے کتنا ناپسند کرتے تھے۔ یہ تو میں نے پندرہ بیس دن اس کے ساتھ کام کر کے دیکھ لیا تھا۔ جب اس کے سامنے مجھے نظر انداز کر کے اس کی ہر بات کو اہمیت دیتے تھے۔ وہ دل میں چھپے شکوے زبان پر لانے لگی۔

جہاں تک تمہیں نظر انداز کر کے اس کو اہمیت دینے کا سوال ہے تو یہ میں صرف تمہیں جلانے کے لئے کرتا تھا۔ جب تم منہ پھلائے غصے سے میری طرف دیکھتی تھی تو مجھے اور بھی پیاری لگتی تھی۔ میرا یقین کرو۔ ایسا ہی ہے۔

علینہ بے یقینی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ تو وہ پھر بولا۔

مجھے تمہاری قسم ہے علینہ۔ میرے دل میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں۔

اچھا۔ اگر آپ اسے شروع سے ناپسند کرتے تھے۔ تو اسے ملازمت پر کیوں رکھا۔

اسے مجبوراً رکھنا پڑا۔ وہ میرے پاپا کے بیسٹ فرینڈ انکل تیمور کی بیٹی ہے۔ انکل نے اس کی سفارش کی تو میں انکار نہ کر سکا۔ ایک ایک کر کے بدگمانی کے سارے بادل چھٹ رہے تھے۔ ان بادلوں کے پیچھے سے پھر سے امید کا چاند طلوع ہو رہا تھا۔

وہ نظریں اٹھا کر فائق کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ جہاں اس وقت محبت کا گہرا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ فائق کے منتشر بال اور کئی دنوں کی بڑھی ہوئی شیو اس بات کا ثبوت تھے کہ اس نے کئی دنوں سے سخت ذہنی اذیت سہی ہے۔

''علینہ۔'' اس نے پیار سے پکارا۔

''ہوں۔'' وہ بھی دھیمے لہجے میں بولی۔

میری باتوں پر یقین آ گیا یا پھر اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے کوئی امتحان بھی دینا پڑے گا۔ اگر چاہو تو بڑی سے بڑی قسم کھانے کے لئے تیار ہوں۔

وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔

اسے خاموش دیکھ کر فائق نے کہا کہ میں اس پاک ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو کل کائنات کا مالک اور ہر شے پر قادر ہے۔ میں دل و جان سے تمہیں چاہتا ہوں۔ میرے دل میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں۔ اگر مجھے تمہارا ساتھ نہ ملا تو میں شاید زندہ.....

ابھی اس کا فقرہ ادھورا ہی تھا کہ علینہ نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔

فائق نے اس کا ہاتھ اپنے منہ سے ہٹا کر چوم لیا۔ علینہ نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔ اس کے چہرے پر جیسے قوس قزح کے سارے رنگ بکھر گئے۔

فائق آپ کو پتہ ہے۔ یہ چند دن میں نے کتنی اذیت میں گذارے ہیں۔ ہر پل مر مر کر جیتی تھی۔

بس اب ساری اذیتیں ختم۔ ایک دو دن میں، میں امی کو لے کر تمہارے گھر آ رہا ہوں۔

کہیں پھر دیر نہ کر دیجئے گا۔ اس کے دل میں اندیشے سر اٹھانے لگے نہیں میری جان۔ اب کبھی دیر نہ ہو گی۔ وہ وارفتگی سے بولا۔ اچھا اب یہ بتاؤ کیا کھانا ہے۔ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے میں اپنی صفائیاں دے دے کر تھک گیا ہوں۔ مارے بھوک کے جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ بتاؤ کیا منگواؤں۔

مجھے بھوک نہیں ہے۔ وہ مسکرائی۔

بھوک تو میری بھی کافی دنوں سے اڑی ہوئی تھی۔ خدا خدا کر کے آج، ابھی واپس لوٹی ہے۔

جو دل چاہے منگوا لیں۔ میں ہر چیز کھا لیتی ہوں۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

باپ رے۔ ہر چیز۔ مثلاً پلاسٹک۔ لوہا۔ لکڑی وغیرہ۔ ہر چیز۔ آپ تو بات کو پکڑ لیتے ہیں۔ وہ ہنسی۔

میرے دونوں ہاتھ خالی ہیں۔ میں نے کوئی بات نہیں پکڑی۔ تم دیکھ سکتی ہو۔

اوہ مائی گاڈ۔ وہ ہاتھ ماتھے پر رکھ کر بولی۔

فائق نے بیرے کو بلایا اور کھانا منگوایا۔ دونوں خوشگوار ماحول میں کھانا کھاتے رہے اور مستقبل کی پلاننگ کرتے رہے۔

☆☆☆

وہ گھر پہنچی تو اس میں جو خوشگوار تبدیلی آئی تھی۔ سب نے محسوس کی۔ اس کے سر سے جیسے منوں بوجھ اتر گیا تھا اور وہ ایک دم سے ہلکی پھلکی ہو کر ہوا میں تیرنے لگی تھی۔

جیسے بارش کے بعد ہر چیز دھل کر نکھر جاتی ہے۔ ایسے ہی وہ غم و الم کی برسات میں دھل کر بد گمانیوں کی دلدل سے نکل کر ایک دم فریش اور تر و تازہ ہو گئی تھی۔ رات کا کھانا بھی اس نے پیٹ بھر کر کھایا اور پھر کافی دیر تک رابی اور فیصل سے ہنسی مذاق کرتی رہی۔

رات کو دونوں بہنیں سونے کے لئے لیٹیں تو رابی نے پوچھ لیا۔

آپی کیا فائق بھائی سے صلح ہو گئی؟

ہاں ..... ہو گئی، وہ اتنے غلط نہیں تھے۔ جتنا میں انہیں سمجھ بیٹھی تھی۔ اس کے لہجے سے خوشی چھلک رہی تھی۔

تو کب آرہے ہیں وہ آپ کا ہاتھ مانگنے۔ رابی بھی خوش ہو کر بولی۔

کل یا پھر پرسوں۔ انہوں نے پکا وعدہ کیا ہے۔ وہ پورے یقین کے ساتھ بولی۔

اگر انہوں نے وعدہ توڑ دیا.....تو پھر.....

خواہ مخواہ توڑ دیا۔ اب وہ ایسا کبھی نہیں کریں گے۔

اگر کر دیا تو پھر.....

اگر کر دیا تو.....

تو میں ان سے ہمیشہ کے لئے روٹھ جاؤں گی۔ کہنے کو تو اس نے کہہ دیا۔ مگر اس کے دل میں وسوسے سر اٹھانے لگے۔

☆☆☆

دوسرا دن پیر کا دن تھا۔ رابی تیار ہو کر یونیورسٹی جب کہ فیصل اپنے کالج چلا گیا تو علینہ ناشتے سے فارغ ہو کر برتن دھونے لگی۔

علینہ'' اس کی امی نے کچن کیبنٹ صاف کرتے ہوئے کہا۔

جی امی۔'' وہ برتن دھوتے ہوئے بولی۔

فاخرہ کا فون آیا تھا۔ کہہ رہی تھی کہ مہمان جمعہ والے دن شام کو پانچ بجے آئیں گے۔

''کون سے مہمان امی۔'' وہ برتن دھوتے ہوئے زیر لب گنگنا رہی تھی۔ تمہیں دیکھنے کے لئے۔ بھول گئی کیا۔

علینہ کے ہاتھ رک گئے۔ مجھے دیکھنے کے لئے۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ پھر اس نے خود کو تسلی دی کہ کل فائق اور اس کی امی آئیں گے اس کا ہاتھ مانگ لیں گے تو جمعہ والے مہمانوں کے آنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ امی مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا۔

''ہاں کہو۔''

کل یعنی منگل کے روز فائق اپنی امی کے ساتھ ہمارے گھر آئیں گے۔

''اچھا۔'' کوئی خاص بات ہے۔ اس کی امی نے دلچسپی سے پوچھا۔

''جی۔'' وہ میرے رشتے کے لئے آرہے ہیں۔

''واقعی۔'' اس کی امی بہت خوش ہوئیں۔ اگر وہ تمہارا رشتہ فائق کے لئے مانگیں تو اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہو گیا۔ چلو پھر ماسی آتی ہے تو پورے گھر کی اچھی طرح صفائی کروالو۔ پھر دونوں ماں بیٹی

جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگیں۔

منگل کے دن کا سورج علینہ کے لئے نئی خوشیوں اور امنگوں کے ساتھ طلوع ہوا۔ اور پھر ناامیدی اور مایوسیوں کا اندھیرا کر کے غروب ہو گیا۔

سارا دن علینہ کی نگاہیں دروازے کی طرف رہیں۔ جب دروازے پر آہٹ ہوتی وہ سمجھتی کہ فائق آ گیا۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ انتظار کے لمحے بڑے طویل اور تکلیف دہ ہوتے ہیں۔

رات کو اس کی امی نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر فائق جمعرات تک آ گیا تو ٹھیک ورنہ جمعہ والے دن اس کی منگنی ہو جائے گی۔ اور ہمارے ہاں منگنی کو آدھا نکاح سمجھا جاتا ہے۔ منگنی توڑنے کے بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھا جاتا ہے۔ وہ امی کی وارننگ سن کر دل مسوس کر رہ گئی۔ اس نے فائق سے سیل فون پر رابطہ کیا تو وہ بھی بند جا رہا تھا۔ اس نے فون بیڈ پر پٹخا اور سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

بدھ کا سارا دن بھی اسی آس و امید میں گذر گیا کہ ابھی اس کا فون آئے گا۔ یا وہ خود بنفس نفیس اس کے سامنے آموجود ہوگا۔ فائق ایسا کیسے کر سکتا ہے۔ اگر میری زندگی کا سوال ہے تو اس کی زندگی کی خوشیاں بھی تو مجھ سے وابستہ ہیں۔ کیوں کر رہا ہے وہ ایسا۔ سوچ سوچ کر وہ ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔ فائق کا نمبر ملاتی تو فون بند ملتا۔ وہ کسی بے چین روح کی طرح پورے گھر میں منڈلاتی پھر رہی تھی۔ امی اور رابی اس کی حالت دیکھ کر دل ہی دل میں افسوس کرتیں۔ اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتیں تھیں۔ جمعرات والے دن وہ مردہ دلی سے بستر پر پڑی رہی۔ اب تو وہ بے چینی اور اضطراب بھی ختم ہو گیا تھا۔ جس کی بنا پر وہ پورے گھر میں پارے کی طرح تھرکتی رہتی تھی۔ اس اضطراب کی جگہ اب حسرت اور مایوسی نے لے لی تھی۔ سارا دن وہ بستر پر لیٹی رہی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا جسم بے جان ہو گیا ہو اور وہ اس کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہو۔

☆☆☆

جمعہ کا دن آن پہنچا۔ آج اس کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ ویسے تو اسے فائق کے آنے کا کوئی امکان نہ رہا تھا۔ پھر بھی دل میں موہوم سی امید جاگ اٹھتی کہ شاید کوئی فلمی سین ہو جائے۔ عین موقع پر فائق آ جائے اور کہہ دے کہ یہ منگنی نہیں ہو سکتی۔ علینہ صرف میری ہے۔ اسے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ ابھی صرف دس بجے تھے۔ مہمانوں نے پانچ بجے آنا تھا۔ ابھی سے کھانے کی تیاریاں زور شور سے ہو رہیں تھیں۔ رابی نے آج یونیورسٹی سے چھٹی کر لی تھی۔ اس کے ابو دی گئی لسٹ کے مطابق سارا سامان باری باری ڈھو رہے تھے اور تو اور اس کی امی بھی چہک رہیں تھیں۔ ایک انجانی خوشی سے ان کا چہرہ دمک رہا تھا۔ رابی بھی ہر کام خوشی خوشی کر رہی تھی۔

یہ میری ماں ہے۔

یہ میری بہن ہے۔

دونوں میری دلی کیفیت سے آگاہ ہیں پھر کیوں انہیں میرا دکھ محسوس نہیں ہو رہا۔ کیوں یہ اتنی خود غرض اور ظالم ہو گئیں ہیں۔ علینہ کو رہ رہ کر رونا آ رہا تھا۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا تو گھڑی بارہ بجا رہی تھی۔ صرف پانچ گھنٹے رہ گئے تھے۔ اس نے کچھ سوچ کر فائق کے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔ علینہ کا دل دھڑک رہا تھا۔ پتہ نہیں کوئی فون اٹھاتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ آنٹی تو اکثر گھر سے باہر ہوتی ہیں اور اگر گھر میں ہوں بھی تو زیادہ وقت اپنے کمرے میں گذارتی ہیں۔

وہ مایوس ہو کر فون رکھنے ہی والی تھی کہ دوسری طرف سے بیگم فریحہ کی آواز کان میں پڑی۔

وہ فوراً بولی۔ ''ہیلو'' آنٹی فائق کہاں ہیں۔ اسے اس بات کا بھی خیال نہ رہا تھا کہ آنٹی سے پہلے دعا سلام کرنی ہے۔

کون بات کر رہا ہے۔ آنٹی سے پوچھا۔

میں علینہ بات کر رہی ہوں آنٹی۔ وہ جلدی جلدی بولی۔

ہاں.....علینہ.....کیسی ہو بیٹی۔ وہ شفقت سے بولیں۔

میں ٹھیک ہوں۔ آنٹی جلدی سے بتائیں فائق کہاں ہے ان کا فون کیوں بند جا رہا ہے۔

بیٹی خیر تو ہے۔ تم کچھ گھبرائی ہوئی لگ رہی ہو۔ وہ فکرمندی سے بولیں۔

خیریت نہیں ہے آنٹی۔ میرا اس وقت فائق سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔ اب وہ تقریباً رو دینے کو تھی۔

فائق تو اس وقت اسلام آباد میں ہے۔ اسے ایمرجنسی جانا پڑا ہے۔ آج تیسرا دن ہے۔ کل تک آ جائے گا۔

کل تک تو بہت دیر ہو جائے گی۔ وہ رونے لگی۔

آخر مسئلہ کیا ہے۔ مجھے بتاؤ بیٹی۔ وہ پوچھ رہیں تھیں اور اس نے فون بند کر دیا۔ پھر جو اس نے رونا شروع کیا تو روتی چلی گئی۔ منزل اتنی قریب آ کر دور چلی جائے گی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

تھوڑی دیر بعد شور و غل اور ہنگامے کی آوازیں آنے لگیں۔ جو اس بات کی علامت تھیں کہ اس کی دو بہنیں اپنی اپنی فیملی کے ساتھ آ چکیں تھیں۔ آج تو ان کے شوہروں کی آواز بھی آ رہی تھی۔ ان کی آوازیں سن کر علینہ جلدی جلدی آنسو پونچھنے لگی۔

ہاتھ منہ دھو کر اس نے کپڑے بدلے۔ بال سنوارے۔ اور باہر آ کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔ بھانجے بھانجیاں اس سے لپٹ گئے۔ پورا گھر لذلذ کھانوں کی اشتہا انگیز مہک سے بھرا ہوا تھا۔

دونوں بڑی بہنیں بھی بہت خوش نظر آ رہیں تھیں۔

وہ تھوڑی دیر تک ان کے پاس بیٹھی ان کی باتوں کے جواب میں ہوں ہاں کرتی رہی۔ پھر بددل ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

تھوڑی دیر تک اپنی برباد محبت پر سوگ مناتی رہی پھر منہ سر لپیٹ کر لیٹ گئی آنکھیں بند کر کے اس دنیا سے چھپ جانا چاہتی تھی۔ اس کی مثال اس وقت کبوتر جیسی تھی جو بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بلی کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ اتنے میں باہر ملی جلی جوش میں دبی دبی آوازیں آئیں تو وہ سمجھ گئی کہ مہمان آ گئے ہیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر رابی دروازہ کھول کر سر اندر کیے اطلاع دینے لگی۔

آپی مہمان آ گئے ہیں۔ رابی کا چہرہ دمک رہا تھا۔

آ گئے ہیں تو جاؤ جا کر ان کی خاطر مدارت کرو۔ میری جان چھوڑ دو۔ علینہ چلا کر بولی تو رابی دروازہ بند کر کے دوڑ گئی۔

رابی چلی گئی تو علینہ پھر سے گھٹنوں میں منہ دے کر رونے لگی۔

چند لمحوں بعد دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ پھر دھیرے دھیرے کوئی قدم اٹھاتا اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اب یقیناً کوئی اسے لینے کے لئے آیا ہے۔ وہ سر گھٹنوں میں دیئے سوچتی چلی گئی۔ اب اسے قربان گاہ کی طرف لے جایا جائے گا۔

''علینہ۔'' کسی نے محبت سے پکارا۔ تو وہ تڑپ کر سیدھی ہو گئی۔ اس کے سامنے فائق کھڑا مسکرا رہا تھا۔

آپ۔'' وہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔

''ہاں میں۔'' وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔ شرارت اس کی آنکھوں میں ناچ رہی تھی۔

علینہ پہلے تو اس کی موجودگی کو اپنا وہم سمجھی مگر پھر اسے یقین آ گیا کہ فائق وہم نہیں حقیقت ہے اور واقعی اس کے سامنے کھڑا ہے۔

آپ نے پھر دیر کر دی فائق۔ وہ اب بیڈ سے اتر کر اس کے سامنے، اس کے بالکل پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔ اتنی پاس کہ اس کی سانسیں بھی گن سکتی تھی۔ وہ دیوانہ وار اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور رو رہی تھی۔ اور روتے ہوئے اس نے کہا کہ آپ نے پھر دیر کر دی فائق۔

فائق نے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے اور عالم جذب میں بولا۔ میں نے دیر نہیں کی

علینہ۔میں بالکل صحیح وقت پر آیا ہوں۔

ابھی تھوڑی دیر میں میری منگنی ہو جائے گی۔

میں جانتا ہوں۔وہ پرسکون لہجے میں بولا۔

آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔وہ بے یقینی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ہاں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اگر تمہاری منگنی میرے ساتھ ہو جائے۔

آپ کے ساتھ کیسے ہو سکتی ہے اب تو مہمان بھی آ گئے ہیں۔وہ باہر بیٹھے ہیں۔میرا انتظار کر رہے ہیں۔اس نے فریاد کی۔

جو مہمان آئے ہیں ان میں سے ایک مہمان تمہارے سامنے کھڑا ہے۔جب کہ دوسرا مہمان میری امی ہیں۔جو کہ باہر تمہاری فیملی کے پاس بیٹھی ہیں کیونکہ ٹوٹل مہمان ہم دو ہی ہیں۔ویسے مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم ہمارا استقبال یوں روتے ہوئے کرو گی۔

کیا مطلب.....وہ ہونق بنی منہ کھولے دیکھ رہی تھی۔پھر بولی۔تو وہ مہمان جو جمعے کو آنے تھے۔وہ آپ لوگ تھے۔

بالکل ہم نے آپ کی والدہ کو جمعہ کا دن ہی دیا تھا۔

تو پھر مجھے کیوں منگل کا کہا تھا۔اب اس کے تیور جارحانہ ہوتے جا رہے تھے۔سوچا زندگی میں آخری مرتبہ تمہیں تنگ کر لوں۔میں تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا۔دیکھو نا اب جتنی خوشی تمہیں آج ملے گی۔اتنی شاید منگل کو نہ ملتی۔یقین کرو یہ سب میں نے اس لئے کیا ہے۔تاکہ تمہیں زیادہ سے زیادہ خوشی ملے۔وہ معصومیت سے اپنی زیادتی پر پردہ ڈال رہا تھا۔

علینہ نے یہ تقریر سنی تو وہ اونچی آواز میں رونے لگی۔

اسے روتا دیکھ کر فائق بوکھلا گیا۔

ارے ارے یہ کیا کر رہی ہو.....پلیز چپ ہو جاؤ۔باہر والے کیا سوچیں گے۔وہ روتے روتے اسکے سینے سے لگ گئی۔

ہاں یہ ٹھیک ہے۔بس یہ رونا بند کر دو۔پلیز۔اس نے سرگوشی کی تو وہ بھی سرگوشی میں بولی۔

کیا ملتا ہے آپ کو مجھے یوں اذیتیں دے کر۔

بس میری جان۔یہ ذہنی اذیتیں ہمیشہ کے لئے ختم۔ہاں اگر پیار میں کوئی چھوٹی موٹی اذیت دی تو وہ برداشت کر لینا۔وہ ہنسا تو وہ شرما کر پیچھے ہٹ گئی۔چلو باہر چلتے ہیں۔سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔

علینہ نے دوپٹہ کندھے پر ڈالا۔اور اس کے پیچھے پیچھے باہر کو چل دی سبھی لاؤنج میں بیٹھے قہقہے بکھیر رہے تھے۔ان دونوں کو دیکھ کر چپ ہو گئے۔

علینہ اپنی امی کی طرف دیکھنے لگی۔جو پیار بھری نظروں سے اسے دیکھ رہیں تھیں۔

امی آپ بھی اس ڈرامے میں شامل تھیں۔وہ شکوہ کرتے ہوئے بولی۔

ہاں بھئی تھا تو یہ چھوٹا سا ڈرامہ۔مگر ان تین چار دنوں میں تمہیں روتا ہوا دیکھ کر بڑی مشکل سے خود پر قابو رکھا تھا۔کئی دفعہ دل چاہا کہ تمہیں سچ سچ بتا دوں۔مگر فائق نے سختی سے منع کر رکھا تھا۔

ادھر آؤ میری بیٹی۔میرے پاس بیٹھو۔بیگم فریحہ نے اسے پاس بلایا تو وہ جا کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

بھئی یہ آج سے میری بیٹی ہے۔خبردار اگر کسی نے اسے تنگ کیا تو۔علینہ نے نظریں اٹھا کر فائق کی طرف دیکھا۔وہ بھی گہری نظروں سے اسی کو دیکھ رہا تھا.....

.....ختم شد.....

Pakistanipoint
Waqar Azeem